بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (پ ۲۲)

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے (کنز الایمان)

آفتابِ گولڑہ

اور

فتنۂ مرزائیت

مرتب

حاجی نواب دین چشتی گولڑوی

مکتبہ غوثیہ ۱/۱۶ شمس سٹریٹ سعدی پارک مزنگ لاہور

معذرت نامہ

کتاب ہذا کے پہلے حصّہ کی اکثر تحریریں اور دوسرے حصّہ کی قریباً ساری کی ساری حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کی سوانح عمری 'مہر منیر' سے لی گئی ہیں جن کے نمبر صفحات تو جا بجا دیئے گئے ہیں مگر کتاب 'مہر منیر' کا نام لکھنا رہ گیا، جس کے لیئے معافی کا خواستگار ہوں۔

اور یہ تحریریں اس لیئے 'مہر منیر' سے نقل کرنے کی جسارت کی کہ ان سے زیادہ مستند عبارات کا حصول ممکن نہ تھا۔ کیونکہ یہ تحریریں اس عالم بے مثل کی تحریر کردہ ہیں جن کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ مسلّم ہے اور جن کو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف اور قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت کی نعمت نصیب ہوئی ہے۔ اور انہیں کے حسبِ ارشاد حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے فارسی مکتوبات و ملفوظات اور فارسی تصانیف تحقیق الحق و اعلاءُ کلمۃُ اللہ کا اُردو ترجمہ اور فتاویٰ مہریہ مرتب کرکے اُردو خوان حضرات پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مدینہ عالیہ کی ایک معزز شخصیت حضور قبلہ سیّد احمد عبّاس مدنی صاحب قدس سرہٗ کی فرمائش پر حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کے مسلک پر ایک عربی رسالہ 'الفیوضات المدینۃ' بھی تحریر فرمایا جسے عراق و حجاز اور مصر تک سراہا گیا۔ اور 'مہر منیر' جیسی ضخیم کتاب کی تصنیف تو اُن کا شاہکار ہے اور وہ ہیں جناب حضرت مولانا مولوی فیض احمد فیضؔ زادہ فیضیہ، جو قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۶۰ء سے دربار عالیہ گولڑہ شریف پر قیام پذیر ہو کر وہاں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ ایک وقت میں جامعہ غوثیہ مہریہ کے اوّل مدرس بھی ہیں اور دربار عالیہ میں خطیب و مفتی بھی۔ اللہ تعالےٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور صاحبزادگان کا سایہ تاقیامت ہم غریبوں پر رکھے جو اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے دین کی خدمت میں ہمہ وقت سرگرم عمل ہیں اور بفرمان مولائی و مرشدی حضور قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو مخدوم نہیں بلکہ دربار عالیہ کے خادم سمجھے ہوئے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے کہ دربار شریف کے زائرین سیّد الاولیاء حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے مہمان ہیں۔ جن کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور یہی نظریہ موجودہ حضرات کا ہے۔

بندۂ ناچیز ۱۹۳۹ء کو ثانی لاثانی حضور قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر پاکپتن شریف میں بیعت ہوا اور اُس وقت سے اکثر دربار شریف پر حاضری دیتا رہا ہوں۔ اللہ تعالےٰ اس نسبت کو قائم دائم رکھے۔ بندہ تو اسی نسبت سے پہچانا جاتا ہے۔ حضور موصوف نے بندۂ ناچیز کے غریب خانہ چونیاں میں قدم رنجا فرما کر احسانِ عظیم بھی فرمایا ہے۔

اللہ تعالےٰ اس میخانے کو تاقیامت آباد رکھے آمین بجاہ النبی الامی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ و

نوٹ:۔ کتاب ہذا کے صـ ۲ تا ۲۲، ۲۵ تا ۳۰، ۳۵ کی موٹی عبارات 'تاریخ محاسبہ قادیانیت' مذکورہ کے صفحات ۱۸۶ تا ۱۸۷، ۱۸۹ تا ۱۹۱، ۲۰۶ سے درج کی گئی ہیں اسی طرح ۱۶۴ تا ۱۸۴ کی عبارات کتاب 'حقیقت مرزا' از پادری کے۔ ایل ناصر گوجرانوالہ سے لی گئیں۔

احقر العباد نواب دین گولڑوی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۲۲

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے (احزاب)

آفتابِ گولڑہ
اور
فتنۂ مرزائیت

مرتب

حاجی نواب دینؔ چشتی گولڑوی

مکتبہ غوثیہ ۱/۱۶ شمس سٹریٹ سعدی پارک مزنگ لاہور

ہدیہ ۱۸/ روپے ایک نسخہ حاصل کرنے والے ۲۲/ روپے کے ٹکٹ یا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

اِنتساب

قطبِ ربانی غوثِ صمدانی

آفتابِ گولڑہ

حضرت

سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ

اور

شمع رسالت کے ان پروانوں کے نام

جنہوں نے تحفظ ختم نبوت کے لیے اپنی

جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

نواب الدین عفی عنہ گولڑوی

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وجہ تالیف

تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں عرصہ سے ملک بھر میں بہت سی کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ جس میں ہر مکتبِ فکر کے علماء کرام اپنی اپنی قربانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مگر ان اجلاس میں حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ گولڑوی کا نام نامی اسم گرامی بہت کم سننے میں آتا ہے۔ حالانکہ اوّل اوّل آپ ہی نے اس کذاب نبی کے ساتھ بلاواسطہ اور بالواسطہ ٹکر لی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب مرزا قادیانی نے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کرکے غیر معمولی شہرت حاصل کر لی، جس سے بعض مسلمان علماء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ برطانوی سامراج کے مامور کردہ اس کذاب نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بتدریج اپنی ولایت، مجددیت، محدثیت، مہدیت، مسیحیت اور نبوت کا ڈھونگ رچایا اور ملک کے مشہور مشائخ عظام علیہم الرحمۃ کو دعوت نامے ارسال کئے "کہ میں مسیح موعود ہوں، آپ احیائے دین اور عروجِ اسلام کے لئے میری اعانت کریں"۔ جب یہ خط حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا، تو آپ نے لکھا "میں تم کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا"۔ جس پر یہ کذاب بہت برہم ہوا۔ اور حیات المسیح کا انکار کر دیا تو آپ نے مرزا صاحب کے عقیدہ ممات المسیح

۱؎ انگریزوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد انتقامی جذبے سے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا پروگرام بنایا، وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں سے میدانِ کارزار میں نمٹنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے انہوں نے مختلف سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ عشقِ رسولؐ اور جذبہ جہاد ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جن لوگوں کو استعمال کیا، ان میں سرِ فہرست مرزا غلام احمد قادیانی تھا جس نے انگریزوں کے ایماء پر نبوت کا جھوٹا دعوےٰ کیا اور جہاد کو حرام قرار دیا۔ برطانوی سامراج کے اس مامور کردہ کذاب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں توہین و تنقیص کے حملے کیے۔ فضائل و مراتب اور معجزات کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ عین خدا ہونے کا دعوےٰ تک کر دیا جیسا کہ آپ اس کتاب کے حصہ سوم میں پڑھیں گے۔ علماءِ حق نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے دعوے کی قلعی کھول دی۔

کے رد میں ایک کتاب "شمس الہدایۃ فی اثبات حیات المسیح" تحریر فرما کر اُسے روانہ کر دی اور ساتھ ہی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی دریافت فرمائے۔

کتاب کا منصۂ شہود پر آنا تھا کہ قادیان میں تہلکہ مچ گیا اور کلمہ طیبہ کے معانی کے سوال پر علماء اسلام بھی انگشت بدنداں رہ گئے اور ہندوستان کے طول و عرض سے قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو مبارکبادی کے خطوط آنے لگے۔ مرزا صاحب سے نہ ہی "شمس الہدایۃ" کا جواب بن پڑا اور نہ ہی کلمہ طیبہ کا معنی۔ اس کے برعکس مرزا صاحب کے دستِ راس حکیم نورالدین نے ۲۰ر فروری ۱۹۰۰ء کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں بارہ سوالات بھیجے۔ جن کے جوابات آپ نے ارسال فرما دیئے اور حکیم صاحب کو ایک ایسا سوال کیا جس کا وہ جواب نہ دے سکا۔ تو حضرت نے یہ خط و کتابت بصورت اشتہار شائع کرا دی۔ جس پر حضرت نے ملک کے علماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا اور ساتھ ہی مرزا صاحب سے "شمس الہدایۃ" کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرت کو ۲۲ر جولائی ۱۹۰۰ء کو مناظرہ کی دعوت دے دی کہ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔ یہ اشتہار پیر صاحب کو ۲۵ر جولائی ۱۹۰۰ء کو موصول ہوا تو آپ نے اگلے روز ہی مناظرہ کی تاریخ مرزا صاحب کے حسب خواہش ۲۵ر اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کر دی اور اس کے کہنے کے مطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوا کر ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیں اور ایک کاپی مرزا صاحب کو بھیج دی۔ جس کی وصولی کی اطلاع مرزا صاحب نے بھیج دی۔

چنانچہ مقررہ تاریخ کو ملک کے طول و عرض سے ہزاروں کی تعداد میں ہر مکتب فکر کے علماء اور مشائخ لاہور پہنچ گئے اور شاہی مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ جہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مگر مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ بہانہ یہ بنایا کہ پیر صاحب اپنے مریدوں سے مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔

عوام الناس میں بہت جوش و خروش تھا۔ چنانچہ ۲۷ر اگست کو شاہی مسجد لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے ممتاز علماء نے ختم نبوت پر تقاریر فرمائیں اور اسلام کی سربلندی اور مرزا کے دجل و فریب اور پسپائی کو تفصیلاً بیان

فرمایا۔ اس دن حق اپنی تمام تر زیبائی و رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور باطل سرنگوں ہو کر رہ گیا۔ وقل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

مرزا صاحب کی اس شکست سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ تائب ہوئے اور حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پیر صاحب ۲۴ تا ۲۶ اگست لاہور میں قیام فرما کر گولڑہ شریف روانہ ہو گئے۔

مرزا صاحب نے اپنی خفت مٹانے کے لئے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ پیر صاحب کو اپنے مقابلے میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر عربی زبان میں لکھنے کی دعوت دے دی۔ اور کہا کہ یہ ستر دن کے اندر چھپ کر تیار ہو۔

چنانچہ مرزا صاحب نے اعجاز المسیح (تفسیر فاتحہ) لکھی اور شمس الهدایۃ کے جواب میں محمد حسن امروہوی سے شمس بازغہ لکھوائی۔ ان دونوں کتابوں کے جواب میں حضرت نے شہرہ آفاق کتاب سیف چشتیائی تصنیف فرما کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم فرمائی۔ جس سے مرزا صاحب کی تمام شیخی خاک میں مل گئی۔ پیر صاحب نے اس کتاب میں 'اعجاز المسیح' کے تمام دعووں پر پانی پھیر دیا۔ کیونکہ مرزا صاحب کی تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارات سے پُر تھی۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ نے مرزا صاحب کی تفسیر پر تقریباً ایک سو اعتراضات فرما کر مرزا صاحب کو ارسال فرما دیئے۔ جس کے جواب سے فرقہ مرزائیہ آج تک محروم ہے۔

"سیف چشتیائی" کو اہل علم و فضل طبقہ نے سر آنکھوں پر رکھا اور زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اس کے علاوہ پیر صاحب کے کئی ایک متوسلین نے بھی مرزا صاحب کی خوب خبر لی۔ جو آپ اس   کے آخر میں پڑھیں گے۔

اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس پہلے حصہ میں 'فتنہ مرزائیت' دوسرے میں پیر صاحب کی شخصیت اور دینی خدمات، تیسرے حصہ میں مرزا صاحب کی شخصیت اور اس کے کفریات، اور چوتھے حصہ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور کردار۔

اب اس معرکہ کو ذرا تفصیل سے مع حوالہ جات کے بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ حق واضح ہو جائے۔ پہلے پیر صاحب گولڑہ شریف قدس سرہٗ کا تعارف اور کچھ حالات زندگی ملاحظہ فرمائیں:

تعارف

(از مولوی فیض احمد صاحب صدر مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ملھم الحق والصواب والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل من اوتی الحکمۃ و فصل الخطاب وعلی الذین معہ من الآل والاصحاب وعلی من تبعھم الیٰ یوم الحساب

اما بعد واضح ہو کہ عالم ربانی عارفِ لاثانی رہبرِ شریعت ہادیٔ طریقت قبلہ عالم حضرت سیدنا و مولانا پیر مہر علی شاہ الحسنی الگیلانی قدس سرہٗ۔ ان بزرگان دین اور علمائے کاملین سے ہوئے ہیں جو بڑی مدت کے بعد کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور جن کی نگاہ بصیرت باریک سے باریک حقیقت کو دیکھتی ہے اور جن کی نظرِ اعتبار کے سامنے حیات انسانی کے تمام نقوش خواہ وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں رہتے ہیں۔ اور جن کے قلوب انوار سبحانیہ کے معدن اور اسرار ربانیہ کے مخزن ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنا تعلق محبوب حقیقی سے استوار رکھتے ہیں اور دوسری طرف نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر میدان میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کا وجود اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غیر فانی کمالات کا نمونہ۔ اور ان کا خُلق اخلاقِ خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے۔ آنجناب کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہرہ اور باطنہ سے وہ حصہ وافر عطا فرمایا تھا، کہ بلاریب کمالات علمیہ میں باب مدینۃ العلم امام المشارق والمغارب سیدنا مولانا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تعالیٰ کا مظہر اتم نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جس طرف بھی توجہ فرماتے دلائل و براہین اور تحقیقات و تدقیقات کا وہ حیرت انگیز نقشہ پیش فرماتے کہ بڑے سے بڑے مدعیان علم و حکمت سُن کر دم بخود رہ جاتے۔ تمام علوم شرعیہ اور فنون رسمیہ کی تعلیم و تلقین میں آپ کو وہ ید طولےٰ حاصل تھا کہ مستفیدین جو بڑے بڑے صاحب علم و بصیرت ہوتے تھے یوں محسوس کرتے تھے کہ گویا خود مصنف کتاب کی تشریح کر رہا ہے۔ خاتم المکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی تصنیفات پر آنجناب کو کامل عبور حاصل تھا۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم جیسی ادق کتابوں کا پڑھانا آپ کے

معمولات درسیہ سے تھا۔ مثنوی حضرتِ عارف رُومی رحمتہ اللہ علیہ میں وہ مہارت تھی کہ بعض اوقات ایک شعر کی تشریح پر کئی دن گزر جاتے۔ سلسلہ صابریہ کے مشہور شیخ حضرتِ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ جن کے حواشی مثنوی شریف پر شہرہ آفاق ہیں اور درس مثنوی میں اپنے وقت میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے جب مکہ شریف میں حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ سے مثنوی شریف کے ایک شعر کی تشریح سنی تو محوِ حیرت ہو گئے اور فرطِ مسرت میں اپنا سلسلہ صابریہ بدیتہً پیش فرمایا۔

اگرچہ اثنائے تدریس اور مجالس علمیہ میں آنجناب کے بیان کردہ نکات اور مضامین کا ضبط پُورے طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ علوم لدنیہ کا بحر مواج احاطہ تحریر میں محدود نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ کے خلف رشید حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ خانقاہ عالیہ قدوۃ العارفین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ فرید الحق والدین کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید محمد صاحب مرحوم جو کہ حضرت قبلہ عالم سے گہری عقیدت رکھتے تھے ان کے اصرار پہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا لیکن بعد میں معذرت فرمائی کہ جس وقت میں نے قلم اٹھائی عالم غیب سے بارش کی طرح مضامین میرے دل پر وارد ہونے شروع ہو گئے۔ جن کا ضبط کرنا قلم کی طاقت سے باہر تھا۔ تاہم مسئلہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت پہ آپکی تصنیفات شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی اور مسائل نذر و نیاز۔ سماع موتی استمداد اور علم غیب وغیرہ پہ کتاب اِعلاءُ کلمۃِ اللہ اور کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت وجود وغیرہ پہ آپ کی کتاب تحقیق الحق اور غیر مقلدین کے دس سوالات کے جواب میں آپ کا رسالہ فتوحات صمدیہ اور مکتوبات و ملفوظات اور کچھ علمی فتاوے اب تک اہل علم حضرات کے لیے خضرِ راہ کا کام دیتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مفکرِ اسلام محقق صوفی مجتہدانہ بصیرت کے حامل فقیہ زبردست مناظر بہترین محدث اعلیٰ ترین مصنف ہونے کے علاوہ فضائے صدق و صفا و اخلاص کے بلند پرواز شہباز اور دریائے عشق و محبت کے غواص تھے۔ (فیض احمد)

یہ تو تھا آپ کا تعارف اب آپ کے سامنے حالاتِ زندگی مختصراً عرض کیے دیتے ہیں۔

حالاتِ زندگی

(تاریخ محاسبۂ قادیانیت ۱۸۶۵ء تا ۱۹۰۱ء از خالد شبیر احمد پروفیسر شعبہ سیاسیات گورنمنٹ کالج۔ فیصل آباد۔)

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے دور کے مشہور صوفی بزرگ ہیں۔ جن کا شجرۂ نسب پچیس واسطوں سے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے اور چھتیس سلسلوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے اسلاف میں سے حضرت پیر سید روشن دین اور ان کے چھوٹے بھائی پیر سید غلام رسول شاہ اپنے وطن ساڈھورہ[1] شریف ضلع انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے راولپنڈی سے چند میل دور بمقام گولڑہ شریف[2] آباد ہو گئے۔ یہ ان بزرگوں کا روحانی فیض تھا کہ وہ بہت جلد گرد و نواح میں مقبول ہو کر مرجع خلائق بن گئے۔ اور یہ سلسلہ فیض و برکات اس چھوٹے سے گاؤں میں آج بھی جاری و ساری ہے۔

[1] یاد رہے کہ برصغیر ہند و پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پاک نے اپنے نانا جان کے دین کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ حضرات اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اپنے گھر بار اور عزیز و اقارب کو خیر باد کہہ کر تن تنہا بے یار و مددگار وہاں پہنچے جہاں نہ جان نہ پہچان ان میں سر فہرست حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری جو کابل سے لاہور پہنچے اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی جو سنجر سے اجمیر پہنچے۔ اسی طرح قبلہ عالم گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف میں سے سید تاج الدین محمود قادری رزاقی نویں صدی ہجری میں بغداد شریف سے بنگال پہنچے اور بعد میں آپ کے پوتے حضرت سید مخدوم قادر قمیص بنگال سے ساڈھورا تشریف لائے۔

[2] مخدوم میراں شاہ قاد قمیص کی بارھویں پشت میں سے ایک صاحب حضرت سید عبدالرحمٰن نوری (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹ پر)

حضرت پیر سیّد روشن دین شاہؒ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے دادا، پیر سیّد غلام شاہؒ کے والد بزرگوار تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام پیر سیّد نذر دین شاہؒ ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۴ ہجری بمطابق ۱۸۱۵ ء بمقام گولڑہ شریف ہوئی۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ عین عالمِ شباب میں

حج پر گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے الٰہی انتقال فرما گئے اور آپؒ کی وصیت کے مطابق آپ کے اوراد و وظائف کی کتابیں آپ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپؒ کے صاحبزادگان پیر سیّد روشن دینؒ و سیّد غلام رسول شاہؒ کو جب ساڈھورہ میں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ پیدل روانہ ہو کر بصرہ پہنچے اور چھ ماہ تک اپنے والد ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔ "مخازن النسب" میں لکھا ہے کہ ایک روز اوراد و وظائف کی کتابیں خود بخود قبر شریف سے باہر آ گئیں۔ جنہیں لے کر یہ دونوں بھائی فریضۂ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سیّد روشن دین شاہؒ کے کمال سے متاثر ہو کر منصبِ قضا پیش کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کابل سے وطن واپس ہوتے ہوئے سرزمینِ گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارھویں صدی ہجری کے آخر کی بات ہے جبکہ دہلی کے تخت پر مغل بادشاہ شاہِ عالم ثانی متمکن تھا۔ اور بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دَور دورہ تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو رہے تھے اور مرہٹے اور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۷۶۰-۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اس نواح میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ان ہر دو حضرات نے پنجاب کے اس شمال مغربی گوشے کو جائے امن اور اپنے مقاصدِ تبلیغ و ارشاد کے لیے موزوں خیال کرتے ہوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خدام کو اسی جگہ بلوا لیا۔ حضرت پیر سیّد روشن دینؒ قبلہ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سیّد غلام شاہ کے والد بزرگوار تھے۔"

(مہر منیر، مصنفہ مولانا فیض احمد فیضی صفحہ ۵۱-۵۲)

تھے آپ کو مخالفین کی سازش سے زندہ جلانے کی ناکام کوشش کی گئی[1] جس سے اس خاندان کو اچھی خاصی شہرت حاصل ہوئی اور یوں یہ گیلانی سادات کا خاندان مخالفین کی خواہشات کے علی الرغم پہلے سے زیادہ مقبول و محبوب ہو گیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] حضرت قبلہ عالم (پیر مہر علی شاہ رح) فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں حضرت اجی صاحب رح (پیر سید نذر دین والد ماجد پیر مہر علی شاہ پوٹھواری زبان میں والد کو اجی کہتے ہیں) شب و روز عبادت الٰہی اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ہی سکھوں کا محلہ تھا۔ جہاں سکھ قلعدار کی ایک رشتہ دار لڑکی بد چلنی کے الزام میں حاملہ پائی گئی اس موقع سے فایدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مخالف نے صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعدار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپ کو گرفتار کرا کر زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس الزام و سزا کے حکم کے خلاف قرب و جوار کے مسلمانوں کے وفد سکھ سردار کے پیش ہوئے تو اس نے کہا سجادہ نشین صاحب فوراً آ کر یقین دلائیں کہ وہ کا بے گناہ ہے۔ سجادگی پر اس وقت اجی صاحب کے ماموں سید فضل دین رح رونق افروز تھے۔ آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ اسے کہو کہ اسے جلا ڈالے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لیے اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دن پہلے مواضعات میرا بادیہ و میرا اکو وغیرہ کے مسلمانوں نے اجتماع کر کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحب رح نے اطراف و جوانب میں پیغامبر بھجوا کر اطلاع کرا دی کہ جو کوئی ایسا قدم اٹھائے گا اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ لوگ رک گئے سزا والے دن علی الصبح ہی ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اس قلعے کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دور ندی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ عورتوں نے آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دیا کہ ہمارے پیرزادے کو ان کے ساتھ تول کر جرمانہ وصول کر لو۔ اور انہیں رہا کر دو مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق عبرت عامہ کے لیے سزائے موت شارع عام پر دی جاتی تھی۔ اس لیے ایک کھلی جگہ لکڑیاں چن کر چتا تیار کی گئی اور فوج نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۱ پر)

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ ہجری بمطابق ۱۸۵۹ء (۱۴ اپریل) بروز سوموار گولڑہ شریف میں ہوئی۔ حضرت نے اپنی ابتدائی تعلیم قرآن پاک اور فارسی سیکھنے سے شروع کی اور خداداد قابلیت اور ذہانت کے بل بوتے پر بہت جلد ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کر لیے۔ جس کے بعد ہندوستان کے مشہور و معروف دینی مدارس کی طرف اعلیٰ

یہ بُدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اُس رات اجی صاحب کو حضرت غوث الاعظم کی زیارت نصیب ہوئی جنہوں نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے، گھر میں جو نیا لباس موجود ہے پہن کر دو نفل نماز ادا کریں۔ چنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لیے پانی بھی دیا اور گھر سے لباس بھی منگوا دیا۔ جو آپؒ نے پہن کر نماز دوگانہ ادا فرمائی اور چتا پر جا کر بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل لگا کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر لاکھ جتن کے باوجود آگ نہ لگی یہ دیکھ کر الزام لگانے والے شخص نے کہ سپاہی پیروں سے مل گئے ہیں اس لیے دانستہ ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اس نے حضرت کے کپڑوں اور لمبے لمبے گھونگھریالے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں خشک بنولے ڈال کر جلائے۔ ادھر جب شعلے بلند ہونے لگے تو اُس برتن کو آپؒ کے تیل میں تر بتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شعلے لپکتے رہے اور ان کی حرکت سے حضرتؒ کے بال لہراتے رہے لیکن انہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ آخر اُس جلتے ہوئے بنولوں کو آپ کے تیل میں شرابور کپڑوں پر اُلٹ دیا۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کا اثر قبول کیے ہوئے لکڑیوں پر جا گرے اور بجھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپ کی بے گناہی کا غوغا اُٹھا اور قلعدار نے حکم دیا کہ مخبر کو گرفتار کر کے اسی چتا پر جلا دیا جائے اور خود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرتؒ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ کہ آپ واقعی بے گناہ ہیں۔ میں نے اس بُرے آدمی کے کہنے پر آپؒ پر ناحق ظلم کیا۔"

ماخوذ از مہرِ منیر مصنفہ مولانا فیض احمد فیضی ص ۵۶-۵۵

تعلیم کے لیے رجوع کیا۔ سب سے پہلے آپ کانپور گئے۔ جہاں مولانا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات ہوئی آپ چونکہ اُن دنوں حج کے لیے روانہ ہونے والے تھے اس لیے انہوں نے اپنے استادِ محترم جناب مولانا لطف اللہ علیگڈھی کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے انہی بزرگ سے عرصہ ڈھائی سال تک تعلیم حاصل کی جس کے بعد آپ سہارن پور تشریف لے گئے۔ اور مولانا احمد علی سہارن پوری سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ جو حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ۱۲۹۵ ھجری بمطابق ۷۷ - ۱۸۷۶ء میں حصولِ علم کے بعد واپس وطن تشریف لائے اور اپنے آپ کو درس و تدریس میں مشغول کر لیا۔ اس سے پہلے حصولِ تعلیم کے دوران چونکہ آپ کو اپنے استادِ محترم جناب حافظ سلطان محمود کے ہمراہ کئی مرتبہ سیال شریف تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا جس سے آپ حضرت شمس الدین سیالویؒ کے روحانی مرتبے کو اچھی طرح پہچان چکے تھے۔ حضرت شمس الدین سیالویؒ بھی آپ سے خاص شفقت فرماتے تھے اس لیے ہندوستان سے جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن پہنچے تو سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت کر لی۔ جبکہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ اپنے ہی اسلاف کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے

ردِّ قادیانیت کی جانب :-

۱۸۹۰ء میں حج کے موقعہ پر جب آپ نے حجازِ مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بنا بر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین ہند میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جس کا سدِباب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی مُلک کے عُلماء اس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بعد ازاں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہُوا کہ اُس فتنہ سے مُراد فتنۂ قادیانیت تھا۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی پیش گوئی کے مُطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مناظرِ اسلام، مامور اور مجدد کے دعووں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے اور نزول سے انکار کر کے اُن کی موت اور اپنے مسیحِ موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔

"ملفوظات طیبات" میں درج ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ عالم رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرزائے قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر

ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی ایک خود نوشتہ یادداشت آپ کے قدیم مسودات میں موجود پائی گئی ہے۔ جس کا متعلقہ حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"در ایام ارادۂ اجابتِ دعوتِ مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہراً بغرضِ تحقیقِ حق بذریعہ اشتہارات نمودہ بود باین نعمتِ عظمیٰ مشرف شدم در حالیکہ چشمان خود بند نمودہ بحالتِ بیداری در حجرہ تنہا نشستہ بودم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دیدم کہ بہ ہیئت قعدہ جلوس فرمابستند و بفاصلۂ چہار بالشت ایں آثم نیز بہمان ہیئت بالمقابل بمحاذاۃ تام مثل جلوس مُرید بخدمت شیخ حاضر است و غلام احمد بعید تر ازیں مکان رُو بمشرق و پُشت کردہ بجانب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ است۔ بعد ازیں رؤیت بہ لاہور بمعہ احباب رسیدم حسبِ وعدۂ مؤکدۂ خود (مثل لعنۃ اللہ علی من تخلف وابی) تخلف ورزید و بہ لاہور نیامد۔"

ترجمہ:- "جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیقِ حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے حجرہ میں بحالتِ بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادب تمام شیخ کی خدمت میں مُرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اُس جگہ سے دُور مشرق کی طرف مُنہ کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پُشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رؤیت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (مثل انکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"

اِن مکاشفات و مشاہدات کے علاوہ حضرت نے "سیفِ چشتیائی" میں دجال کے متعلق اپنے بچپن کا ایک خواب بھی بیان فرمایا ہے جو بدیں مضمون ہے:-

"اس نیازمند نے بلوغت سے قبل جب کہ احادیثِ دجّال کا نام تک بھی نہ سنا تھا، دجّال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اُس کی پھوٹی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ کہو خدا ایک نہیں۔ میں نے سخت غصّے سے جواب دیا کہ مردود، خدا ایک ہی ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اس کا وار خطا ہو کر تلوار اُس کی میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح اُنہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اس نے کہا اور بجواب اُس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وہ خطا ہو کر، تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اس دفعہ تو قبضہ اُس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اُس کی میرے سر کے اُوپر سے گزرتی رہی۔"

قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا جواب

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ اُن کے پیرو مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروجِ اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں۔ حضرتؒ نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسبِ سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

مشائخِ طریقت کو چیلنج

مرزا صاحب عوام الناس پر مشائخ طریقت اور سجادہ نشینوں کے ہمہ گیر اثر سے بخوبی واقف تھے اس لیے اُن کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درویش صفت اور سادہ لوح گدی نشین، اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائے اور اُن کے مشن کو تقویت پہنچے لیکن اس میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں تک ایمان وعقائد کا تعلق ہے بزرگانِ دین کی کم علم اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتی ہے۔ اس لیے جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ایام الصلح میں مرزا صاحب نے مشائخ پر بہ طریق ذیل اپنا غبار نکالا:۔

"ایں وقت زیر سقف نیلگوں ہیچ متنفس قدرت ندارد کہ لاف برابری بامن زند۔ من آشکارے گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیانِ اسلام، درمیان شما جماعتے می باشند کہ گردن بدعوئ محدثیت و مفسریت برمے فرازند وطائفہ اند کہ از نازشِ ادب پا بر زمین نگذارند و گروہے اند کہ دم بلند از خداشناسی زنند و خود را چشتی وقادری ونقشبندی وسہروردی وچہا چہا مے گویند۔ ایں جملہ طوائف را نزدِ من بیارید۔"

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو، تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہ ناز زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خداشناسی کا دم مارتے ہیں۔ اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔

شمس الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور اُن کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہر بین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء ماہ شعبان و رمضان المبارک میں اوراد و اشغالِ روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر، ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح" منشی عبدالجبار کاتب اخبار

چودھویں صدی راولپنڈی کو قلمبند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کرا دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرماتے ہوئے اُمّتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ نیز ثابت کیا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے مثیل کے دُنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ "شمس الہدایۃ" کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصلح" والی تعلّی کے مقابلہ میں اُن سے کلمۂ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کے معنی دریافت کیے ہیں۔ جس کا وہ صحیح جواب نہ دے سکا۔ کلمۂ طیبہ کا صحیح مطلب، آپ نے اپنی تصنیف "سیفِ چشتیائی" میں سمجھایا۔ شوق ہو تو وہاں دیکھ لیں۔

قادیان میں تہلکہ

"شمس الہدایۃ" کے مندرجات، منقولات اور معقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تہلکہ نہ مچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک شور برپا ہو گیا۔ خصوصاً کلمۂ طیبہ کے معانی کے سوال پر عُلمائے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔ طبقۂ علماء میں "شمس الہدایۃ" کی قدردانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اہلِ حدیث کے پیشوا مولوی عبدالجبار غزنوی نے اس کے مُطالعہ کے بعد حضرت کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولوی عبدالجبار غزنوی کا خط

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مجمعِ خیرات و برکات، منبعِ حسنات و فیوضات، حضرت پیر مہر شاہ صاحب، لَا زَالَ لِلدِّيْنِ وَالْإِسْلَامِ نَاصِرًا وَلِلْإِلْحَادِ وَالزَّنْدَقَةِ كَاسِرًا۔ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ بعد از سلام مسنون و ادعیہ اجابت مقرون، معروض خاطر انور مظاہر آنکہ ہر چند لقائے جسمانی و ملاقاتِ ظاہری بحکم الامور مرہونۃ باوقاتہا بالفعل در زاویۂ تعطیل و ناحیہ تاویل است، مگر تعارفِ رُوحانی یومِ میثاق بحکم الارواح جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ مُوجبِ اُلفت و مورثِ محبت است۔ کتاب شمس الہدایت در ردّ ملاحدۂ مرزائیہ و زنادقہ عصر خذلہم اللہ از نظر احقر گذشت، از مطالعہ اش حظِ وافر و خیر ظاہر بردشتم۔ کثر اللہ تعالیٰ امثالکم و نوّر بالکم و جعل الی کل خیر مآلکم۔ رسالہ فارسی آن مکرم را ظمآن و تشنہ لبانم۔ (ترجمہ۔ ہر چند ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر روزِ میثاق کا رُوحانی تعارف بمصداق حدیث شریف .... موجبِ محبت ہے۔ کتاب شمس الہدایۃ کے مطالعہ سے میں نے حظِ وافر اور خیرِ ظاہر حاصل کیا ہے۔ آپ کے فارسی رسالہ کے مطالعہ کا اشتیاق ہے۔)

یہاں فارسی رسالہ سے مُراد حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی کتاب "تحقیق الحق" ہے۔

جب مرزا صاحب کو اس معرکہ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو اس کے مرید خاص، حکیم نور دین، نے شفقت مآب نسب سے پیر صاحب کو بارہ سوالات برائے جوابات لکھ بھیجے۔

سوالات اور جوابات ملاحظہ ہوں۔

حکیم نُورالدّین کے بارہ سوالات

۲۰۔ فروری ۱۹۰۰ء کو حکیم نُورالدین نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو ایک خط بھیجا جس میں بارہ سوالات درج تھے اور لکھا تھا کہ مجھے جناب کے ساتھ بڑا حُسن ظن تھا۔ اور قریب تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس اثنا میں جناب کی کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں جناب بالکل مولویوں اور منطقیوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور صُوفیوں کے مشرب کی ذرّہ بھر بھی جھلک نہیں دی۔ سُبحان اللہ، میں نے بارہا سُنا کہ جناب فتوحات مکیہ کے غواص ہیں مگر کتاب میں صفحہ ۲ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر" ——— حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اس زمانہ میں یہ نایاب کتابیں آپ کے کُتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے:-

سوال ۳۔ کُلی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں۔ تشخص متشخص کا عین ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمر و یا نورُدین جزئیات انسانیہ اس محسوس مُبصر جسم عنصری کا محدود نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء، انواع ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں۔ کتاب یا سُنّت سے کوئی قوی دلیل چاہیئے۔

سوال ۷۔ الہام و کشف و رویائے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ عقل، قانُون قدرت، فطرت کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟

سوال ۱۱۔ تصحیح احادیث رواۃ کو دیکھ کر آج کل ہم اور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۲۔ تفسیر بالرّائے اور متشابہات کے کیا معنی ہیں؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمسُ الہدائیت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرتؒ کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرتؒ نے جواب تو لکھوا دیا مگر اپنے عُلما کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے "شمسُ الہدائیت" میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے۔ مگر جب ۲۴ اپریل کے اخبار "الحکم قادیان" میں عدم جواب کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وُہ جواب بھجوا دیا۔ حکیم صاحب کے خط اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے جواب کی نقول، آپ کی کتاب "سیفِ چشتیائی" میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوابات کی شان دلالت اور فریق مخالف کے متحیرانہ سکوت کا لُطف تو کچھ اُن کے مطالعہ ہی

سے آسکتا ہے۔ البتہ دلچسپی کے لیے اُن میں سے چند جوابات کا اختصار یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

حضرتؒ نے تفسیر ابن جریر کی مثل چھ کی بجائے سولہ تفسیروں کے نام تحریر فرمائے اور لکھا کہ تفسیر ابن جریر مولوی محمد غازی آپ کو بالمشافہ دکھلا سکتے ہیں اور چونکہ تفسیر کبیر بخاری کا ذکر درمنثور کے حوالہ میں آیا ہے۔ لہٰذا اس کی دستیابی کا سوال اس کے مصنف علامہ سیوطیؒ سے ہونا چاہیئے۔

جواب نمبر ۳۔ کلی طبعی کے متعلق فرمایا کہ میرے نزدیک اِس کا منشا موجود فی الخارج ہے۔ اور تشخص عین شخص ہے مگر عوارض بھی لزوم فی التحقق سے بہرہ یاب ہیں۔

جواب نمبر ۴۔ تجددِ امثال کا مسئلہ میرے نزدیک صحیح ہے مگر تجددِ شہودی وحدۃ سیالہ کو منافی نہیں جو مدار ہے ترتب احکام عرفیہ کے لیے۔

جواب نمبر ۵۔ جزئیاتِ انسانیہ، ماہیتِ معروضہ کا نام ہے۔ وجودات خاصہ ہوں یا عدمات خاصہ یا دونوں سے مغایر اجسام اصل عینی، یا برزخی یا حشری، زید کے مسمّی میں نہایت ہی دخل ہے۔ فقط روحِ مجرد کے لیے بمنزلہ لباس ہیں۔ ہاں بطریق مجاز مرسل کبھی ماہیت کی جز پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہاں پر لحاظ قرائن مثل قتل وصلب نہایت ضروری ہے۔

جواب نمبر ۶۔ انبیاء و رسل اُن انواع ذنوب و خطایا سے جو شان نبوت کے منافی ہوں معصوم و مامون ہیں۔ ورنہ امر بالاتباع کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اور فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِی الشَّيْطٰنُ اس چیز پر دلالت کر رہی ہیں۔ اولیائے کرام بعد فنائے اتم، بشارت مذکورہ میں داخل ہیں۔ اصالت اور تبعیت کا فرق ہے۔

جواب نمبر ۷۔ الہام و کشف و رویاء صالحہ منجملہ شعب ایمانیہ سے ہیں اور اُن کا معیار صحت و فساد، کتاب و سنت سے مطابقت ہے۔

جواب نمبر ۱۰۔ عقل اور قانون قدرت جو استقراءِ ناقص سے عبارت ہے، اُن کا اعتبار محدود ہے تاوقتیکہ نص مخالف قطعی الدلالت شارع سے وارد نہ ہو معلوم ہوا کہ اسی تحریر نے آپ کو مرزا صاحب کے قدموں میں جھکایا ہے۔ مگر پھر بھی عقدہ کشائی نہ ہوئی۔

جواب نمبر ۱۱۔ تصحیح احادیث رواۃ کو دیکھ کر آج کل آپ اور ہم بغیر جرح و تعدیل من السلف نہیں کر سکتے۔

اس خط و کتابت کو جناب مولینا حافظ محمد غازی نے بصورت اشتہار شایع کر دیا اور جب حضرتؒ کے جوابات نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراج تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے شمس الھدائیت کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرتؒ کو مناظرہ کی دعوت دی۔ مگر اس میں یہ نہیں کہا کہ آئیے، میرے جن عقاید اور دعاوی سے آپ کو اور تمام عالم اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیح، میرا مثیلِ مسیح اور پھر مسیح موعود ہونا، لامہدی الاعیسیٰ، میری ظلی بروزی بلکہ مستقل نبوت، میرے متعلق انکار پر مسلمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجال شخصی اور جہاد سیفی کی تردید وغیرہ کے متعلق میرے ساتھ مباحثہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مشن کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں۔ بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کرلو۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۲۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار جاری کر کے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو عربی میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔

یہ دعوتِ مناظرہ اور جواب دعوتِ مناظرہ 'مہرِ منیر' صنہ ۲۱۱ تا ۲۲۷ میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ جو جانبین کی طرف سے اشتہارات کی شکل میں چھپے، جس میں گواہوں کے نام، شرائط، تاریخ اور مقامِ مناظرہ طے پایا، درج ہے۔ جواب دعوتِ مناظرہ میں پیر صاحب نے مرزا صاحب کے چند کفریہ عقائد بھی گنوائے تھے۔ جو اس کی تصانیف میں درج ہیں جنہیں آپ کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے (ازالہ صفحہ ۱۲۸ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء نے جو ظاہری اس سورۃ کی یہ تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اُس سے زیر و زبر ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وہ اُس روز باتیں کرتے ہوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سراسر غلط ہے:
حالانکہ یہ معنی وہ ہیں جو افقہ الناس ابن عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کیے ہیں اور ابن کثیر۔ دُرِ منثور وغیرہ تصنیفات علامہ سیوطیؒ میں یہی درج ہیں)

(۲) قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں (دیکھئے لیکھرام کی موت کی نسبت اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳-۳۴)

(۳) فرشتے نفوسِ فلکیہ وارواح کواکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۳-۳۷-۳۸ تا ۴۰ و ۶۷)

(۴) جبرائیل کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸-۷۰-۸۵)

(۵) انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وحی غلط نکلی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۸۸-۶۸۹)

(۷) حضرت رسولِ اکرمؐ کو ابن مریمؑ، دجال، خرِ دجال اور یاجوج و ماجوج اور دابۃ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۱)

(۸) خرِ دجال ریل گاڑی ہے۔ دابۃ الارض علماء ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۹۵-۴۹۶، و رسالہ انجام آتھم)

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام مسمریزم میں مشق کرتے اور کمال رکھتے تھے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۸)

(۱۰) حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۳)

(۱۱) "براہین احمدیہ" خدا کا کلام ہے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۳۳)

(۱۲) قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وہ مسمریزم ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۴۸ تا ۷۵۳)

(۱۳) قرآن شریف میں اِنّا انزلناہ قریباً من القادیان موجود ہے (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶-۷۷)

(۱۴) مکہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

(ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶ و ۷۷)

(۱۵) بیتُ الفکر واقع قادیان (وُہ چوبارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثیلِ حرم کعبہ ہے۔ وَمن دخلہٗ کان اٰمنا (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

(۱۶) آیت سُبحانَ الّذِی اَسریٰ بِعبدِہٖ لیلاً مِنَ المسجِدِ الحرامِ اِلی المسجِدِ الاَقصیٰ الَّذِی بارکنا حولہٗ کا معنوی اور اصلی طور پر مصداق وُہ مسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اُس میں توسیع کی۔ (اشتہار منارۃ المسیح

(۱۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں دوبارہ دُنیا میں نہیں آویں گے۔ (حاجتِ حوالہ نہیں)

(۱۸) حضرت رسُولِ اکرمؐ، خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار معیار الاخیار)

(۱۹) قیامت نہیں ہوگی تقدیر کوئی چیز نہیں ہے (صفحہ دوم ٹائیٹل پیج ازالۃ الاوہام)

(۲۰) حضرت مہدیؑ نہیں آویں گے۔ (ازالۃ الاوہام ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کا لا مھدی الا عیسیٰ کی حدیث پر استدلال ہے)

(۲۱) آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۱۵)

(۲۲) عذابِ قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۵)

(۲۳) تناسخ صحیح ہے۔ (ست بچن صفحہ ۸۴)

(۲۴) قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵-۲۶)

(شاید اسی عقیدہ پر عمل کرکے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کو ہزار ہزار بے نقط سناتے ہیں۔ مگر حضرت، آیت شریف۔ وَقُولُوا لِلنّاسِ حُسنًا اور دیگر آیاتِ قرآنی اور آپ کے اپنے الہاماتِ ذاتی وَتلطف بالناس وترحم علیھم یا داؤد عامل بالناس رفقاً واحساناً وغیرہ اُردُو الہامات ہم مضمون کو شاید بھول جاتے ہیں۔ آپ کی بدزبانی تو تلوار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شاید اِن گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے)

اس ظالم نے اس پر ہی بس نہیں کیا، بلکہ کلمہ طیبہ کو اپنی طرف منسوب کرکے اس کی سخت توہین کی اس کے علاوہ وہ اور کئی کفریہ عبارات بھی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو آپ اس کتاب کے حصّہ سوم میں پڑھیں گے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی، اشتہار بازی کی، جب یہ اشتہار علماء اور مشائخ کو پہنچا تو

جماعتِ علماء کی طرف سے جوابِ دعوت کا اِشتہار

اِس کے بعد پنجاب، سرحد اور ہندوستان کے ساٹھ علماء و مشایخ کے دستخطوں سے ایک اِشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہوا۔ جس میں درج تھا کہ ہمیں حضرت پیر صاحب کا اشتہار جوابِ دعوت مل گیا ہے اور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسۂ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے مناظرہ تقریری کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت و نبوت ہی اہلِ اسلام کے درمیان مابہ النزاع ہے۔ اور وُہ بقولِ خود مسلمانوں پر اِس دعویٰ کے اثبات کے لیے مامور بھی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقعہ ہے کہ اِس مناظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہلِ اسلام پر اتمامِ حجت کریں۔ علمِ تفسیر اور عربیت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے۔ اگر آپ کی اِمامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات لامحالہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیح موعود اور مہدیٔ معہود کو منوانے کا اس سے بہتر موقعہ مرزا صاحب کو کبھی نہیں ملے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب علمائے برِصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اس لیے بلا رہے ہوں کہ وُہ جلسۂ لاہور میں دن بھر خاموش بیٹھ کر دو منشیوں کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہیں۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن اگر تقریری مباحثہ نہ ہوا تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلہ جُوں کا تُوں رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت کا ردِّ عمل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اِس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے، بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قولِ فیصل کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

اس تمام کارروائی نے ہندوستان میں دُور و نزدیک تک اچھی خاصی ہلچل مچ گئی تھی۔ لوگ بڑی شدت کے ساتھ ۲۵ اگست کا انتظار کرنے لگے۔ خاص طور پر پیر صاحب کے جوابی اشتہار اور اس کے بعد علماء کرام کی جانب سے جوابی اشتہار کی اشاعت کے بعد عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ ان جوابی اشتہاروں میں تحریری مقابلۂ تفسیر نویسی سے پہلے اصل اور اہم موضوع پر تقریری مقابلہ اور اس کی اہمیت انتہائی طور پر واضح کر دی گئی تھی اس طرح پیر مہر علی شاہ صاحب کی اس ترمیمی تجویز نے کفر و اسلام کی اس دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل کر دیا تھا۔

پیر مہر علی شاہ کی لاہور میں آمد اور مرزا صاحب کا فرار

جیسے جیسے یہ تاریخی دن نزدیک آتا جا رہا تھا فریقین کے جذبات میں ایک عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ دونوں گروہ اپنی اپنی دانست میں اسے حق و صداقت اور والحاد کے درمیان ایک فیصلہ کن دن کی حیثیت دے رہے تھے۔ اور اپنی اپنی جگہ دونوں مطمئن تھے۔ کہ وہی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔ لیکن قادیانیوں کی جانب سے اُس وقت جبکہ مباحثہ کے دن میں فقط چار یوم کا عرصہ باقی رہ گیا تھا ایک اطلاع نامہ سید محمد احسن امروہی کی جانب سے گولڑہ شریف پہنچا جس میں درج تھا۔ کہ مرزا صاحب کو تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں ہے۔ حالانکہ پیر مہر علی شاہ کی جانب سے حافظ محمد الدین مالک مصطفائی پریس لاہور نے ایک رجسٹرڈ خط مرزا صاحب کو تحریر کر دیا تھا کہ اگر وہ مباحثہ کی شرائط میں ترمیم کرانا چاہتے ہوں تو وقت پر اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب پہلے تو چپ سادھے خاموش رہے اور بعد میں نامنظوری کا پروانہ گولڑہ شریف روانہ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود پیر مہر علی شاہ صاحب کی جانب سے ایک اعلان ۲۱ یا ۲۲ اگست کو راولپنڈی سے شائع ہوا کہ وہ ۲۵ اگست کو تقریری اور تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جائیں گے

چنانچہ جب وعدہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزارہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، مشائخ، درویش اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی اُفتادِ طبع رکھنے والے مسلمان، شیعہ، سُنی، اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے مُرید، متفق، ہمدرد اور مائل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارنپور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپور، امرتسر، مظفر گڑھ، ملتان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری مُلازم بھی دُور دراز شہروں سے رُخصت لے کر پہنچ گئے۔ مُسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع، قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سواریوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقعہ پر تو ہجوم خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ جیسی مشہورِ زمانہ رُوحانی تقدس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں عُلمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مناظرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام موافق، متردّد یا مخالف حضرات، اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا

اس معرکہ میں تمام اسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سُنّی، اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل وُہی صُورتِ حال پیدا ہُوئی جو پاکستان کے وجُود میں آنے کے وقت ہندو کفر کے مقابلے میں اسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی۔

اس طرح ۱۹۰۰ء کا یہ تاریخی دن ۱۹۵۳ء کے اُن دنوں سے پوری طرح مماثلت رکھتا ہے جبکہ پیر مہر علی شاہ کے مرید خاص امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے پیر و مرشد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کو پرچم اسلام تلے جمع کر دیا تھا۔

یہ وُہ اسلامی رُوح تھی جو اپنے دامن کی پہنائی اور شدید و خفیف اختلافات کے باوجود ہر بیرُونی اور ناقابلِ برداشت طاقت کے خلاف نبرد آزمائی و مدافعت کے لیے اپنے فرزندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے پر ہمیشہ مجبور کر دیتی رہی ہے۔ اسلامیانِ ہند کی اس علمی اور دینی قیادت کے وقت حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی عمر شریف صرف بیالیس[۴۲] سال کے قریب تھی۔ اُنہیں فارغ التحصیل ہُوئے بائیس برس ہو چکے تھے۔ خلافتِ ارشاد کا اٹھارواں سال تھا۔ اور جذب و سیاحت اور ادائیگی حج کے بعد مسندِ ارشاد پر صرف دس برس کا عرصہ گزرا تھا۔

لاہور میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی تشریف آوری

۲۴ اگست کو گولڑہ شریف سے روانگی پر حضرتؒ نے مرزا صاحب کو ایک تار کے ذریعے پہلے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے اور پھر اثنائے سفر لالہ مُوسیٰ جنکشن سے اطلاع دی کہ میں لاہور پہنچ رہا ہُوں۔ جب آپ کی ٹرین لاہور پہنچی تو پہلا سوال جو آپ نے دریافت فرمایا مرزا صاحب کی آمد کے متعلق تھا۔ پچاس کے قریب نامی گرامی عُلماء آپ کے ہمراہ تھے جو پشاور، ہزارہ، اٹک، چھچھ، دھنی، گھیبی، پھگوار، سواں اور سُون وغیرہ علاقہ جات کے رہنے والے تھے۔ اضلاع جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، شاہ پُور، میانوالی کے عُلماء اور مشایخ اثنائے راہ یا لاہور میں پہنچنے سے قبل یا بعد پہنچ کر شامل ہو گئے۔ اسی طرح بہاول پُور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان و ڈیرہ غازی خان کے اربابِ علم پہلے پہنچ کر آپ کے استقبال کنندگان میں شامل تھے۔ آپ کے ایک صاحبِ علم و ثروت مخلص حاجی کریم بخش سیٹھی سکنہ پشاور ساٹھ ہزار روپے کی طلائی اشرفیاں ہمراہ لائے تھے کہ اگر اربابِ حکومت نے حفظِ امن کے پیشِ نظر ضمانت طلب کی تو نقد جمع کرا دی جائے گی۔

مُسلمان بہت بڑی تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے اکٹھے ہو چکے تھے اور آپ کو جلوس کی صُورت میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹہ تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اور اُن کے شوقِ زیارت کی تسکین فرمائی۔

آپ کے قیام کا انتظام معہ آپ کے رُفقاء کے برکت علی محمڈن ہال اور اُس کی ملحقہ عمارات بیرون موچی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں سرِ شام ہی مقامی اور بیرونی علماء و زعماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی جو بہت رات گئے تک متعلقہ مسایل پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اِس مجلس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ نے قادیانیت کے موافق و مخالف پہلوؤں پر بعض ایسے دلایل اور اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے موافق نقطہ نظر سے دلایل دیئے تو مولوی غلام محمد گھوی امام شاہی مسجد لاہور بول اُٹھے کہ حضرت اِس سے تو ہمیں بھی شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر جب آپ نے تردیدی رُخ اختیار فرمایا تو مولوی عبدالجبار غزنوی نے مجمع علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت پیر صاحب نے ان مسایل پر جو طرزِ استدلال اختیار فرمائی ہے اِس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جا سکتی۔

علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء و مشائخ اسلام کی اِس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیث شریف هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ (یہ وُہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہِ راست پر آ جائیں اور یہی چیز اِس نیاز مندِ علماء و مشائخ کے حق میں اللہ سُبحانہٗ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔

کہتے ہیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کو اِس خیال پر بہت اصرار تھا۔ ثقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرزا صاحب نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ علماء و مشایخ کی ایک چیدہ اور مختصر جماعت کے ساتھ قادیان جانے کو بھی تیار ہو گئے۔ مگر مُسلمانوں کی اکثریت کے اِس اقدام سے منع فرمانے پر اِسے باطنی ارشاد سمجھتے ہُوئے رُک گئے۔

مرزا صاحب کی آمد کا انتظار

مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اس لیے مورخہ ۲۵ اگست کو پولیس نے وہیں حفظِ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے بگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے

قادیانیوں کی دَوڑ دھوپ

اِس جماعت کے بعض ذی اثر لاہوری حضرات نے مرزا صاحب کو لانے کے لیے بہت تگ و دو کی مگر ناکام رہے۔ مرزا صاحب نے کہلا بھیجا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ تقریری بحث کی شرط کو میں واپس لیتا ہوں اور تحریری مقابلہ کے لیے اشتہار دعوت کی شرائط کے مُطابق تیار ہوں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے حواری مولوی محمد احسن امروہی کے اسی مضمون کے اشتہار کے جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم مولوی سُلطان محمود کا جواب مشتہر ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کی اپنی شرائط پر ہی ہمیں مقابلہ منظور ہے۔ اِس سے پہلے بھی مرزا صاحب کے نام ایک مطبوعہ خط شائع کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ کسی شرط میں ترمیم چاہتے ہیں تو اطلاع دیں مگر مرزا صاحب نے کوئی اطلاع نہ دی اور برابر خاموش رہے۔ اگر اب بھی وُہ اپنے

دستخطوں سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری بحث نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط اور مطالبہ واپس لے چکا ہوں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تقریری بحث کی شرط خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں اُنہوں نے تحریری مقابلہ سے پہلے علماء کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر اُن کے پاس کوئی دلائل ہیں تو کیوں پیش نہیں کرتے۔ مگر اس گفت وشنید کے جواب میں مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے یہ اعلان جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٔ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرانا چاہتے ہیں۔

قادیانی جماعت میں انتشار

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد، قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لوٹا تو اس جماعت میں بہت انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے اسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا بعض سخت مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے، حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر، کم از کم مرزا صاحب کے دعویٔ نبوت کے منکر ہو گئے۔ بعض دیگر حضرات مثلاً بابو الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رُکن رہ چکے تھے، حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے۔ لیکن قادیان سے آئے ہوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اس گرتی ہوئی عمارت کی پشتیبانی پر برابر کمربستہ رہا۔

عام حالات میں اپنے نتائج کی رُو سے یہ شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبداللہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی۔ لیکن جس طرح اُس وقت مرزا صاحب کے قلم سے "فتح اسلام" اور "انجام آتھم" جیسی فاتحانہ اور ظفرمندانہ تالیفات عالمِ وجود میں آئی تھیں، بالکل اُسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے اس شکست و فرار کو فتح عظیم بیان کیا۔ مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے در و دیوار پر اشتہارات دکھائی دینے لگے۔ جن میں لکھا تھا کہ

"پیر صاحب گولڑہ نے امام آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا"۔

"آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا"۔

"مسیح موعود کی الہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں"۔ حالانکہ لاہور کی پبلک بچشم خود حضرت پیر صاحبؒ کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی۔ اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بُلانے کے نہیں آرہے۔

ع چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

کرامات اور معجزات میں مقابلہ کی پیش کش

اس جماعت کے ایک وفد نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے

ساتھ مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک اندھے اور ایک اپاہج یعنی لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک دُوسرے اندھے اور اپاہج کے لیے آپ دُعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے جواب دیا کہ مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ اگر مُردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آجائیں۔ قریب ہی امرتسر کے ایک مولوی صاحب (غالباً مولوی ثناءاللہ) موجود تھے، جنہوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجیے گا کہ مولوی عبدالکریم کو ضرور ہمراہ لائیں وُہ بوجہ حق الخدمت اِس معجزہ کے حقدار بھی ہیں مگر وہ مباہلہ پھر بھی تیار نہ ہوا۔ آگے مولوی ثناءاللہ لکھتے ہیں۔

جس روز پیر صاحب گولڑہ لاہور میں گئے بغرض امداد حق ارد گرد سے علماء اور غیر علماء بھی وارد لاہور ہوئے تھے۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور خاکسار وغیرہ بھی شریک تھے قرار پایا کہ جامع مسجد میں صبح کے وقت جلسہ ہوگا۔ پیر صاحب مع شائقین مسجد موصوف کو جا رہے تھے۔ راستے میں بڑے بڑے موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں تھے جن کی سُرخی یوں تھی:- "پیر مہر علی کا فرار"

جو لوگ پیر صاحب کو لاہور میں دیکھ کر یہ اشتہار پڑھتے وہ بزبان حال کہتے

"اینچہ مے بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب"

(تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناءاللہ امرتسری ص۴۹-۵۰

"تازیانہ عبرت" میں مولانا ابوفیض مولوی محمد حسن فیضی کی اُس تقریر کا متن شائع ہوا ہے جو انہوں نے ۲۷ راگست ۱۹۰۰ء کو لاہور کی جامع مسجد میں کی تھی۔ ذیل میں اس تقریر کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے حالات و واقعات پر مزید روشنی پڑے گی۔

"حضرت پیر صاحب ۲۴ راگست سے آج تک لاہور میں رونق افروز ہیں اور مرزا صاحب کا ہر ایک ٹرین میں بڑے شوق سے انتظار ہو رہا ہے۔ مگر ادھر سے صدائے برنخاست کا معاملہ ہوا۔ یہ حقیقت میں مرزا کے اپنے قول کے مطابق ایک الٰہی عظمت وجلال کا کھلا کھلا نشان تھا جس نے مرزا کی جھوٹی و بیجا شیخی کو کچل ڈالا۔ اور آپ کے حواس کی وہ گت ہوئی کہ مقابلہ و مباحثہ لاہور تو درکنار آپ کو سوائے بیت المقدس کے تمام دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی اور وقذف فی قلوبھم الرعب بما کفروا کا مضمون دوبارہ دنیا کے صفحہ پر معرض ظہور میں آیا جس کا آیت و کان حقاً علینا نصر المؤمنین میں وعدہ دیا گیا تھا۔ خداوند عالم نے

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و بابرکت ذات پر نبوت اور رسالت کے تمام مدارج ختم کر دئیے ہیں جس طرح پہلے سینکڑوں جھوٹے رسولوں کو الٰہی غیرت اور خود ان کے اپنے کفر و غرور نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ ایسا ہی اس نے مرزا کی جھوٹی مہدویت۔ رسالت و مسیحیت کا بھی خاتمہ کر دیا اور آج دنیا پر بخوبی روشن ہو گیا کہ سیدنا و مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصہ مناصب اور مفروضہ مراتب کے اندر بیجا مداخلت کرنے والا اس طرح سے علی رؤس الاشہاد روسیاہ ہوتا ہے۔ اور اپنے ہاتھوں خود ذبح ہو جاتا ہے کیا غور و عبرت کا مقام نہیں ہے کہ مرزا نے بلا کسی تحریک کے خود بخود حضرت پیر صاحب۔ اور ہند و پنجاب کے تمام مسلم الثبوت مشائخ و علماء کو تحریری اور تقریری مباحثہ کی دعوت کا وہ اعلان کیا جس کی ہزار ہا کاپیاں ہند و پنجاب کے تمام اضلاع و اطراف میں مرزا صاحب نے خود تقسیم کیں اور اپنی عربی و قرآن دانی میں لاف زنی کی جس کا وہ خواب میں بھی خیال کرنے کا مستحق نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے لکھا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلے میں لاہور نہ پہنچوں تو پھر میں مردود و جھوٹا اور ملعون ہوں۔ اس شد و مد کے اشتہار کے بعد جب اس کو پیر صاحب نے اور دیگر علمائے کرام نے بمنظوری شرائط لاہور میں طلب کیا تو مرزا صاحب کی طرف سے سوائے بہانہ گریز کے اور کوئی کارروائی ظہور میں نہ آئی۔ سخت افسوس کا موقعہ ہے کہ مرزا کے مرید انہی دنوں جبکہ پیر صاحب خاص لاہور میں سینکڑوں علماء، فقراء اور ہزاروں مریدوں کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں۔ اس قسم کے اشتہارات شائع کر رہے ہیں کہ پیر صاحب مباحثہ سے بھاگ گئے اور شرائط سے انکار کر گئے۔ سبحان اللہ ڈھٹائی اور بے شرمی ہو تو ایسی کہ دروغ گوئم بروئے شما[1]"

---

[1] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین صاحب دبیر رئیس بھیں ضلع جہلم ص ۵۳-۵۴

مولانا رفیق دلاوری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب آئمہ تلبیس میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"مرزائیت کی تردید میں جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب "شمس الہدایت" تھی جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علمِ حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری مرحوم کے شاگرد ہیں آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیبِ رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا نے اپنے حواریٔ خاص مولوی محمد احسن امروہی سے اس کا جواب بنام "شمسِ بازغہ" لکھوا کر شائع کیا حضرت پیر صاحب نے شمس بازغہ کی تردید میں کتاب "سیفِ چشتیائی" لکھی یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گذشتہ ۳۸ سال کی طویل مدت میں اُمتِ مرزائیہ کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ جب کتاب "سیف چشتیائی" نے مرزائیت کے سارے بخیے اُدھیڑ دیئے اور مرزائیت کا جنازہ ذلت و رسوائی کے بحرِ ظلمات میں ڈوبتا نظر آیا تو مرزا غلام احمد نے اس کے تنِ مردہ میں از سرِ نو زندگی کی رُوح پھونکنا چاہی۔ چنانچہ اس کوشش میں ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھیاسی علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو لاہور آکر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ اور لکھا کہ —— مہر علی شاہ صاحب اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں۔ کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹا دیں اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے۔ جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں

میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور ناحق نزول کے لفظ کے اُلٹے معنی کرتے ہیں۔ اگر مہر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلے کے لیے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹے تک زانو بہ زانو بیٹھ کر چالیس آیاتِ قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں کے بیس ۲۰ ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سُنائی جائیں جس کی تفسیر کو وہ حلفاً پسند کریں وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا۔ مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کرلیں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعووں کے متعلق ہیں جلا دوں گا۔ اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ اور اگر وہ مقابلے میں مغلوب ہوگئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا تو اُن پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کرکے مجھ سے بیعت کرلیں میں اگر لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں بالکل ناکام رہیں گے بلکہ مباحثے کے لیے لاہور ہی نہیں آئیں گے اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصوّر ہوگا۔ جبکہ پیر مہر علی شاہ صاحب ایک ذلیل اور قابلِ شرم رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہلِ علم تھوکیں اور نفرت کریں۔

کیونکہ میں نے خدا سے یہی دُعا کی ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں۔ کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں مومن مستجاب الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دُعا کریں۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دُعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دُشمن ہیں اس

لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔ یاد رہے کہ مقامِ بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس افسر بلا لیے جائیں گے اور لعنت ہو اس پر جو تخلف یا انکار کرے۔"

"مرزا کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمور الاوقات اور عزلت گزیں بزرگ ہیں اور ذکر الٰہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ مناظرے کے لیے ہرگز نہیں آئیں گے اور مریدوں کے سامنے یہ شیخی بگھارنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑوی جیسا فاضل اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں میرے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکا۔ لیکن یہ دیکھ کر مرزا صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ مچ اس چیلنج کو منظور کر لیا اور ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو لکھ بھیجا کہ "مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار آج ۲۰ جولائی کو نیازمند کی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری جلسہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب منظور ہے لیکن درخواست یہ ہے کہ کہ میری بھی ایک گذارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرما لیا جائے اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت و مہدویت کے دلائل پیش کریں اور میں مرزا صاحب کے دلائل کا جواب دوں۔ اگر مرزا صاحب کے تینوں حکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا صاحب اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کر لیں میں اپنی طرف سے تاریخ مناظرہ ۲۵۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں از راہِ کرم آپ تاریخ مقررہ پر پہنچ جائیے۔ لاہور اور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء کو ہم خود جمع کر لیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ذمہ ہم نہیں لے سکتے۔ الغرض جب تمام مراحل طے ہو چکے تو پیر صاحب بروز جمعہ ۲۴۔ اگست ۱۹۰۰ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا کی فہرست میں درج تھے لاہور تشریف لے

آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقتِ موعودہ پر پہنچ جائے گا مگر اسے حق کے رُعب نے مقابلے پر آنے کی اجازت نہ دی۔ البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرایا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے ہیں[1] جس کے جواب میں حکیم سلطان محمود صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا جو صفحہ ۲۴۴ پر درج ہے۔

دینِ حق کے تحفظ میں یہ رجز خوانی اور ظفر یابی، کیا میدان اور کیا منبر، بر ہمیں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو اپنے مورثِ اعلیٰ، بابِ علوم و شاہِ ولایت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب و جدِ امجد پیران پیر حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہما سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور آپ اس کے لیے مامور من اللہ تھے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اس ماموریت اور نصرت کے متعلق اس دوران کئی اہل اللہ کو از روئے کشفِ باطنی معلوم بھی ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ فقیر احمد میروی ؒ کا ارشاد پہلے درج ہو چکا ہے۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ کا ارشاد گرامی بھی آچکا ہے۔ ایک اور بزرگ حضرت سید چانن شاہ جابہ شریف بھی اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک فوج کو علَم لہراتے دریائے جہلم کے پُل پر سے لاہور کی جانب جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک صاحب نے میری دریافت پر فرمایا کہ ہم بغداد شریف سے آرہے ہیں۔ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نصرت کے لیے مرزائے قادیانی کے مقابلہ پر لاہور جا رہے ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے اس قادیانی معرکہ کے کوائف ایک رسالہ موسومہ رودادِ جلسۂ لاہور مرتبہ حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور میں شائع ہوئے تھے علاوہ ازیں ایک مجموعہ مضامین مندرجہ اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی بھی کتابی صورت میں موجود ہے۔ اور مولوی کرم دین بھیاں ضلع جہلم نے بھی اپنی کتاب "تازیانۂ عبرت" میں اس معرکہ کے چشم دید حالات اور اپنے ایک عزیز مولوی محمد حسن فیضی مدرس دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے بعض دیگر رسایل اور اشتہارات وغیرہ بھی مختلف کتب خانوں اور اسلامی لائبریریوں میں ملتے ہیں۔ جن میں راولپنڈی کے ایک پنجابی شاعر پیراں دتہ خادم کا نظمیہ رسالہ "تحفۂ خادم" بھی قابلِ ذکر ہے۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالہ "روئیدادِ جلسۂ لاہور")

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے اس دعوت مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکردہ علماء نے منبر پر کھڑے ہو کر ختمِ نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔ اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا منکر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

---

[1] آئینہ تلبیس جلد دوم مصنفہ مولانا رفیق دلاوری صفحہ ۴۷۴-۴۷۵

۱۔ سب سے اوّل مولوی محمد علی صاحب نے دربارۂ عقائدِ مرزا قادیانی وعظ فرمایا کہ یہ یہ اُس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالفِ قرآن کریم و سُنّت و اجماعِ اُمّت ہیں۔

۲۔ مولٰینا مولوی عبد الجبار صاحب بن مولٰینا مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم و مغفور غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال و اقوال یہ تھے۔ پس جو شخص اُن کے مُطابق چلنے والا ہے وُہ اُن کا پیرو ہے اور جو شخص اُن کے مخالف ہے وُہ مُرتد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوال قطعاً مخالفِ سُنّتِ نبویہ و روشِ صحابہ کرام ہیں اس لیے اہلِ اسلام کو اُس سے بچنا چاہیئے۔

۳۔ ابُو الفیض مولٰینا مولوی محمد حسن صاحب مدرّس دارُ العلوم نعمانیہ نے دربارہ غرضِ انعقادِ جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دُنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مِٹ چکے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختار چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی۔ اور مرزا کے چند اشتہارات سے اُن کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی سے نکتہ چینی کی

۵۔ بعد ازاں جناب حضرت مولٰینا ابُو سعد محمد عبد الخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اور اُن کی بیہودہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلّص کرتے تھے ایک ظریفانہ نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابُو سعد محمد عبد الخالق صاحب موصُوف نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ ظریفانہ نظمیں پڑھنے کا موقعہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوالِ فیصل اہل الرائے عُلمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اس کے بعد ابُو الوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اُس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا عُلمائے کرام کی ہتک اور اُن کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولٰینا حافظ سیّد جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقائدِ مرزا صاحب کے متعلق تردیداً اور کچھ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی نسبت تائیداً نہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولٰینا مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج و پریذیڈنٹ انجمن حمایتِ اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم و احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک مؤثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اور آخر میں حضرت پیر صاحب نے دُعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

---

[۱] مولٰینا مولوی مُفتی محمد عبد اللہ صاحب و مولٰینا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی جنہوں نے ۲۵ جلسۂ ہذا میں وعظ فرمایا ہے۔ اس مباحثہ کے واسطے حسب تجویز مرزا قادیانی و منظوری پیر صاحب مُنصف قرار پا چکے ہُوئے تھے۔ تیسرے صاحب ابُو سعید مولوی محمد حُسین صاحب شملہ تشریف لے گئے ہُوئے تھے اس لیے وُہ شریکِ جلسہ نہ ہو سکے ورنہ وُہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

اس جلسہ کی کارروائی کو محاسبۂ قادیانیت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ عام (۲۷ راگست ۱۹۰۰ء)

۲۵ راگست مرزا صاحب سے مناظرے کا دن تھا۔ ۲۵ ر اور ۲۶ ر اگست اُن کے انتظار میں گذر گئے لیکن انہیں نہ آنا تھا نہ آئے۔ جب لاہور کے مسلمان مرزا صاحب کی آمد سے قطعی طور پر مایوس ہو گئے تو ۲۷ ر اگست کو شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں قادیانیت کا تار پود بکھیرا گیا۔ علمائے اسلام نے مسلمانوں کے سامنے بڑے عالمانہ انداز میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت بیان کی۔ نیز اس بات پر زور دیا کہ اسلامی شریعت کی رُو سے جو شخص اس عقیدے کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے جن علمائے کرام نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی صدارت میں اس اہم تاریخی اجلاس کو خطاب کیا اُن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

— مولانا احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم، مولانا محمد حسن صاحب مدرس دارالعلوم نعمانیہ ضلع جہلم۔ مولانا تاج الدین صاحب جوہر مختار چیف کورٹ۔ مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورنٹیل کالج۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی امرتسری۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کسی ضروری کام کی وجہ سے ان دنوں شملہ چلے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اس تاریخی اجتماع میں شریک نہ ہو سکے اور نہ ہی خطاب فرمایا۔ علمائے اسلام نے جہاں جلسہ میں اسلامی نقطۂ نگاہ کی وضاحت کرتے ہوئے مسئلہ ختم نبوت بیان کیا اور مرزا غلام احمد کی تکذیب میں دلائل و براہین سے اہل اسلام کو محظوظ فرمایا وہاں پر کچھ ایسے تاریخی فیصلے بھی ہوئے جن کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ تاریخ محاسبۂ قادیانیت میں مسلمانوں کے لیے ایسے فیصلوں پر مجبور ہو جانا اُن حالات و واقعات کا لازمی نتیجہ تھے جو مرزا غلام احمد کی طرف سے ایک مدت سے مسلمانوں کو پیش آرہے تھے۔ کہ ایک دھماکہ خیز اعلان جس کے ذریعہ اشتہار بازی کی ایک پُر جوش مہم۔ اور اس عمل کے بعد میدان سے راہِ فرار اختیار کر لینا مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسی مضحکہ خیز حرکت تھی کہ جس کے تدارک کے لیے مسلمانوں کا ان نتائج پر پہنچنا ایک صحیح اور درست اقدام تھا۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا

بہ لحاظ مجملہ حالات مرزا و حسب رُوئیداد مندرجہ بالا جملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام و رؤسائے عظام و حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ :-

۱- مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اور یہی اُس کا مقصود ہے۔

۲- اس وقعہ پر اُس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوتِ مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمداً گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صدہا بزرگان دین و معززین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا انہیں متحمل کیا۔

۳- اس کے عقاید بالکل خلافِ قرآن کریم و سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے ہیں۔

۴- اس کے دعوے بالکل غلط و بے بُنیاد اور لغو ہیں۔

۵- وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الاخیار میں یوں لکھتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

۶- وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اُوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے۔ اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہے۔

۷- وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُوح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸- وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا و ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے اُن کی دشمنی کر رہا ہے۔

۹- وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دُنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰- اس کی اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱- اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوئے ہیں۔

پس بہ لحاظ وجوہات مذکورہ بالا جملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے۔ اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور متناقض دعاوی سے چالبازی اور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اور شرفاء کی پگڑیاں اُتارنے اور بازاری دعا بیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا ہتھکنڈہ بنا رکھا ہے۔ اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اُس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اُس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ

بالکل خلافِ اسلام ہیں۔

عُلماء و مشایخ ناصرین کی فہرست

جس قدر وقت نے گنجائش کی اور دستخط کرانے والے کی واقفیت مکتفی ہوئی بمندرجہ ذیل عُلمائے کرام اور مشایخِ عظام کے دستخط حاصل کر لیے گئے :۔

جناب ابُو سعد حضرت خواجہ محمد عبدالخالق[۱] صاحب سجادہ نشین جہان خیلاں بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ

جناب مولینا مولوی عبدالجبار[۲] صاحب بن مولینا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی، جناب مولینا مولوی مفتی محمد عبداللہ[۳] صاحب ٹونکی، جناب مولینا مولوی حافظ سید جماعت[۴] علی شاہ صاحب سجادہ نشین نقشبندی، جناب صاحبزادہ سید عبدالقادر[۵] صاحب سجادہ نشین باجہ خیلاں ضلع پشاور، جناب صاحبزادہ محمد چراغ[۶] صاحب سجادہ نشین چکوڑی بھیلووال ضلع گجرات، جناب صاحبزادہ عبدالعزیز[۷] صاحب سجادہ نشین چاچڑ شریف ضلع شاہ پور، مولینا مولوی غلام محمد[۸] صاحب بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور، مولینا مولوی ثناء اللہ[۹] صاحب امر تسری، مولینا مولوی عبدالاحد[۱۰] صاحب خان پوری، مولینا حافظ عبدالمنان[۱۱] صاحب وزیر آبادی، مولینا مولوی محمد علی[۱۲] صاحب واعظ، مولینا مولوی احمد دین[۱۳] صاحب بھوئی ضلع کیمبل پور، مولینا مولوی عبداللہ[۱۴] صاحب سجادہ نشین جلو ضلع ہزارہ، مولینا حافظ نور احمد[۱۵] صاحب مُلتانی مشیر مال مدرسہ انوار الرحمٰن، مولینا مولوی محمد نور الحق[۱۶] صاحب ضلع شاہ پور، مولینا مولوی شاہ عبدالعزیز[۱۷] صاحب باغبانپوری، مولینا مولوی محمد ذاکر[۱۸] صاحب اوّل مدرّس مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولینا مولوی میر محمد عبداللہ[۱۹] صاحب پشاوری، مولینا مولوی محمد یوسف[۲۰] صاحب سکنہ بھوئی، مولینا حافظ احمد دین[۲۱] صاحب ولد مولوی سعید الدین صاحب، مولینا مولوی عبدالحق[۲۲] صاحب غزنوی، مولینا مولوی محمد یار[۲۳] صاحب امام مسجد طلائی لاہور، مولینا مولوی محمد شریف[۲۴] صاحب سکنہ بھیلووال ضلع گجرات، مولینا مولوی ابُو محمد احمد[۲۵] صاحب لاہوری، مولینا مولوی غلام مصطفیٰ[۲۶] صاحب ایم۔ او۔ ایل پروفیسر عربی، فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، مولینا مولوی محکم الدین[۲۷] صاحب لاہوری، مولینا مولوی محمود الدین[۲۸] صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، مولینا مولوی غلام احمد[۲۹] صاحب اوّل مدرّس دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا مولوی احمد دین[۳۰] صاحب ضلع جہلم، مولینا مولوی حافظ محمد غازی[۳۱] صاحب ضلع راولپنڈی، مولینا حافظ سراج الدین[۳۲] صاحب سکنہ گولڑہ شریف، مولینا مولوی ابُو الفیض محمد حسن[۳۳] صاحب فیضی مدرّس دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا حافظ احمد علی[۳۴] صاحب بٹالوی، مولینا مولوی نور احمد[۳۵] صاحب پسروری، مولینا مولوی حافظ جمال الدین[۳۶] صاحب لاہوری، مولینا مولوی نور الدین[۳۷] صاحب امر تسری، مولینا مولوی حافظ محمد حسین[۳۸] صاحب امام مسجد چینیاں لاہور، مولینا مولوی علی محمد[۳۹] صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ناظم التعلیم انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولینا مولوی نور احمد[۴۰] صاحب ضلع فیروز پور، مولینا مولوی احمد علی[۴۱] صاحب سیالکوٹی، مولینا مولوی شفیق الرحمٰن[۴۲] صاحب لاہوری، مولینا خلیفہ عبدالرحیم[۴۳] صاحب واعظ انجمن حمایتِ اسلام لاہور، مولینا مولوی سید حسن[۴۴] صاحب مدرّس مدرسہ اسلامیہ راولپنڈی، مولینا مولوی عبداللہ صاحب[۴۵] مدرّس دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا مولوی غلام ربّانی[۴۶] صاحب سکنہ بھوئی، مولینا سید لعل شاہ[۴۷] صاحب صوفی ضلع ہزارہ، مولینا مولوی شہاب الدین[۴۸] صاحب مرولہ والا، مولینا مولوی فتح علی[۴۹] صاحب ریاست جموں، مولینا مولوی محمد عبدالکریم[۵۰] صاحب مدرّس مدرسہ اسلامی کالرا، مولینا مولوی امیر حمزہ[۵۱] صاحب ساکن بھوئی، مولینا مولوی محمد فضل حق[۵۲] صاحب ضلع شاہ پور، مولینا مولوی جمال الدین[۵۳] صاحب راولپنڈی، حضرتا خلیفہ شاہ عزیز الدین[۵۴] صاحب پشاوری، مولینا مولوی ولی احمد[۵۵] صاحب ضلع ہزارہ، مولینا مولوی عبداللطیف[۵۶] صاحب مہمنی علاقہ افغانستان، مولینا مولوی احمد دین[۵۷] صاحب سکنہ جوابہ تحصیل چکوال، مولینا مولوی عبدالعزیز[۵۸] صاحب جائنٹ سیکرٹری انجمن حمایتِ اسلام لاہور۔ اور مولانا احمد علی صاحب واعظ دہلی۔

جس کے بعد یہ تاریخی جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے لاہور میں ۲۴ اگست سے لے کر ۲۹ اگست تک قیام فرمایا جس کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے بعد میں اگرچہ مرزا نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر حضرت پیر مہر علی شاہ سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی

مسلمان دانشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے اشتہارات و دلائل کا ردِ عمل اور اُن کے عواقب

علمائے اسلام نے تو شاہی مسجد لاہور کے جلسہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب اور اُن کی اُمت پر ہر لحاظ سے اتمامِ حجت ہو چکی ہے اس لیے آئندہ انہیں مخاطب بنانا محض تضیعِ اوقات ہو گا۔ مگر مسلمان عوام اور دانشوروں پر مرزا صاحب کے اس معرکہ میں اشتہارات و دلائل کا عین برعکس اثر ہوا۔ وہ ایک ایسے امام کے منتظر تھے جس کے ذریعے تمام رُوئے زمین پر اسلام کا بول بالا ہونا تھا۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب اُس امامت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر شمشیر بکف ہو کر اسلام کے تحفظ یا مخالفین کے مقابلہ میں نہ تو قدم باہر نکالتے ہیں اور نہ اپنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت دین کے لیے دلائل و بحث کے میدان میں ہی اُترنے کی جرأت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی یہ دلیل کہ انہوں نے ۱۸۹۰ء سے پادری آتھم وغیرہ کے مباحثات سے متاثر ہو کر انجام آتھم میں لکھ دیا تھا کہ آئندہ وہ تقریری مباحثے نہیں کریں گے۔ اُن کی نظر میں قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور غیر معقول تھی۔ کیونکہ وہ غیر مسلموں سے مقابلہ کی بات تھی مگر موجودہ صورت میں چونکہ انہوں نے یعنی مرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں ختمِ نبوت کے متفقہ عقیدہ سے انکار کر کے اُسے چیلنج کیا تھا اس لیے اس کے اثبات کے لیے اُمتِ مُسلمہ کو سمجھنے سمجھانے کا موقعہ بہم پہنچانے کی خاطر بحث و تمحیص کی ضرورت بالکل واضح تھی۔ مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب کا مُلہم کل تو اُن کو اس مباحثہ میں فتح و نصرت، تائید رُوح القدس، اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی بشارات دے رہا تھا اور آج انہیں پشاور کے سرحدی پٹھانوں سے خوف دلا رہا ہے۔ کیا رُوح القدس کی تائید اب صرف عربی میں تفسیر نویسی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ آج سے قبل تو رُوح القدس سے نصرتِ مامور، شکستِ مخالفین اور تائید و تسخیرِ خلق کے معجزات و خوارق ظہور پذیر ہوتے آئے تھے اور کسی نبی کو رُوح القدس کی تائید کے باعث مخالفین کے ساتھ زبانی بحث و تمحیص سے گریز یا انکار کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ کسی نبی کا منکرین کے ساتھ کبھی تحریری مناظرہ نہ ہوا جب بھی ایسی نوبت آئی زبانی بات چیت ہی ہوئی تو موجودہ صورت میں سنت اللہ کیوں بدل گئی، پھر کیا حق و باطل کا مدار صرف فصیح عربی تحریر پر ہی تھا۔ اور کیا ایسی صورت میں مصر و شام اور فلسطین و عراق کے یہودی، نصرانی اور غیر مسلم عرب اپنی مادری زبان میں یقیناً زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔ رہی تفسیر تو قادیانی مذہب میں تفسیر نویسی کا سوال ہی کیسے پیدا ہوتا تھا۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے اس وقت تک کے بیس سالہ دور میں قرآن مجید کی کوئی ایسی تفسیر لکھی تھی جس سے مسلمانوں کے لیے عرفان الٰہی، اتباعِ سنت اور اخلاقِ فاضلہ کی منزلیں آسان تر ہو گئی ہوں۔

غرض اس قسم کے خیالات اور احساسات تھے جو مسلمان عوام نے لاتعداد بے شمار خطوط، اشتہارات اور اخبارات میں مضامین کے ذریعے مرزا صاحب تک پہنچا کر اُن کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے مزید ہاتھ پاؤں ماریں۔

گھر بیٹھے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور اشتہار نکلا جس میں لکھا تھا۔

"آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمامِ حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں اُن متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ ۔۔۔۔ میں اسی جگہ بجائے خود سورۂ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورہ ممدوحہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اِس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں۔ تب اہلِ علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کرلیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے لیے پانچ صد روپیہ کا انعام پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر مقابلہ میں تفسیر فاتحہ تحریر کریں اور تین اہلِ علم قسم کھا کر پیر صاحب کی تفسیر کو بہتر قرار دیں تو یہ انعام آپ کا حق ہوگا۔

"سیفِ چشتیائی"

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کے ستر دن بعد "اعجاز المسیح" کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب یہ تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آ گئے۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہو گئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور سرقہ عبارات سے پُر تھی۔ "فی سبعین یوما من شھر الصیام" پر تو طلبا نے بھی آوازے کسے کہ قادیان کا رمضان شریف ستر دنوں کا ہوتا ہے۔ حسبِ معمول یہ تفسیری کارنامہ بھی محض مفسر کی اپنی ذات کے اشتہار تک ہی محدود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نادر نمونہ جات اگر کوئی تھے تو یہ کہ "یوم الدین" مسیح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور "الحمد للہ" سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ فرمایا ہے تو اس سے دو احمد مراد ہیں۔ احمدِ اوّل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمدِ آخر مرزا غلام احمد قادیانی۔ حالانکہ مرزا صاحب کی اپنی اُمت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی احمد نہیں تھا۔

اعجاز المسیح کی پیش گوئی کے ان ستر دنوں میں مصر کے ایک اخبار نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کا مضحکہ اُڑایا تھا کہ عربی زبان میں تفسیر لکھنا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے ایک ہندوستانی کا دعویٰ نبوت ثابت ہو جاتا ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے اس اخبار کو بھی اپنے چیلنج میں شامل کرلیا اور مصر میں اشتہار بھجوائے کہ عربی ممالک کا کوئی شخص اگر مقابلہ میں آنا چاہتا ہے تو آ جائے۔ علامہ اقبال کو مرزا صاحب کے ایسے ہی لطائف پر محمد علی باب کی یاد نے گدگدایا تھا۔ علما نے باب کو کہا تھا کہ تم قرآن مجید کے اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔ باب بولا۔ مجھ سے پہلے قرآن اعراب کا پابند تھا۔ اب میری امامت کے انوار و برکات کے صدقہ میں قرآن کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب اعجاز المسیح کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مرتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب ان لطائف الحیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحب کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو انہوں نے مولوی محمد احسن امروہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امروہہ چلے گئے تھے۔ واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں اُن سے شمس بازغہ لکھوا کر شائع کرائی۔ تخفیفِ تنخواہ کے بہانے گھر بھجوانے کی وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ نبوت کے معاملہ میں سو فی صد ہم نوا نہ تھے۔

"اعجاز المسیح" اور "شمس بازغہ" کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سورۂ فاتحہ موسومہ اعجاز المسیح پر صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی، منطق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں جو "مہرِ منیر" کے صد ۲۴۶ تا صد ۲۴۸ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

"شمس بازغہ"

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے "سیفِ چشتیائی" میں کتاب "شمس بازغہ" کے صفحہ بہ صفحہ اندراجات کے علی الترتیب ایسے خاموش کُن اور مسکت جوابات دیئے کہ عُلمائے وقت میں، امروہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔ آپ نے "شمس الہدایۃ" میں مرزا صاحب سے محاورۂ قرآنی کے تحت کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی دریافت فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے اس کام پر اپنے ان بڑے مولوی صاحب یعنی امروہی صاحب کو مامور کیا تھا۔ کئی سال قبل حضرتؒ نے اپنی کتاب "تحقیق الحق" میں اس سوال کے اکثر پہلوؤں پر بحث فرمائی تھی۔ امروہی صاحب نے اُس کتاب کو کسی اُستاد سے پڑھے اور سمجھے بغیر مذکورہ بالا جواب دینے کے ضمن میں اس طرح استعمال کیا کہ ان کی کم فہمی کے باعث وُہ مسروقہ مضمون مُہمل اور بے ربط ہو کر رہ گیا۔ اور یہ صاحب ایک نقال طالب علم کی طرح بغیر سمجھے کئی صفحات سیاہ کرتے چلے گئے اور جب دیکھا کہ سوال کسی طرح بھی حل نہیں ہوا اور نہ ان کے پلے ہی کچھ پڑا ہے تو رفع ندامت کے لیے لکھا:۔

واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلف گیا ہے۔ اُدھر ہی کو ہم بھی اُس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں:۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے۔ نافہم طالب علم کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ معلّم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظ بعینہا کہتا چلا جاتا ہے:۔

اس دلچسپ مضمون کا پورا لطف تو "سیفِ چشتیائی" میں مفصّل سوال و جواب پڑھنے سے ہی آ سکتا ہے۔

حضرتؒ کی یہ تصنیف یعنی سیفِ چشتیائی آپنے نادر استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیرِ بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی درحقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ (سورہ نساء۔ آیت ۱۵۷) کے ذیل لکھتے ہیں:۔ اور حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب سیفِ چشتیائی قابلِ مطالعہ ہے:۔ اسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے دیباچہ میں سیفِ چشتیائی کو مسئلۂ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی وافی تحریر قرار دیا ہے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ قادیانیت کی تمام کائنات سیفِ چشتیائی کے ان دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے:۔

اوّل تو یہ کہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت پیر صاحبؒ کی نسبت لکھا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ خبیث ہے اور خبیث ہے وہ جو اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب آپ مجھے تو بے شک منہ بھر کر گالیاں دے لیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے منہ سے اکثر کلامِ ربانی اور تسبیح و تہلیل کے پاک کلمات بھی نکلتے رہتے ہیں اس لیے انہیں گالی دے کر مستوجب سزا نہ ہوں۔

دوم، مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ معراج نبویؐ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اس قسم کے کشف میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج شریف کے نتائج میں تو پانچ وقتہ نماز ابد الدہر کے لیے ثابت ہوئی۔ لیکن آپ کا کشف محمدی بیگم کے نکاح کو اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی وجود میں نہ لایا[ا]

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی اس ضمن میں ایک پیش گوئی

سیفِ چشتیائی میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ابنِ عساکر کی حدیثِ نزولِ ابنِ مریمؑ روایت کردہ حضرت ابوہریرہؓ درج فرما کر لکھا تھا کہ:۔

"اسی حدیث کے آخر میں حاجًا اور معتمرًا ولیقفنّ علی قبری و یسلمنّ علیّ ولاردنّ علیہ موجود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفًا میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جوابِ سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی:۔

چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی جو اس حدیث کی رُو سے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی عرض کریں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبر مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

[ا] حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی اس تحریر کے پانچ چھ سال بعد مرزا صاحب بغیر اس نکاح کے ہی رحلت کر گئے۔ اور ان کا کشف معراج شریف کے مقابلہ میں جو وقعت حاصل کر سکا وہ تمام عالم پر واضح ہے۔

ہندوستان کے مشہور مُفتی اور عالم، اور ریاست رام پور میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولینا فضل حق رام پوری نے ایک سال اجمیر شریف میں عُرس کے موقعہ پر حضرت بابوجی مدظلہ العالی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

"یُوں تو حضرت کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں، لیکن میں تو اُس دماغ کا شیدائی ہُوں جس سے سیفِ چشتیائی ظہور میں آئی ہے۔"[1]

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کے مکتوبات شریف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اس نادر تصنیف نے عُلمائے عصر سے بے حد خراجِ تحسین حاصل کیا۔ آپ حضرت صاحبزادہ مولوی محمد چراغ سجادہ نشین چکوڑی شریف کو ایک جوابی مکتوب "مہرِ چشتیہ" صفحہ ۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ نے وجہ اشاعتِ کتاب خُوب پیدا کی ہے۔ ہر مُلک سے مخالفِ اہل حق کی رُسوائی کے متعلق روزانہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ عُلمائے اسلام اس کتاب کی اشاعت سے بہت خُوش ہیں اور دُعائیں دیتے ہیں۔ اور یہ امر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں معتقدین اور غیر معتقدین صُوفیائے کرام سبھی اظہارِ خوشنودی فرما رہے ہیں۔" (ترجمہ)

ایک اور مکتوبِ گرامی مندرجہ صفحہ ۷۶ میں ازراہِ انکسار فرماتے ہیں:-

"یہی فقر سے دو زمرہ کتاب کے حق میں بذریعہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ مخلصین تو میری ناتمامی اور شوقِ تحصیل سے بے خبر نہیں مگر ناواقف حضرات اپنے زعم میں اس بیہچ کو زمرۂ عُلماء میں تصوّر کر کے ایسے ایسے القاب لکھ رہے ہیں کہ ندامت ہوتی ہے۔ خیر مرزا صاحب عیسیٰ وقت ہو گئے تو میں عالمِ عصر ہو گیا۔ بڑے میاں سُبحان اللہ اور چھوٹے میاں واہ وا۔" (ترجمہ)

"سیفِ چشتیائی" پر بُہتانِ سرقہ کی حقیقت

سیفِ چشتیائی کی اشاعت کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب کے اخبار "الحکم قادیان" میں مولوی کرم الدین سکنہ بھیں ضلع جہلم اور اُن کے شاگرد شہاب الدین قادیانی کے خطوط کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہُوئی کہ مولوی صاحب مذکور کے عم زاد بھائی

---

[1] بہت ہی ثقہ حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ مولینا موصوف نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی خدمت میں بیعت کے لیے عریضہ لکھا تھا جس کے جواب میں آپ نے ایک رُومال روانہ فرما کر اوراد و وظائف کی اجازت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ آپ کی یہی بیعت کافی ہے زیادہ سفر کی تکلیف نہ فرمائیں۔ مولینا موصوف پکے وحدت الوجودی تھے اور حضرت کی تصنیف تحقیق الحق سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے اپنے اُستاد مولینا عبدالحق خیر آبادی کے والدِ بزرگوار مولینا فضل حق خیر آبادی کے رسالہ مسئلۂ وحدت الوجود کی طرف اپنے شاگرد مولینا غلام محمد گھوٹوی، شیخ الجامعہ بہاول پُور کی رہنمائی فرمائی تھی۔ اس رسالہ کو مولینا غلام محمد نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرتؒ نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو صُوفیائے وجودیہ نے ریاضات و مکاشفات سے حاصل کیا مولینا نے اُسے معقول اور براہین سے پالیا ہے۔

مولوی محمد حسن فیضی، مرزا صاحب کی تفسیر "اعجاز المسیح" کا جواب لکھ رہے تھے کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو دردناک موت کا شکار ہوئے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے مضامین پیر صاحب نے سیف چشتیائی میں شامل کر لیے ہیں۔ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ دیکھ لو، میری الہامی پیش گوئی من قام للجواب و تنمر فسوف یریٰ انہٗ تندم و تدمر (یعنی جو مخالف اِس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اُٹھائے گا) پوری ہو گئی۔ فیضی بُری موت مرا اور پیر صاحب خود سرقۂ مضامین کے ملزم بن گئے۔

پھر مولوی کرم دین اور اُن کے شاگرد کی طرف سے ۶۔ اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار جہلم میں ایک تحریر شائع ہوئی۔ جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ محولہ بالا خطوط جعلی ہیں۔ فیضی مرحوم کی بُری موت مرنے اور سیف چشتیائی میں اُن کے مضامین استعمال کرنے کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں۔

لہٰذا مولوی صاحب کے زرخیز دماغ نے اس دام کے نیچے سیف چشتیائی کے سرقۂ مضامین کا جو دانہ ڈالا اس کی کشش سے بچ نکلنا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی۔ اور گورداسپور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے۔ جن میں سے ایک مقدمہ ازالۂ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی دو مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔

مولوی کرم دین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر الحکم "کتاب مواہب الرحمٰن" پر فیضی مرحوم کے ازالۂ حیثیت عرفی کا استغاثہ کیا جو اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عم زاد بھائی کو ایسے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دُوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے اِن ہر دو صاحبان کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی ذاتی کا کیا کیونکہ پہلے استغاثہ کے اخراج کی تاریخ کو ہی احاطہ کچہری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" لوگوں میں مفت تقسیم کی۔ جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج و غصہ میں لئیم اور کذاب المہین کے خطابات سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعدم ادائگی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔

مرزا صاحب نے سرقۂ مضامین کا الزام واپس لے لیا

مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین بجرم ۴۲۰/۴۲۸ تعزیرات ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور گواہ صفائی طلب کیا گیا۔ انہوں نے مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۹۰۳ء کو عدالت رائے چندو لال مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور میں شہادت دیتے ہوئے بیان کیا:۔

"پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ دونوں الہام (متعلق مولوی محمد حسن فیضی و پیر مہر علی شاہ) سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔ کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے نفس پیش گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔"

الفاظ بالا سے روشن ہے کہ سرقۂ مضامین کا وہ الزام جو نزول المسیح میں مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی پر لگایا تھا، بزبان خود اُسے غلط تسلیم کر کے واپس لے لیا۔

گورداسپور کے مقدمات میں حضرتؒ کو بطور گواہ طلب کرانے کی قادیانیوں کی طرف سے کوشش ناکام

مندرجہ بالا مقدمات میں مرزا صاحب اور اُن کی جماعت نے بار بار کوشش کی کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو کسی طرح بطور گواہ عدالت میں طلب کیا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ قرائن سے تو حضرتؒ کی شہادت عدالت میں لازمی دکھائی دیتی تھی کیونکہ آپ کا مبینہ دستخطی کارڈ مسل مقدمہ پر آ چکا تھا۔ اب اُس کی تصدیق یا تردید آپ کی زبانی ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا۔ بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ عدالت کی رائے میں یا تو یہ پوسٹ کارڈ جعلی ثابت ہو چکا تھا اور یا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اِسے غیر متعلق اور غیر مؤثر قرار دے دیا گیا۔ بہر حال فریق مخالف کی کوشش بسیار کے باوجود عدالت آپ کو طلب کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے متعلق حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ایک مکتوب گرامی صفحہ ۲۹ مہرِ چشتیہ پر بدیں مضمون موجود ہے:-

"میری شہادت اُس دعویٰ میں ہے جو حکیم فضل دین بھیروی ثمّ القادیانی نے مولوی کرم دین صاحب پر گورداسپور میں کیا تھا۔ جس کی ایک تاریخ پر (جو ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۳ء تھی) میں نہیں گیا۔ اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ اِلّا ان یشاء اللہ"

جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے ولی کے ارادہ کو پورا فرمایا اور عدالت نے قادیانیوں کی چوتھی اور آخری درخواست بھی مسترد کرتے ہوئے حضرتؒ کی شہادت کو غیر ضروری قرار دیا تو آپ اُس کا ذکر او شکر اپنے ایک مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۳۰ مہرِ چشتیہ میں اس طرح فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ مشغولی کما حقہ فرمائے۔ مولوی صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہو۔ چنانچہ اس نیاز مند درویش کو بھی اُس قدیم الاحسان نے گورداسپور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مساعی مخالفین بچا لیا۔ اور وُہ اصلاً مایوس ہوئے:"

عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مُرید لکھا ہے۔ مگر یہ مُرید نہیں تھے بلکہ ردِّ شیعہ میں انہوں نے جو کتاب لکھی ہے اس میں بعض باتیں حضرتؒ کے مسلک کے خلاف بھی تحریر کی ہیں۔ البتہ اپنی کتاب "تازیانۂ عبرت" میں حضرتؒ کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورداسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور با اثر جماعت کے مقابلہ میں تن تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرتؒ کی خاص توجہ اور دُعا سے منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کارفرما نہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طریقوں سے بھی سُلجھ سکتا تھا۔ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عم زاد بھائی کی موت پر آوازے کسے گئے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جیسی شخصیتِ گرامی کی تصنیفِ لطیف پر شبہات و اعتراضات کیے گئے۔ اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانشمندانہ تھا۔

ل پہلے الہام سے من قام للجواب وتنمّر فسوف یریٰ انّہٗ تندّم وتدمّر (جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اُٹھائے گا) کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے انّی مُھینٌ من اراد اھانتک (جو تیری اہانت کرے گا، اُس کی میں اہانت کروں گا) مُراد ہے اور ان دونوں الہامات کو علی الترتیب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن فیضی اور حضرت پیر صاحب سے منسوب کیا تھا۔

مولوی محمد حسن فیضی

اس جواں مرگ عالم و فاضل کا ذکر خیر اس کتاب میں "رُوئیدادِ جلسۂ لاہور" کے اُس ایڈریس سے چلا آرہا ہے جو اُس نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ صاحب مدرسہ انجمن نعمانیہ میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل اور غالباً اُستاد جناب مولینا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ بے نقط نظم و نثر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک طویل بے نقط قصیدہ لکھ کر، مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور اُن کے حاشیہ نشین تو اس کی املا تک پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی عِلمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحبؒ کی ذاتِ گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجیے۔ تو مرزا صاحب سخت گھبرائے اور راہِ فرار اختیار کی۔

الجیٹھ بالجیٹھ

۱۹۰۴ء میں ختم ہونے والے قادیانی مقدمات کے بعد، ۱۹۰۷ء میں پھر ایک مرتبہ قادیانیت کی طرف سے حضرتؒ کے متعلق ایک کارروائی کا پتہ چلتا ہے۔ شاید اِس سال مرزا صاحب نے پھر کوئی زبانی یا تحریری پیشین گوئی داغی ہو گی جسے سُن کر یا پڑھ کر نواب محمد حیات قریشی سکنہ ضلع سرگودھا کے والدِ بزرگوار میاں محمد قریشی جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے پیر بھائی اور محبِ صادق تھے، پریشانی کے عالم میں گولڑہ شریف پہنچے اور عرض کی کہ مرزا قادیانی کہتا ہے۔ اِس آنے والے جیٹھ کے مہینہ میں پیر صاحب گولڑہ کا انتقال ہو جائے گا۔ لہذا آپ اپنی حفاظت کا مُناسب انتظام رکھیں مبادا کوئی حملہ کر دے۔ حضرتؒ نے اُنہیں تسلی دے کر فرمایا کہ میاں محمد موت تو برحق ہے اور اُس سے مفر نہیں مگر تسلی رکھو انشاء اللہ اِس جیٹھ میں تو میں نہیں مرتا۔" جب اگلے جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اُس سال جب سیال شریف کے عُرس پر ملاقات ہوئی تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے میاں صاحب سے فرمایا:- اَلْجیٹھُ بِالْجیٹھ یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا۔ **اور یوں پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ کے ساتھ مرزا غلام احمد**

قادیانیت کے خلاف حضرتؒ کا معرکہ آپ کی اسلامی خدمات میں سنگِ مِیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا چرچا برِصغیر سے نکل کر دیگر اسلامی ممالک تک بھی پہنچا۔ اُس وقت سے تمام مُسلمان مؤرخ اور محقق اپنی کتابوں اور تحریروں میں تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرّہٗ کی علمی اور رُوحانی قیادت اس تحریک کی شکست میں ایک کارگر حربہ ثابت ہوئی۔ اِس سلسلہ میں جناب ابُوالقاسم رفیق دلاوری جو ایک مشہور نقاد اور محقق ہیں کی تصنیف "ائمۂ تلبیس" "محاسبہ قادیانیت" "تازیانۂ عبرت از مولوی کرم الدین صاحب موضع بھیں" اور "تاریخِ مرزا از مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری" قابلِ دید ہیں۔

اس کے علاوہ ایک کتاب بنام "الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی" بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ جس میں روئیدادِ مناظرہ در مسئلہ حیات المسیح و ممات المسیح تحریری پانچ پرچے،

مابین حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب ضلع شاہ پور مرید خاص حضرت قبلہ عالم گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی جلال دین شمسی، مولوی فاضل قادیانی ساکن ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات بتاریخ ۱۸، ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء بمقام ہریا منعقد ہوا، درج ہے۔ اس مناظرہ کے پریذیڈنٹ تھے عالم بے مثل، فاضل بے بدل علامہ حضرت مولانا جناب مولوی غلام محمد صاحب گھوٹوی جنہوں نے چار صفحات میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"میرا دل اس وقت یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر مرزا صاحب خود بھی سنتے تو مسلمان ہو جاتے، مگر ہدایت مقدر نہ تھی"۔

جب اس فتح کی خوشی کی خبر شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی لے کر گولڑہ شریف پہنچے تو حضرت قبلہ عالم سن کر از حد خوش ہوئے اور آپ نے ایک خط مولوی غلام مرتضیٰ صاحب کو لکھا۔ ملاحظہ ہو نقل خط:

خط کی نقل

مخلصی فی اللہ مفتی غلام مرتضیٰ احفظکم اللہ تعالےٰ

بعد سلام و دعا کے الحمد للہ ای لمنّہ کہ او سبحانہ و تعالےٰ نے آپ کو توفیق اظہارِ حق بوجہ اتم عنایت فرمائی۔ مخلصی مولوی غلام محمد صاحب سے مفصل کیفیت معلوم ہوئی بل کے بل نے سب بل مبطلین کے نکال دیئے۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ وصل وسلم و بارک علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

سب احباب سے مبارکبادی۔

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بہ مہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ

۲۳ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

جس کتاب کا اوپر ذکر ہوا ہے یعنی "الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی" جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور سے دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ مسلک اہل سنت کی اور درس نظامی کی کتب بھی دستیاب ہیں۔ مفتی غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کے علاوہ پیر صاحب قدس سرہ کے کئی اور مریدین مخلصین اور معتقدین نے بھی مرزا صاحب کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں مزید دو کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ یہ ہیں حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر اور مفتی محمد حسن صاحب فیضی، ملاحظہ ہو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر ۱۹۷۴ء۔

تحریر: محمد منشا تابش قصوری

۷۵

مرزا قادیانی

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان لوگوں (مسلمانوں) نے چوروں، قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنے محسن گورنمنٹ (برطانیہ) پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔" (حاشیہ ازالہ اوہام ص۱۲۲)

مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر

مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر (م ۱۳۶۵ھ) پنجاب کے ان نامور علماء میں سے ہیں جنہوں نے رد مرزائیت میں نمایاں کردار انجام دیا۔ ضلع جہلم کی ایک غیر معروف بستی موضع بھیں آپ کے مولد و مسکن کے باعث دور دور تک مشہور ہوئی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر چار پانچ سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر لاہور اور امرتسر کے مختلف مدارس سے علوم و فنون کی تکمیل کر کے اپنے گاؤں میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ سیال شریف میں حضرت خواجہ محمد الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ نہایت ذکی، سلیم الطبع، وجیہہ، بلند قامت، مضبوط جسامت، وسیع القلب اور حاضر جواب تھے۔

مرزا قادیانی نے جب اپنے باطل دعاوی کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے میدان عمل میں کود پڑے۔ آپ کے دست راست مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دنوں جہلم سے ہفتہ وار پرچہ "سراج الاخبار" جاری کر رکھا تھا۔ انہوں نے سراج الاخبار کو رد قادیانیت کے لیے وقف فرماتے ہوئے مولانا محمد کرم الدین صاحب کو اس کا ایڈیٹر مقرر کر دیا اور قادیانی کذاب کا نہایت مدلل اور ٹھوس مضامین سے تعاقب شروع فرمایا۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے مرزا اور اس کے حواری اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور خفت مٹانے کے لیے اپنی پشت پناہ گورنمنٹ برطانیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ کی ناقابل جواب تحریرات کو بہانہ بنا کر مقدمات کی ابتداء کر دی۔ پہلا مقدمہ[1] مرزا کے حواری حکیم فضل دین بھیروی کی طرف سے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو زیر دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا ابوالفضل کو اس مقدمہ میں باعزت طور پر بری فرمایا حالانکہ اس مقدمہ کی نسبت مرزا قادیانی نے اپنی فتح کے الہامات متواتر شائع کیے تھے۔

دوسرا مقدمہ[2] بھی حکیم فضل دین بھیروی ہی نے ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو مولانا کے خلاف گورداسپور میں دائر کیا۔ اس میں بھی آپ کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور مرزائیوں کی خوب گت بنی اور مقدمہ خارج ہو گیا۔ پھر تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان کی طرف سے مولانا ابوالفضل اور مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی کے خلاف دائر ہوا جس میں ہر دو مستغاثہ علیہما پر ۵۰ روپے جرمانہ ہوا جو ادا کر دیا گیا، اس لیے کہ حقیر سی رقم کی خاطر اپیل کرنا غیر مناسب تھا۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں مرزا کی مطبوعہ کتاب مواہب الرحمٰن تقسیم کی گئی جس میں مولانا ابوالفضل کے خلاف سخت توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے تھے۔ چونکہ مقدمات کی ابتداء مرزائیوں کی طرف سے

---

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولانا ابوالفضل صاحب دبیر مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور ص ۳۵۔ آفتاب ہدایت مصنفہ مولانا ابوالفضل صاحب دبیر مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ چکوال ص۸۱

[2] تازیانہ عبرت ص ۳۷ تا ۴۱ [3] مہر منیر۔ مولانا فیض احمد فیض گولڑہ شریف ص ۲۵۳

ہو چکی تھی۔ اس لیے مولانا ابوالفضل نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا اور یہ مقدمہ[1] حق و باطل کے درمیان عظیم الشان معرکہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اہل حق کی طرف سے شہادت میں بڑے بڑے فضلائے کرام پیش ہو رہے تھے اور فریق مخالف کی طرف سے حکیم نور الدین بھیروی، خواجہ کمال الدین لاہوری اور اس کے حواری ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، روپیہ پانی کی طرح بہایا، الہامات کے ذریعے اپنے حواریوں کی حوصلہ افزائی کی گئی مگر یہ سب حربے مٹی کے گھروندے ثابت ہوئے اور مقدمہ مرزا کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ مولانا ابوالفضل نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، عدالت میں جرح کے دوران کئی کئی گھنٹے اتنی زبردست تقریریں کیں کہ مخالفین تلملا اُٹھے۔ خواجہ کمال الدین وکیل مرزا بے ساختہ پکار اٹھا کہ مولانا محمد کرم الدین کے دلائل کا جواب نہیں۔ مقابلہ میں مرزا صاحب کو عدالت میں دو لفظ بولنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ بلکہ چھ چھ گھنٹے مرزا غلام احمد کو مجرموں کے کٹہرے میں دست بستہ کھڑا ہونا پڑا اس مقدمہ کا پُر لطف پہلو یہ بھی ہے کہ مرزا اپنی ناکامی کو دیکھتے ہوئے اتنا مرعوب ہوا کہ عدالت میں جب پیشی کی تاریخ ہوتی تو بیماری کا سرٹیفیکیٹ بھیج دیا کرتا۔ تقریباً دو سال تک یہ تاریخی مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی عدالت سے مرزا کو پانچ صد روپے جرمانہ، عدم ادائیگی کی صورت میں چھ ماہ قید محض کی سزا ہوئی جب کہ اس کے حواری حکیم فضل دین کو دو صد روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ اس مقدمہ میں مرزا قادیانی اور اس کے

---

[1] تازیانہ عبرت ص ۲۴۔ آفتاب ہدایت ص ۱۸۔ مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض گولڑہ شریف ص ۲۵۳۔

حواریوں کو عبرتناک شکست اور سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ نیز اس مقدمہ کے بارے میں بھی الہام مرزا کی خوب مٹی پلید ہوئی۔ اور مولانا ابوالفضل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خوب خوب نوازا۔

ان مقدمات کے علاوہ آپ نے مرزائیت کے خلاف مناظرے فرمائے۔ فنِ مناظرہ میں آپ نے خاصی شہرت پائی۔ مرزا قادیانی کے بعد مولوی اللہ دتہ وغیرہ مرزائی مناظرین سے مناظرے ہوئے اور ہر مرتبہ شکست فاش دی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ خود مرزا غلام احمد جو اس مشن کا بانی تھا اسے آپ نے پے در پے شکستوں سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کے متبعین کی کیا مجال تھی کہ آپ سے بازی لے جاتے۔ الغرض مرزائیوں کو ہر میدان میں آپ سے ذلت کا سامنا نصیب ہوا۔ ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں آپ کی تصانیف میں سے "مرزائیت کا جال" اور "تازیانۂ عبرت" قابلِ دید ہیں۔

علامہ محمد حسن صاحب فیضی

مولانا علامہ ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی (م ۱۹۰۱ء) مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر کے چچازاد بھائی تھے۔ ادب عربی کے ماہر، نظم میں ممتاز، بے نقط عربی قصائد لکھنے میں اُنہوں نے شہرتِ دوام حاصل کی۔ مدرسہ انجمن نعمانیہ لاہور میں کئی سال تک مسند درس و تدریس پر جلوہ گر رہے۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ مولانا غلام احمد صاحب پرنسپل مدرسہ نعمانیہ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے فتنہ کے استیصال میں آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔

۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے کہ علامہ فیضی صاحب

ایک غیر منقوط عربی قصیدہ لکھ کر مرزا قادیانی کے پاس سیالکوٹ پہنچے۔ مسجد حکیم حسام الدین صاحب میں مرزا اپنے نماز حواریوں کے جلو میں بیٹھا ڈینگیں مار رہا تھا کہ یہ شیرِ نر دھاڑتا ہوا جا پہنچا اور للکار کر فرمایا: تمہیں الہام کا دعویٰ ہے تو مجھے تصدیقِ الہام کے لیے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرینِ مجلس کو واضح سنا دیں۔ مرزا صاحب اس قصیدہ کو چپکے چپکے دیکھتے رہے، لیکن اس کی عبارت بھی نہ سمجھ سکے حالانکہ نہایت خوشخط عربی رسم الخط میں لکھا تھا، پھر اپنے ایک حواری کو دیا۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم کو تو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں۔ علامہ صاحب نے اپنا قصیدہ واپس لے لیا اور زبانی گفتگو شروع فرما دی۔ مرزا پر ایسا رعب طاری ہوا کہ ؏

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

آخر پکار اُٹھا: "میں نبی نہیں نہ رسول ہوں، نہ میں نے دعویٰ کیا، فرشتوں کو، لیلۃ القدر کو، معراج کو، احادیث اور قرآنِ کریم کو مانتا ہوں، مزید اَزاں عقائدِ اسلامیہ کا اقرار کرتا ہوں۔"

دوسرے روز یعنی ۱۴ فروری ۱۸۹۹ کو علامہ فیضی صاحب نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کی نسبت دلیل مانگی۔ تو متنبئ قادیان کی ساری عربی دانی کی ہوا نکل گئی۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی کے ہفتہ وار پرچہ "سراج الاخبار" میں ۹ مئی ۱۸۹۹ کو بے نقط قصیدہ کے بارے میں جو مرزا غلام احمد قادیانی سے بات چیت ہوئی تھی مشتہر کرائی اور ساتھ ہی مرزا صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

"میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقیدہ میں سچے ہوں تو آئیں، صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں، میں حاضر ہوں، تحریری کریں یا تقریری، اگر تحریر میں ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں، عربی ہو یا فارسی یا اُردو۔ آیئے، سُنیے اور سنایئے۔"[1]

سراج الاخبار میں مذکورہ اشتہار سے پہلے آپ نے وہ بے نقط قصیدہ عربی فروری ۱۸۹۹ء میں ہی رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور میں بھی مشتہر کرایا اور آخر میں نوٹ لکھا:

"اب بھی ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب اس قصیدہ کا جواب اس صنعت کے عربی قصیدہ کے ذریعے ایک ماہ تک لکھنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ ہر دو قصائد کا موازنہ پبلک خود کرے گی، لیکن تہذیب و متانت سے جواب دیا جائے۔"[2]

اور جب مرزا قادیانی نے ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء کو دعوت دی کہ لاہور آ کر میرے ساتھ بپابندئ شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورہ کی تفسیر لکھیں، فریقین کو سات گھنٹے سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ اوراق سے کم نہ ہوں اور ان تحریرات کو تین غیر جانبدار علماء ملاحظہ کر کے حلفاً فیصلہ کریں۔ جس کی تحریر فصیح و بلیغ ہو گی وہ سچا اور دوسرا جھوٹا ، الخ۔ . . . .

آپ نے اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی ۱۴ اگست ۱۹۰۰ء کو سراج الاخبار صـ۶ پر اشتہار دیتے ہوئے مرزا صاحب

---

[1] سراج الاخبار جہلم شمارہ ۹ مئی ۱۸۹۹ء بحوالہ تازیانۂ عبرت صـ۴۶

[2] تازیانۂ عبرت صـ۴۸ (نوٹ) جو صاحب ذوق اس مبارک قصیدہ کو دیکھنا چاہیں وہ تازیانۂ عبرت صـ۴۷، ۴۸ ملاحظہ فرمائیں۔

کو چیلنج کیا:

"اگر تمہیں عربی لکھنے کی طاقت ہے تو جہاں مجھے بلائیں مقابلہ کے لیے حاضر ہوں، آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم ونثر لکھنے کو تیار ہوں، تاریخ کا تقرر کر دیجیے اور مجھے اطلاع کر دیجیے کہ میں اپنے آپ کو حاضر کروں مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجددیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔"[1]

اس چیلنج کا جواب بھی مرزا کی طرف سے فیضی مرحوم کی زندگی میں ہرگز نہ ملا، نہ مرزا کو طاقتِ مقابلہ ہوئی۔

مولانا فیض احمد گولڑوی مہرِ منیر میں رقمطراز ہیں کہ

"جب مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے ان کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحب کی ذاتِ گرامی تو بہت بلند ہے پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجیے، اس اشتہار میں انہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں۔"

حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحبؒ مرزا کا چیلنج قبول فرماتے ہوئے سیکڑوں، علماء، فقراء ہزاروں مریدوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور جلوہ افروز ہوئے۔ مرزا کی طرف سے مقابلہ کا وعدہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء تھا۔ مگر اس نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ آخر ۲۷ اگست ۱۹۰۰ء کو شاہی مسجد لاہور میں حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کی صدارت میں تاریخی جلسہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالفیض محمد حسن علی صاحب فیضی نے دُبارہ غرضِ انعقاد جلسہ اور کارروائی مُباحثہ ایک تحریر پڑھی اور آخر ایک معرکہ آرا تقریر میں فرمایا کہ "اس سے پہلے بھی دُنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی بننے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں، مرزا کا بھی یہی حشر ہوگا۔"[2]

الغرض اس شیر دل فاضل شعلہ نوا خطیب، بے نظیر ادیب عدیم المثال مناظرِ اسلام نے اپنی زندگی کو ردِّ مرزائیت کے لیے وقف کر دیا۔ مرزا کو مقابلے کے لیے چیلنج پر چیلنج دیئے اور اس کی ناک میں دم کر دیا۔ مرزا کو زندگی میں مقابلہ کی جرأت تک نہ ہوئی۔ آخر یہ بیباک اور نڈر سپاہی جوانی کے عالم میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس دارِ فانی سے راہ گزارِ عالم جاودانی ہوا۔[3] مرزا نے حسبِ عادت مرحوم کی وفات کو بھی اپنی صداقت کا ایک نشان بنا لیا۔ مگر مرزا کی یہی پیشگوئیاں اس کے گلے کا ہار بن گئیں اور مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر کے مقدمہ میں مجسٹریٹ کے سامنے اُن سے صاف انکار کر دیا۔[4]

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب علیہ الرحمۃ میانی ضلع شاہ پور کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جس نے فتنہ قادیانیت کا قلع قمع کرنے میں بے نظیر کارنامے انجام دیئے آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا کئی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اول مدرس رہے، ۱۴ یا ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو حکیم نورالدین صاحب بھیروی سے مولانا ابراہیم قادیانی کے مکان واقع کشمیری بازار میں حیات مسیح ابن مریم پر تاریخی مکالمہ ہوا۔ حکیم نورالدین بھیروی خلیفہ اول مرزا قادیانی آپ سے سخت مرعوب ہو گیا اور اپنی کوئی دلیل پیش نہ کر سکا جس پر اسے خود تسلی ہوتی آخر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ یہ تاریخی مکالمہ النفحۃ الرحمانی میں آپ نے درج فرمایا۔[1]

۱۸، ۱۹، اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب کا مولوی جلال الدین شمس قادیانی سے بمقام ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات تاریخی مناظرہ ہوا۔

---

[1] مہرِ منیر ص ۲۳۶ و تازیانۂ عبرت ص ۵۰ تا ۵۶
[2] تازیانۂ عبرت ص ۵۴
[3] آفتاب ہدایت ص ۱۷ و تازیانۂ عبرت ص ۴۲۔

جس کی تفصیل آپ صد ۴۲ پر پڑھ چکے ہیں۔ اب پیر صاحب قدس سرہ کے اس معرکے کے سر کرنے پر چند تبصرے ملاحظہ ہوں:۔

۴۱

محمد صادق قصوری

ردِّ مرزائیت میں صوفیائے کرام کا حصہ

صوفیائے کرام نے ہر دور میں باطل قوتوں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف علم جہاد بلند رکھا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید، حضرت امام علی الحق سیالکوٹی اور مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی رحمۃ اللہ علیہم کی مثالیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ انگریزی دور میں جب برصغیر میں دینی اقدار کو پامال کرنے کی سازشیں کی گئیں تو بھی صوفیائے کرام میدان میں آئے اور سربکف ہو کر دین و ملت کا تحفظ کیا۔ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ صوفیاء ہی تھے جنہوں نے اس کے مکر و فریب کے جال کو تار تار کیا۔ ذیل میں مختلف صوفیائے کرام کی کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے مرزا قادیانی کے خلاف جہاد کر کے اہم دینی فریضہ انجام دیا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی

مرزا قادیانی نے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کر کے غیر معمولی شہرت حاصل کر لی تو اس نے ملک کے مشہور مشائخ کو دعوت نامے ارسال کیے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "میں مسیح موعود ہوں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے احیائے دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں!"

جب یہ دعوت نامہ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی گولڑوی کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ جواب لکھوایا کہ "میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسبِ سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔" جب یہ خط مرزا صاحب کو پہنچا، تو وہ بہت بوکھلائے۔ کیونکہ ہر طرف سے مرزا صاحب کے اس دعوے کی تردید کی گئی تھی؛ چنانچہ ہر طرف سے مایوس ہو کر ایام الصلح میں مرزا صاحب نے مشائخ پر بہ ترتیبِ ذیل اپنا غبار نکالا:

"ایں وقت زیرِ سقفِ نیلگوں، ہیچ متنفس قدرت ندارد کہ لافِ برابری با من زند۔ من آشکارا می گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیانِ اسلام، درمیانِ شما جماعتے می باشند کہ گردن بدعویٔ محدثیت و مفسریت برمی فرازند و طائفہ اند کہ

انبازشِ ادب پا برزمین نگذارند وگروہے اند کہ دم بلند از خداشناسی زنند وخود را چشتی وقادری ونقشبندی و سہروردی چہا چہا مے گویند۔ این جملہ طوائف را نزد من بیارید۔"

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو! تم میں بعض لوگ محدثیت و مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض از رہِ نازِ زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خداشناسی کا دم مارتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ!"

جب مرزا صاحب کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہو گئی اور ظاہر بین اور کم علم لوگ متاثر ہونے لگے، تو علماء کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حضرت قبلۂ عالم گولڑوی اس فتنے کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء ماہ شعبان و رمضان المبارک میں اوراد و اشغالِ روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدایت فی اثبات المسیح" تحریر فرمایا جو رمضان شریف ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ میں تقسیم ہوا اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان بھیج دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت گولڑوی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت فرمایا اور اس عقیدہ کو اُمتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا۔ نیز ثابت کیا کہ ان کے مثیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ آغازِ کتاب میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصلح" والی تعلّی (جس کا ذکر ہو چکا ہے) کے مقابلہ میں اُن سے کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی دریافت کیے تھے۔

کتاب کا منصۂ شہود پر آنا تھا کہ قادیان میں تہلکہ مچ گیا۔ خصوصاً کلمہ طیبہ کے معانی کے سوال پر علمائے اسلام بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس کتاب کی مقبولیت اور قدردانی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ملک کے طول و عرض سے حضرت قبلۂ عالم کو مبارکباد کے خطوط آنے لگے۔ مشہور اہلحدیث مولانا عبدالجبار غزنوی کا خط قابلِ ذکر ہے۔ لفظ لفظ سے حضرت قبلۂ عالم سے عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کے بعد حکیم نورالدین نے ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں بارہ سوالات بھیجے۔ حضرت نے انکے جوابات ارسال کر دیے اور حکیم نور دین پر ایک سوال کیا، مگر وہ جواب نہ دے سکا۔ حضرت نے یہ خط و کتابت بصورت اشتہار شائع کروا دی۔ حضرت کے جوابات نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلا سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اس پر عوام کی طرف سے "شمس الہدایت" کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا، تو مرزا صاحب نے جوش میں آ کر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دے دی کہ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو! چنانچہ مرزا صاحب نے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو بذریعہ اشتہار مقابلۂ تفسیر نویسی کی دعوت دیدی۔

گولڑہ شریف میں مرزا صاحب کی دعوت کا اشتہار ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو موصول ہوا۔ حضرت نے اگلے ہی روز اس دعوت کا جواب پانچ ہزار کاپیوں کی صورت میں چھپوا کر ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا اور مرزا صاحب کو بھی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کیا۔ حضرت نے

بمقام لاہور ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء تاریخ مقابلہ مقرر کردی۔ ملک کے تمام علماء و مشائخ نے حضرت قبلۂ عالم کی حمایت میں اشتہار شائع کیے اور تقریری مقابلے کا مطالبہ بھی کیا۔ تاکہ فیصلہ واضح طور پر ہو سکے، لیکن قادیانی نہ مانے۔

جوں جوں مقابلے کا دن نزدیک آرہا تھا، ملک کے اطراف و اکناف سے مسلمان لاہور پہنچ رہے تھے۔ تمام فرقوں کے رہنماؤں نے حضرت کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ ۲۴ اگست کو حضرت لاہور پہنچ گئے اور آتے ہی راولپنڈی اور لالا موسیٰ سے مرزا صاحب کو بذریعہ تار اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو لاکھوں مسلمان دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔ مباحثہ کا انتظام شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ۲۵ اگست کو پولیس نے حفظِ امن کے تمام انتظامات کر رکھے تھے، لیکن مرزا صاحب کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت کو جب معلوم ہوا کہ مرزا نے قادیان سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا ہے، تو آپ قادیان جانے کے لیے تیار ہونے لگے، مگر مسلمانوں کی کثیر تعداد کے منع کرنے سے رُک گئے۔

مرزا صاحب نے یہ کہا کہ "میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرانا چاہتے ہیں۔" جب قادیان کا وفد یہ پیغام لے کر لاہور پہنچا، تو اس جماعت میں شدید انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض لوگوں نے اُسی وقت توبہ کر لی اور بعض لوگ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعی مایوسی ہو گئی، تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ممتاز علماء نے ختم نبوت پر تقاریر فرمائیں۔ مقررین حضرات میں حضرت محدث علی پوریؒ، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی پروفیسر اورنٹیل کالج، مولانا شاہ اللہ امرتسری اور مولانا عبدالجبار غزنوی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم ۲۴ اگست تا ۲۹ اگست لاہور میں قیام فرما کر واپس گولڑہ شریف چلے گئے، تو ۳۰ یا ۳۱ اگست کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار لاہور میں تقسیم کروایا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے ہیں اور اُنہوں نے یہ مشہور کروا دیا ہے کہ مرزا بھاگ گیا ہے اور میدان میں نہیں آیا۔ اگر اب بھی میری جان کے تحفظ کا بندوبست کیا جائے، تو میں میدان میں آنے کو تیار ہوں۔ ملک کے علماء و مشائخ اور عوام نے چونکہ شاہی مسجد والے واقعے ہی سے مرزا صاحب کو مخاطب نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لہٰذا حضرت نے مرزا صاحب کے اس اشتہار کا نوٹس نہ لیا۔ مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اور اشتہار نکالا جس میں لکھا تھا کہ "آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمامِ حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں اُن متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ ... میں اسی جگہ بجائے خود سورۂ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اُس کے متعلق معارف اور حقائق سورۂ ممدوحہ کے بھی بیان کروں اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ۷۰ دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں۔ تب اہلِ علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کر لیں گے۔" ساتھ ہی مرزا صاحب نے مبلغ پانچ صد روپیہ انعام رکھا کہ اگر حضرت کی تفسیر مقابلہ میں بہتر قرار دے دی جاوے تو انعام ان کا حق ہو گا۔ حضرت کی ذاتِ گرامی پر اس نئے چیلنج کا ردِ عمل

بھی اثر نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۱ء کے شروع میں "اعجاز المسیح" کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی۔ اس تفسیر نے مرزا صاحب کے تمام دعووں پر پانی پھیر دیا۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارات سے پُر تھی۔ اس تفسیر سے مرزا صاحب کی مراد نہ برآئی اور مسلمانوں نے شدید مطالبہ کیا کہ مرزا صاحب حیلوں بہانوں کو چھوڑ کر حضرت کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب دیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر مرزا صاحب نے مولوی محمد احسن امروہوی سے "شمس بازغہ" لکھوائی۔

اس کی اشاعت کے بعد حضرت نے "اعجاز المسیح اور شمس بازغہ" کے جواب میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیف چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت نے مرزا صاحب کی تفسیر پر تقریباً ایک سو اعتراضات فرمائے۔ "سیف چشتیائی" کی اشاعت کے موقع پر حضرت نے ایک بیان جاری فرمایا، جسے یہاں تبرکاً نقل کیا جاتا ہے۔ اس بیان سے تمام معرکہ کا پس منظر سامنے آجاتا ہے:

"قابلِ توجہ اہلِ اسلام"

اس ہیچمدان، خوشہ چینِ علمائے کرام کو مطابق قولِ "السّلامۃ فی الوحدۃ" گوشہ نشینی پسند رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کا شوق نہیں۔ کیونکہ یہ اُمور یا تو بغرضِ شہرت و نام آوری، یا بغرضِ حصولِ دولت کیے جاتے ہیں۔ سو اس خاکسار کو اِن دونوں اُمور سے نفرت ہے۔ آج کل کے ابنائے زمان اُن کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیماتِ یورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز ناواقف ہے۔ اُس طرزِ قدیم سے جس پر زمانۂ سلف کے بزرگانِ دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں اور جس سے اس ہیچمدان کو قدرے موانست ہے، نفرت رکھتے ہیں۔

باوجود ان مزلتعات کے چند احباب کے اصرار پر رسالہ "شمس الہدایت" لکھا گیا تھا۔ جس سے مراد نہ تو طلبِ شہرت نہ حصولِ دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اعلاء کلمۃ الحق میں کوتاہی نہ ہو اور قیامت میں باز پرس سے بچ جاؤں، تو عند اللہ مستحق ثواب ٹھہوں۔

اس رسالہ کے شائع ہونے سے کچھ مدت بعد مرزا صاحب قادیانی اور اُن کے مریدوں کی طرف سے بجائے کسی جواب کے، مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادم الفقراء معہ علمائے کرام اور مشائخِ عظام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمڈن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام واقعہ کی عوام نے بلا اطلاع میری کے تشہیر کر دی تھی، اس لیے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد "شمس الہدایت" کے جواب میں مرزا قادیانی کے امروہوی مرید نے "شمس بازغہ" لکھی اور مرزا نے "تفسیر فاتحہ" چھپوائی تو دوبارہ اہلِ اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرسائی کروں۔ گو بہت انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ ؎

آں کس کہ ز قرآں و خبر زو نہ رہی

آں است جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے۔ عوام مسلمانانِ ہند و پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہٰذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دیئے کہ وہ اسے کتاب کی صورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ علمائے کرام اور معززینِ اسلام میں بدستورِ سابق مفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصود نفعِ اہلِ اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وما علینا الا البلاغ۔

محبّ الفقراء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ؒ اور معرکۂ قادیانیت

لکلّ فرعونٍ موسیٰ کے مطابق دنیا میں جب بھی کوئی باطل کا پرستار ابھرا ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کی سرکوبی کے لئے کسی حق آگاہ شخصیت کو مقرر فرما دیا، سرزمینِ قادیان سے نبوت کا جھوٹا مدعی اٹھتا ہے اور کچھ لوگ دین سے بے خبری یا آزادی کی بنا پر اس کے زرخرید غلام بن جاتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں واقعی مسندِ نبوت پر فائز ہو گیا ہوں اور دنیا میں کوئی میرے مدِ مقابل نہیں جم سکتا۔ اتنے میں گولڑہ کی مقدس سرزمین سے مہرِ عالم تاب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی جرأت مندانہ آواز، حق کی حمایت میں بلند ہوتی ہے۔ جس کی ہیبت سے خانۂ باطل میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ انگریز کے تیار کردہ مدعی نبوت پر کیفیتِ نزع طاری ہو جاتی ہے اور حق اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تو دل میں آیا کہ یہیں مستقل قیام کیا جائے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا، ہند میں ایک بڑا فتنہ رونما ہونے والا ہے جس کا سدِ باب آپ کی ذاتِ گرامی سے ہوگا۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے، ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے خود مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا اور علماء و مشائخ کو اپنی بیعت کے دعوت نامے جاری کئے، علماء حق تو اس کے دام تزویر میں نہ آئے البتہ کچھ جہلاء اور کچھ دنیا پرست اس کے جال میں پھنس گئے۔

مذاہب باطلہ کو ہر محاذ پر شکست فاش دینے والے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی ان حالات میں کیونکر خاموش رہ سکتے تھے آپ نے "شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح"، لکھی جس میں کتاب و سنت کے دلائل قاہرہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کر کے بتایا کہ مرزائے قادیانی کا دعوائے مسیحیت محض فریب اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی ایوانِ مرزائیت میں زلزلہ آ گیا اور مرزائی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اس کتاب کا ضرور کچھ تدارک ہونا چاہیئے، اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مرزا نے ایک اشتہار شائع کر کے پیر صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور یہ طریقہ یہ تجویز کیا کہ فریقین قرآن پاک کی چالیس آیات کی تفسیر عربی میں سات گھنٹوں میں لکھ کر پیش کریں مجوزہ علماء جس کی تفسیر اور عبارت، روح القدس کی تائید

سے مؤید قرار دیں اسی کی فتح ہوگی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کی جلالت شان کا مرزا پر اس قدر اثر تھا کہ اس نے لکھا کہ اگر پیر صاحب مناظرہ کے لیے رضامند نہ ہوں تو میں علما کی ایسی جماعت سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوں جو چالیس سے کسی طرح کم نہ ہو۔ گویا مرزا نے یہ تسلیم کر لیا کہ صرف پیر صاحب کی ذاتِ گرامی چالیس علماء کے برابر ہے۔

مرزا غلام احمد کا خیال تھا کہ پیر صاحب اللہ اللہ کرنے والے کثیر المشاغل بزرگ ہیں وہ میدانِ مناظرہ میں آنے کو پسند نہیں کریں گے تو ہمیں اپنی فتح کے شادیانے بجانے کا زریں موقع مل جائے گا۔ لیکن مرزا کی تمام توقعات خاک میں مل گئیں جب حضرت پیر صاحب نے نہ صرف تحریری مقابلے کو قبول کر لیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مرزا کے انفرادی عقائد پر گفتگو ہوگی اور پھر تحریری مقابلہ ہوگا۔ اور مرزا کو بذریعہ اشتہار مطلع کیا گیا کہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور میں مناظرہ ہوگا اور اشتہار کے ملتے ہی منظوری یا نامنظوری کی اطلاع دینی لازم ہوگی، اس کے علاوہ متحدہ پاک و ہند کے مختلف مواضع کے ساتھ علماء نے ایک اشتہار جاری کیا کہ ہم ۲۵ اگست کو پیر صاحب کے ساتھ لاہور پہنچ رہے ہیں اور ہمارے نزدیک پیر صاحب کی یہ شرط بالکل برمحل ہے کہ تحریری مقابلے سے پہلے تقریری گفتگو ہونی چاہیئے۔

اب ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مرزائے قادیانی منظوری کا اعلان کر کے میدان مناظرہ میں نکل آتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور خاموشی کو امن و عافیت کا ذریعہ سمجھ کر چپ ہو رہے البتہ انکے ایک مرید محمد احسن امروہوی نے تاریخ مناظرہ سے چار دن پہلے ایک مطبوعہ خط گولڑہ شریف بھیجا جس میں لکھا کہ

ہمیں تقریری مناظرہ کی شرط منظور نہیں۔ تقریری مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب تشریف لے آئیں یہ ان کی طرف سے شکست کا پہلا اعتراف تھا۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب کے ایک مرید حکیم سلطان محمود نے ایک اشتہار شائع کیا جس کی ایک کاپی بمد رجسٹری قادیان بھیجی گئی اس اشتہار میں اعلان کیا گیا کہ حضرت پیر صاحب مرزا کی شرائط کے مطابق تحریری مقابلہ کے لئے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں چنانچہ ۲۴ اگست کو حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف سے عازم لاہور ہوئے، پہلے راولپنڈی اسٹیشن سے اور پھر لالہ موسیٰ سے بذریعہ تار اپنی روانگی کی اطلاع مرزا کو بھجوا دی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ لاہور پہنچے تو عوام کے علاوہ علماء کا جم غفیر جمع ہو گیا جس میں اہل سنت — دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ ہر مکتبِ فکر کے افراد موجود تھے جو حضرت پیر صاحب کی قیادت میں بیسویں صدی عیسوی کے متنبی کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ لینے کے لئے تیار تھے گویا صحابۂ کرام کے مقدس لشکر نے جو حشر مسیلمہ کذاب اور اس کے حواریوں کا میدانِ جنگ میں کیا تھا۔ آج ختمِ نبوت ایسے قطعی عقیدہ کے حامی وہی حشر مرزائے قادیانی اور اس کی ذریت کا میدان مناظرہ میں کرنا چاہتے تھے۔

اہل اسلام اور مرزائی دونوں ہی بڑی بے تابی سے مرزا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لاہوری پارٹی کے بعض بااثر افراد نے انتہائی کوشش کی مگر مرزائے قادیانی کسی صورت میں لاہور نہ آئے اور عذر یہ پیش کیا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ میں تقریری مباحثہ کی شرط واپس لیتا ہوں تب میں لاہور آؤں گا۔ پیر صاحب نے فرمایا محمد احسن امروہی کے مطبوعہ مکتوب کے

جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم سلطان محمود اس شرط کی واپسی کا اعلان کر چکے ہیں، اب اگر مرزا صاحب قادیانی اپنے دستخط سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری مباحثہ نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط واپس لے چکا ہوں، لیکن اس طرف مکمل سکوت چھایا رہا۔

۲۵ اگست کا دن انتظار کرتے کرتے گزر گیا لیکن مرزا کا دور دور کہیں نام و نشان نہ تھا بالآخر، ۲۷ اگست کو شاہی مسجد (لاہور) میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں مختلف علماء نے اسلام کی سربلندی اور مرزا کے دجل و فریب اور پسپائی کو تفصیلاً بیان کیا۔ اس دن حق اپنی تمام تر زیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور باطل سرنگوں ہو کر رہ گیا۔

ان الباطل کان زھوقا

مرزائے قادیانی نے خفت مٹانے کے لیے کچھ اشتہار شائع کیے جن میں مناظرہ کے لیے میدان میں نہ آنے کا عذر یہ بیان کیا کہ پیر صاحب کے مریدین میں جوش و خروش حد سے زیادہ ہے۔ اس لیے مکمل حفاظتی انتظامات کے بغیر لاہور میں قدم رکھنا آگ میں کودنے کے برابر ہے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کر کے ایک اور چیلنج پیش کر دیا کہ میں فصیح عربی میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھ کر پیش کرتا ہوں۔ پیر صاحب بھی لکھیں پھر علماء خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ کون حق پر ہے چنانچہ "اعجاز المسیح" کے نام سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھ کر شائع کر دی۔ اس کے علاوہ مرزا کے ایک مرید محمد حسن امروہی نے "شمس الہدایہ" کے جواب میں "شمس بازغہ" نامی ایک کتاب لکھی اور یقین کر لیا کہ مناظرہ میں شکست کا تدارک ہو گیا ہے۔ حضرت پیر صاحب نے ان دونوں کتابوں کے جواب میں مشہور زمانہ کتاب "سیف چشتیائی" لکھ کر ۱۹۰۲ء میں شائع فرما دی۔ اس میں آپ نے "شمس بازغہ"

کے شبہات کا دندان شکن جواب اور "اعجاز المسیح" کی ایک سو سے زائد اغلاط کی نشاندہی کر کے مرزا کی عیاری کو طشت از بام کر دیا۔ حضرت پیر صاحب نے تفصیلاً بیان کیا کہ اس کتاب میں کہیں سرقہ ہے اور کہیں قواعد عربیہ کی خلاف ورزی ہے اس لحاظ سے اس کتاب کو معجزہ کہنا تو کجا اسے تو قابل ذکر کتب میں شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سیف چشتیائی کو اہل علم و فضل طبقہ نے سر آنکھوں پر رکھا اور زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ آج تک فرقۂ مرزائیہ اس کتاب کے جواب سے عاجز ہے اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔

اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مناظرۂ شاہی مسجد میں شکستِ فاش کے باوجود مرزائی اپنی ضد پر قائم رہے اور آج بھی جبکہ پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے ان کے کفر و ارتداد پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اپنی ضد پر قائم ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم مسلمان ہیں تو ہمیں کوئی اسلام سے خارج نہیں کر سکتا وہ باقاعدہ اپنے غلط نظریات کا پرچار کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ارباب اقتدار مسلمانوں کے منظور شدہ مطالبے کے مطابق ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے لیے عملی قدم اٹھائیں اور فوری طور پر مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کریں اس کے علاوہ علماء کا بھی فرض ہے کہ وہ ردِ مرزائیت کے محاذ پر پوری کوشش سے کام جاری رکھیں تاکہ کوئی مسلمان ارتداد کا شکار نہ ہو۔ اس کے علاوہ مرزائیوں کو اسلام کی دعوت دینے کا پروگرام بنانا چاہیے تاکہ جو افراد غلط فہمی کی بنا پر مرزائیت کا شکار ہیں دولتِ اسلام سے مشرف ہو سکیں۔

قارئین کرام!

یہ تو تھی مختصر سی روئیداد اس معرکہ آرائی کی جو حضرت قبلہ عالم گولڑی قدس سرہٗ اور آپ کے مریدوں نے قادیاں کے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کے خلاف سر کیا۔ علماء کرام کی خدمت میں درد بھری اپیل ہے کہ جہاں بھی تحریک ختم نبوّت کا تذکرہ ہو وہاں عالم ربانی عارفِ لاثانی رہبرِ شریعت ہادی طریقت حضرت خواجہ سید پیر مہر علی شاہ الحسنی الگیلانی قُدّسَ اللہ العزیز کا تذکرہ ضرور کیجئے گا۔ کیونکہ بفرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم "تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ عِنْدَ ذِکْرِ الصالحین"۔ یعنی جہاں صالحین کا ذکر ہو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے"۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اُن نفوسِ قدسیہ کے سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جنہیں خداوند قدوس نے انعام یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔ اور وہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین (اولیاء) اور اُن بدعقیدہ لوگوں سے بچائے۔ جن پر اُس نے غضب کیا اور گمراہ کیا۔ خاص طور پہ اُن تیس ۳۰ دجال اور جھوٹے نبیوں سے جن کی پیشگوئی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرما دی ہے۔

اب آپ حضرات کی توجہ اس ضروری مسئلہ کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں جو آج کل باعثِ موضوع بنا ہوا ہے۔ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ قبلہ عالم حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قُدّسَ سرّہٗ دیوبندی تھے اور بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ آپ بریلوی تھے۔

واضح ہو کہ! دیوبندی اور بریلوی کوئی مذہب نہیں ہے۔ ان دونوں کی نسبت اُن دو دینی مدارس کی طرف ہے جہاں یہ واقع ہیں۔

۲۔ مدرسہ دیوبند کے بانی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور رشید احمد صاحب گنگوہی وغیرہم شیخ العرب والعجم قبلہ عالم سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے۔

۳۔ حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ کو بھی سلسلہ صابریہ چشتیہ کی خلافت حاجی صاحب موصوف سے ملی تھی۔

۴۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ کے مریدین میں سات مسائل میں اختلاف ہو گیا تھا۔ جس کا فیصلہ حاجی صاحب موصوف نے "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں کر دیا۔ جسے ان کے بعض شاگردوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ حاجی صاحب ہمارے طریقت کے پیر ہیں شریعت کے نہیں اور

شریعت میں ہم ان سے اعلم ہیں۔ اس طرح دیوبندی حضرات کے عقائد حاجی صاحب سے

۵۔ حضرت قبلہ عالم گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد جو آپ کی تصنیف لطیف "اِعلاءِ کلمۃ اللہ" میں درج ہیں، وہی ہیں جو فیصلہ ہفت مسئلہ میں مرقوم ہیں۔

۶۔ متنازعہ فیہ مسائل میں سے سب سے بڑا مسئلہ گیارھویں شریف اور نذر نیاز کا ہے جسے آج کل کے دیوبندی علماء خنزیر سے بھی بدتر کہتے ہیں۔ جبکہ ان کے پیشوا قبلہ حاجی صاحب اور پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہما اسے جائز اور طیب کہتے ہیں۔ بلکہ پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اختلافی مسائل مثلاً نذر و نیاز، فاتحہ مروجہ، علم غیب، حاضر ناظر، استمداد، سماع موتیٰ، اختیار و تصرف اہل قبور، نداء غائبانہ، استغاثہ، توسل اور اور مسئلہ شفاعت کو اپنی کتاب "وما اُھِلَّ بہٖ لغیر اللہ" میں بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔

اس کے علاوہ فتاویٰ مہریہ میں مسائل امتناع نظیر، جواز عید میلاد النبی۔ صلوٰۃ وسلام اور قیام وغیرہ بڑی شرح و بسط سے تحریر کئے گئے ہیں۔ اور یہی کچھ قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح پیر صاحب گولڑوی اور قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے عقائد و اعمال ایک جیسے ہیں۔ جبکہ دیوبندی حضرات کے ان سے بالکل مختلف ہیں۔ بلکہ میں تو یہ بھی عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ یہی اعتقادات بریلوی حضرات کے بھی ہیں۔ اگر دیوبندی حضرات، حضرت قبلہ حاجی صاحب اور پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہما کے عقائد پر متفق ہو جائیں تو ان کے اختلاف بھی ختم ہو سکتے ہیں اور اتحاد کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کی آج کل اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک پاکستان پر جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ انڈیا اور روس تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی بھی وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

خدا نہ کرے اگر ایسا وقت آ گیا تو ان کفار نے یہ نہیں پوچھنا کہ تم دیوبندی کانگریسی ہو یا بریلوی مسلم لیگی۔ انہوں نے تو محض مسلمان سمجھ کر اپنا وار کرنا ہے۔ جیسا کہ ۱۹۴۷ء میں ہوا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں انتشار و نفاق سے بچائے اور اتحاد و اتفاق کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الذی من قال لا نبی بعدی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حصّہ دوم

پیر صاحب گولڑہ شریف کی شخصیت

اور

دینی خدمات

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہیں حبیبِ خدا خاتم الانبیاء — سیّد الانبیاء، خاتم الانبیاء
آفتابِ دنیٰ خاتم الانبیاء — مصطفےٰ مجتبیٰ خاتم الانبیاء
اوّلیں، آخریں خاتمِ ہر نبی — مالکِ دوسرا خاتم الانبیاء
سید المرسلیں، رحمتِ عالمیں — نورِ ذاتِ خدا خاتم الانبیاء
آپ شمس الضحیٰ آپ بدر الدجیٰ — آپ خیر الوریٰ خاتم الانبیاء
آپ پر عرشِ اعلیٰ سے دائم درود — بھیجتا ہے خدا خاتم الانبیاء
ہیں تمام انبیاء، اصفیاء اتقیاء — تیرے مدحت سرا خاتم الانبیاء
زاہد و پارسا سب نواؤں کے ہیں — آپ حاجت روا خاتم الانبیاء
ہیں ترے وصف انجیل و تورات میں — مصحفِ حق نما خاتم الانبیاء
جھوٹے دعوے نبوت کے ہونگے بہت — میں ہوں خاتم کہا خاتم الانبیاء
تیرے صدقے میں کون و مکاں ہیں بنے — یا حبیبِ خدا خاتم الانبیاء
شبِ اسریٰ ہیں پیشِ خدائے کریم — سرِ عرشِ عُلیٰ خاتم الانبیاء
ہیں رضا جوئے رب دو جہاں رب مگر — چاہے تیری رضا خاتم الانبیاء
تیرے در کے بھکاری ہیں شاہ و گدا — کیجئے کچھ عطا، خاتم الانبیاء
للہ چشمِ کرم مجھ پہ چشمِ کرم — میرے مشکل کشا خاتم الانبیاء

تابشؔ بے نوا کی ہے یہ التجا
لو مدینہ بلا خاتم الانبیاء
(علیہ التحیۃ والثناء)

۱۸ ر جمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ
جمعرات

تابشؔ قصوری
مریدکے

حِصّہ دوم

آفتابِ گولڑہ کی شخصیت اور دینی خدمات

زمانۂ طفولیّت و کسبِ علم

ولادت

حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرّہٗ یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان اپنی پہلی جنگِ آزادی کے خونیں دَور سے، جسے انگریز مؤرخین نے غدرِ دہلی کا نام دیا ہے، گذر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجۂ استبداد میں آچکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکی تھی۔ اور دینِ اسلام کی ہدایت و علم کے روشن چراغ انقلابِ زمانہ کے ہاتھوں یا تو گُل ہو چکے تھے یا قید و بند کی صعوبتوں میں ایامِ حیات گذار رہے تھے، یا ترکِ وطن کر کے برِصغیر سے ہمیشہ کے لیے رُخصت ہو چکے تھے۔

شجرۂ نسب

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نُور کا　　　تو ہے عینِ نُور، تیرا سب گھرانہ نُور کا

حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد مہر علی شاہ جیلانی۔ رزّاقی، قادری، چشتی (نظامی و صابری)، حنفی قدس سرّہٗ کے نسبِ پاک کا سلسلہ پچیس ۲۵ واسطوں سے حضرت غوث الاعظمؒ اور چھتّیس ۳۶ واسطوں سے حضرت سیّدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس کی تفصیل بحوالہ "مخازن القسب" مصنفہ میر عبدالحق ابن میر سیف الدین قادری و خاندانی شجرہ جاتِ قلمیہ درج ذیل ہے:۔

سیّد مہر علی شاہ (۱) ابنِ سیّد نذر دین شاہ (۲) ابنِ سیّد غلام شاہ (۳) ابنِ سیّد روشن دین شاہ (۴) ابنِ سیّد عبدالرحمٰن (۵) نوری ابنِ سیّد عنایت اللہ (۶) ابنِ سیّد غیاث علی (۷) ابنِ سیّد فتح اللہ (۸) ابنِ سیّد اسد اللہ (۹) ابنِ سیّد فخر الدین (۱۰) ابنِ سیّد احسان (۱۱) ابنِ سیّد درگاہی (۱۲) ابنِ سیّد جمال علی (۱۳) ابنِ سیّد محمد جمال (۱۴) ابنِ سیّد ابی محمد (۱۵) ابنِ سیّد میراں محمد کلاں (۱۶) ابنِ سیّد میراں شاہ قادر قمیص (۱۷) ساڈھوروی ابنِ سیّد ابی الحیات (۱۸) ابنِ سیّد تاج الدین (۱۹) ابنِ سیّد بہاؤ الدین (۲۰) ابنِ سیّد جلال الدین (۲۱) ابنِ سیّد داؤد (۲۲) ابنِ سیّد علی (۲۳) ابنِ سیّد ابی صالح نصر (۲۴) ابنِ سیّد تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق (۲۵) ابنِ سیّدنا غوث الاعظم میراں محی الدین ابی محمد عبدالقادر (۲۶) جیلانی ابنِ سیّد ابو صالح (۲۷) ابنِ سیّد عبداللہ جیلی (۲۸) ابنِ سیّد یحییٰ زاہد (۲۹) ابنِ سیّد شمس الدین زکریا (۳۰) ابنِ سیّد ابوبکر داؤد (۳۱) ابنِ سیّد موسیٰ ثانی (۳۲) ابنِ سیّد عبداللہ صالح (۳۳) ابنِ سیّد موسیٰ الجون (۳۴) ابنِ سیّد عبداللہ محض (۳۵) ابنِ سیّد حسن مثنیٰ (۳۶) ابنِ سیّدنا امام حسن المجتبیٰ (۳۷) ابنِ سیّدنا علی (۳۸) کرم اللہ وجہہ الکریم (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت قبلۂ عالم کی والدہ ماجدہ بھی اسی خاندانِ پاک گیلانیہ رزّاقیہ میں سے تھیں، جن کا شجرۂ شریف مندرجۂ ذیل ہے:۔

حضرت معصومہ (۱) موصوفہ بنتِ پیر سیّد بہادر شاہ (۲) ابنِ سیّد شیر شاہ (۳) ابنِ سیّد چراغ شاہ (۴) ابنِ سیّد امیر شاہ (۵)

ابن سیدعبداللہ شاہ(٦) ابن سید مبارک(٧) شاہ ابن سید حسین(٨) شاہ ابن سید امیر شاہ(٩) ابن سید محمد مقیم(١٠) شاہ ابن سید عبدالمعالی(١١) ابن سید نور شاہ(١٢) ابن حضرت سید بعل(١٣) بہاؤالدین المعروف بہادل شیر قادری سکنہ حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال ابن سید محمود(١٤) ابن سید علاؤالدین(١٥) ابن سید مسیح الدین(١٦) ابن سید صدرالدین(١٧) ابن سید ظہیرالدین(١٨) ابن سید شمس العارفین قادری(١٩) ابن سید مؤمن(٢٠) ابن سید مشتاق(٢١) ابن سید علی(٢٢) ابن سید ابی صالح نصر(٢٣) ابن سید تاج الدین ابوبکر(٢٤) عبدالرزاق ابن سیدنا غوث الاعظم محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی(٢٥) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

آنجناب کا رشتۂ ازدواج بھی اِسی خاندانِ عالیہ میں یعنی آپ کی والدۂ ماجدہ کے عم زاد بھائی سید پیر چراغ علی شاہ کی صاحبزادی سے ہوا۔ یہ خاندان حجرہ شاہ مقیم سے نقلِ مکانی کر کے حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں آباد ہو چکا تھا۔

٣

ابتدائے تعلیم

آپ کو قرآن کریم پڑھنے کے لیے خانقاہ کے درس میں اور اُردو فارسی کے لیے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ عمر اتنی کم تھی کہ خادم اُٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لاتا۔ مدرسہ کے طلباء نے راولپنڈی جا کر امتحان دیا۔ آپ کو جمعہ جو میدار اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے گیا۔ ممتحن انگریز تھا۔ اُس نے سب سے پہلے آپ پر ہی سوال کیا کہ باید کا مصدر کیا ہے آپ نے صحیح جواب دیا۔ ممتحن نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اِس قدر کم سن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُستاد کی تعلیم اچھی ہے اور پوری جماعت لائق ہے۔

قرآن ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا

حافظہ کی یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق آپ زبانی یاد کر کے یعنی حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے جب قرآن مجید ختم کیا تو اس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف ونحو کی تعلیم کے لیے بڑے پیر صاحبؒ نے علاقہ پکھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے آپؒ کو کافیہ تک تعلیم دی۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز اُستاد صاحب نے پُوچھا کہ مطالعہ کر کے آتے ہو یا نہیں؟ مجھے اُس وقت تک لفظ مطالعہ کا صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔ میں سمجھا مطالعہ زبانی یاد کرنے کو کہتے ہیں اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سُنایا تو اُستاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔

٦٥

موضع بھوئی کے درس میں داخلہ

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی غلام محی الدین نے بڑے پیر صاحبؒ اور حضرت اچی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ کو ایسا ذہن رسا اور اعلیٰ دماغ عطا فرمایا ہے کہ ہر سبق حفظ سُنا دینے کے علاوہ بعض اوقات ایسے دقیق سوالات کرتا ہے کہ ان کا جواب دینے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اب اس کی تعلیم کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ اسے کسی بڑے فاضل اُستاد کے پاس ہونا چاہیے۔ ان ہر دو حضرات کا خیال تھا کہ آپ کو صاحبزادگی کے طفیل

سے دُور رہ کر تعلیم پانا چاہیئے —— خود آپ کو بھی باہر جا کر ایک عام طالب علم کی طرح حصُولِ تعلیم کا شوق تھا۔ لہٰذا گولڑہ شریف میں نحو پڑھ کر اُسی کم سِنی کی حالت میں موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال جا کر فاضل اجل جناب مولینا محمد شفیعؒ قریشی کے درس میں داخل ہو گئے۔

بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی میں آپ کا ایک طالب علمانہ مناظرہ بہت مشہور ہے۔ جس کی وجہ سے اس کم عُمری میں بھی آپ کو اُس نواح میں بہت شہرت حاصل ہُوئی۔ بھوئی کے قریبی گاؤں بجاڑ میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس وقت کے دستُور کے مُطابق وُرثائنے اردگرد کے معززین، عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طُلباء کو ختمِ قرآن و ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں مدعو کیا۔ اِس دوران میں بھوئی اور گڑھی افغاناں کے طالب علموں میں کسی علمی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ لوگ حلقہ باندھ کر سوال وجواب سُننے لگ گئے۔ حضرتؒ باہر تھے۔ جب وہاں پہنچے تو بوجہ کم سنی مجمع کے اندر جانے کا راستہ نہ مِلا۔ ایک شخص سے کہا مجھے اُٹھا کر لوگوں کے دائرہ کے اندر پہنچا دو۔ اُس نے کہا وہاں ڈاڑھیوں والے طلباء بحث کر رہے ہیں۔ تم بچے ہو کیا کرو گے۔ آپ نے اصرار کیا

تو اُس نے اُٹھا کر آپ کو مجمع کے اندر حلقۂ مناظرہ میں کھڑا کر دیا۔ اُس وقت گڑھی افغاناں کے درس کے دو فارغ التحصیل طلباء جو ہندوستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے گئے ہُوئے تھے اور اُن دِنوں تعطیلات پر آئے ہُوئے تھے۔ بھوئی کے طُلباء سے سوال وجواب کر رہے تھے اور اپنی فضیلت کے باعث اُن پر چھائے ہُوئے تھے۔ حضرتؒ نے پہنچتے ہی شافیہ کی عبارت —— قال الخلیل الاشیاء افعال وقال الفراء لفعاء —— پڑھی اور سوال کیا کہ حسبِ قاعدہ قال کا مقولہ جملہ ہُوا کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاء میں قال کا مقولہ مفرد ہے۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُن میں سے کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد آپ نے اُن سے منطق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ امام رازی کے مذہب میں مرکب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولات متباینہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ آپ نے کہا سند پیش کرو۔ اُنہوں نے قاضی مبارک کی عبارتیں نوکِ زبان پڑھنا شروع کر دیں۔ جب وُہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اِس سے رفعِ اشکال کیسے ہُوا۔ اِس کا وُہ کوئی جواب نہ دے سکتے۔ اور کوئی دُوسری عبارت پڑھ دیتے۔ آپ پھر وُہی سوال دُہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہُوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ اِس شکست پر گڑھی افغاناں کے لوگوں نے اپنے طالب علموں کو بہت شرمسار کیا جس پر وُہ اِس قدر طیش میں آئے کہ بھوئی میں افواہ پھیل گئی کہ گڑھی افغاناں کے طلباء نے اس بچے کو رات کے وقت اُٹھالے جانے کی سازش کی ہے۔ چنانچہ کئی روز تک بھوئی والے آپ کی حفاظت کے لیے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔

آپ بھوئی کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر گھر پہنچے تو عید الفطر کا موقعہ تھا۔ حضرت اجیؒ صاحب کو سواری کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر شاہسوار ایسے موقعوں پر نیزہ بازی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے بعد جب لوگ

اکٹھے ہونا شروع ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ عید کی خوشیوں کا منظر دیکھنا چاہتے ہو یا دوست سے ملاقات کی تدبیر کا خیال ہے۔ دل نے جواب دیا۔ دوست سے ملنے کی خواہش ہے۔ لہٰذا موضع انگہ علاقہ نوشہرا ضلع شاہ پور کے مشہور و معروف درس میں داخلہ کے خیال سے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں میرا ایک بھوئی کا ہم مکتب فقیر نادر دین پہلے ہی داخل ہو چکا تھا وہ رات میں نے میگی ڈھوک کی مسجد میں بسر کی۔ صبح اُس مسجد کے امام مولوی محمد حسن اپنے صاحبزادے کو مسجد میں شرح جامی پڑھاتے تھے اور مجھے بھی شریکِ سبق ہونے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ میرا ارادہ انگہ جانے کا ہے۔ لہٰذا رخصت ہوا۔ ٦٧

درسِ انگہ میں شمولیت

موضع انگہ علاقہ سون ضلع شاہ پور سرگودھا میں گولڑہ شریف سے تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ وہاں پہنچ کر فقیر نادر دین کے ذریعہ اُستاد صاحب مولوی سلطان محمود سے متعارف ہوئے۔ مولوی سلطان محمود نے پوچھا کہ آپ کیا پڑھیں گے آپ نے فرمایا میں بھی صدرا پڑھوں گا۔ حضرت اُستاد کو تعجب تو ہوا مگر اس سبق کی شرکت کے دوسرے تیسرے روز ہی اُن پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کو پڑھنے کی استعداد آپ میں کہیں زیادہ ہے۔

انگہ میں حضرتؒ کو جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا تھا آپ اُسے نادار طلبا میں تقسیم فرما دیتے اور خود عموماً روزہ یا فاقہ سے رہتے شدید اشتہا کی صورت میں طلبا کے جمع کردہ ٹکڑوں میں سے کچھ تناول فرما لیتے۔ آپ کے اس جود و سخا و ایثار اور ریاضت مجاہدہ کو دیکھ کر وہاں کے لوگ اور طلباء آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرتؒ نے اس کم عمری کی حالت میں ہی ریاضات و مجاہدات کو اپنا معمول بنا لیا تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔ ٦٨

حضرتؒ کو تعلیم و تعلم میں اس قدر انہماک تھا کہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے درجہ کے طلباء کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ موسمِ سرما کی طویل راتیں عشا کی نماز کے بعد مطالعہ میں ہی گذرتیں حتیٰ کہ اُسی حالت میں صبح کی اذان ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلبا کی اتنی کثرت ہو گئی کہ آپ نے انگہ کا قیام ترک کر کے شکر کوٹ میں رہائش اختیار فرما لی۔ دن کے وقت انگہ میں اپنی تعلیم حاصل کرتے اور شام کو شکر کوٹ جا کر طلبا کو درس دیتے۔

اُستادِ محترم کی معیّت میں سیال شریف کی حاضری

حضرتؒ کے اُستاد مولینا سلطان محمود انگوی کی بیعت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی، نظامی، فخری، سلیمانی قدس سرہ سے تھی۔ وہ سال میں کئی بار سیال شریف ضلع سرگودھا اپنے پیر و مرشد کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ سیال شریف انگہ سے بائیس کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے شرقی کنارے پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقامات پر قیام کرتے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ ہمیشہ اُستاد صاحب کے ساتھ جاتے تھے اور حضرت اعلیٰ سیالوی بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر حضرتؒ نے سلسلۂ چشتیہ میں ان ہی سے بیعت کی

تقریباً اڑھائی سال انگہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف منطق معقول، ریاضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیر میں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئی تھیں۔ ان کتب کی تعلیم کے لیے اُن دنوں عام طور پر طلباء ہندوستان کے مدارس کا رُخ کرتے تھے۔ آپ نے آئندہ تعلیم کے

بہ ملک ایراں مرا شُد مقام ... بہ ہندوستاں داد خواہم لگام

چنانچہ غالباً ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی فقط پندرہ سال کی عمر میں آپ ہندوستان روانہ ہو گئے۔

مولینا احمد حسن محدّث کانپوری سے مُلاقات

سب سے پہلے آپ کانپور میں مولینا احمد حسن محدّث کے پاس پہنچے وہ سفرِ حج کے لیے تیار بیٹھے تھے، فرمایا: میاں صاحبزادے میں آج سے آٹھویں روز حج پر روانہ ہو رہا ہوں، اس عرصہ میں دو چار سبق اگر پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہو گا۔ چنانچہ آپ وہاں سے لوٹ کر علی گڑھ مولینا موصوف کے اُستاد حضرت مولینا لطف اللہ کے درس میں داخل ہو گئے۔

کافی عرصہ بعد جب قبلۂ عالمؒ کے علمی و رُوحانی کمالات کی شہرت ہوئی تو مولینا احمد حسنؒ بہت متاسف ہوئے کہ کاش آپ کو ایک آدھ سبق ہی پڑھا دیا ہوتا۔ آپ کی تصانیف ملاحظہ کر کے، بالخصوص قادیانی معرکہ کے بعد جب حضرتؒ کے علم و کمال کا چار دانگ شُہرہ ہوا تو مولینا نے اس حسرت کی تلافی اس طرح کی کہ پیرانہ سالی میں محض آپ کی زیارت کے لیے پاک پتن شریف کا سفر اختیار کیا۔

مولینا ہر روز صبح آپ کے پاس آتے اور مُودبانہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے۔ حضرتؒ فوراً اُٹھ کر اُنہیں اندر لے آتے اور اپنے برابر مصلّی پر بٹھلانا چاہتے۔ مگر مولینا بہ پاسِ اَدب معذرت کرتے تو آپ خود بھی مصلّی ہٹا کر اُن کے برابر بیٹھ جاتے۔ دیر تک علمی اور رُوحانی گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ ایک روز مولینا نے کہا: قبلہ، میری تعشق کی عادت نہیں، جہاں دِل مانتا ہے، وہیں سر جھکاتا ہوں، میں تو آپ کی دید کو عبادت سمجھ کر حاضر ہوا ہوں۔ مجھے حسرت ہے کہ کاش میں آپ کو ایک سبق ہی پڑھا دیتا۔ اس لیے نہیں کہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتا بلکہ اس لیے کہ آپ کی دُعاؤں میں شمولیت سے مشرف ہو جاتا۔ لیکن افسوس مجھے کیا خبر تھی کہ آپ ایک روز کیا ہونے والے ہیں۔"

حضرت بابوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نُورانی اور جاذب نظر شکل و شباہت کا نہیں دیکھا جیسے حضرتِ مولینا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجہ کی نفاست پسندی گفتگو کے وقت گویا مُنہ سے پھُول جھڑتے تھے۔ اس شانِ علم پر اخلاص و انکسار بحد۔ آپ کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے جناب بابوجی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولینا نے مکہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا۔ اور ہر روز اپنی ریش مُبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ سُبحان اللہ: اپنے وقت کے اُستاذ الکل کی اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت، نیاز اور عقیدت، آج کل کے عُلماء و زُعماء کے لیے مقامِ عبرت و نصیحت ہے۔

کیمیا پیدا کُن از مُشتِ گِلے ... بوسہ زن بر آستانِ کاملے ... اقبالؔ

ہندوستان کے دینی عُلوم کے مراکز

حضرت قبلۂ عالمؒ، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ اُن دنوں وہاں لکھنؤ، دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارن پُور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔

لکھنؤ میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجعِ خلائق تھے جن کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیرِ سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا۔ ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرسِ اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے۔ مولوی مملوک علی موصوف، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے استاد تھے۔ رامپور میں مولانا فضل حق خیرآبادی کے فرزند مولانا عبدالحق "مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ، کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابلِ دید ہیں۔

کانپور میں مولانا احمد حسنؒ مسند آرائے تدریس تھے جو کہ استاذ الکل مولانا لطف اللہ علیگڈھی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ معقول کی مشہور کتاب "حمد اللہ" اور مثنوی مولانا رومؒ کے حواشی سے آپ کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مریدِ خاص تھے۔ اور اگرچہ علمائے دیوبند کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور اس لحاظ سے مولانا احمد حسنؒ کے پیر بھائی تھے لیکن بعض مسائل میں مولانا کو ان سے اختلاف رہا جس پر حاجی صاحبؒ نے مکہ شریف سے ایک رسالہ "ہفت مسئلہ" بطور محاکمہ تحریر فرما کر بھیجا جو مسائلِ اختلافیہ میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور علمائے کرام کے لیے حجت ہے۔ مسئلہ امکانِ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا احمد حسنؒ نے رسائل لکھے ہیں، جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی پُرزور تردید کی ہے۔ علمائے خیرآبادیہ و اسمٰعیلیہ کے اس اختلاف پر حضرت قبلہ عالمؒ کا تبصرہ بابِ تصنیفات میں آئے گا۔

استاذ الکل مولانا لطف اللہ علیگڈھی المتوفی ۱۳۳۴ھ

علی گڈھ میں مولانا لطف اللہؒ کی ذاتِ گرامی شہرۂ آفاق تھی۔ آپ مفتی عنایت احمدؒ کے شاگردِ رشید تھے جو مولانا بزرگ علی علیگڈھی متوفی ۱۲۶۲ھ اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے مشہور شاگرد تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاقؒ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین تھے۔ مفتی صاحب کافی عرصہ علی گڈھ میں اپنے استاد مولانا بزرگ علیؒ کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ اور اُسی زمانہ میں مولانا لطف اللہؒ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ مفتی صاحبؒ بعد میں حکومت کی طرف سے بعہدہ منصف مقرر ہو گئے تھے۔ اور آپ نے مولانا لطف اللہؒ کو اپنا سر رشتہ دار مقرر فرمایا۔ اس دوران میں تحریکِ آزادیِ ہند شروع ہوئی۔ اور مفتی صاحب نے انگریز حکومت کے خلاف خان بہادر خان روہیلکھنڈی کا ساتھ دے کر جہاد میں حصہ لیا اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں غدر کے دیگر مجاہدین کے ساتھ آپ کو بھی بطور سزا جزائر انڈمیان میں عمر قید کے لیے ملک بدر کر دیا۔ جہاں آپ نے بغیر مطالعہ و حوالہ جات کتب محض یادداشت سے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو بہ تفصیلِ ذیل ہیں:-

(۱) علم الصیغہ۔ (۲) وظیفۂ کریمہ۔ (۳) خجستہ بہار۔ (۴) احادیث الحبیب المتبرکہ۔ (۵) ترجمہ تقویم البلدان، اور (۶) تواریخ حبیب اللہ۔ جن میں سے "ترجمہ تقویم البلدان" ایک انگریز افسر کو بہت پسند آیا اور یہی بات بظاہر آپ کی رہائی کا سبب ہوئی۔ آپ کی ہندوستان میں مراجعت پر آپ کے شاگرد مولانا لطف اللہؒ نے یہ تاریخی رباعی لکھ کر پیشِ خدمت کی۔

چوں بفضلِ خالقِ ارض و سما | اوستادم شد ز قیدِ غم رہا
بہرِ تاریخِ خلاصِ آں جناب | بر نوشتم اِنَّ اُستاذِی نجا

۱۲۷۷ھ

ہندوستان آکر آپ نے کانپور میں مدرسہ "فیضِ عام" قائم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ جدہ کے قریب جہاز ایک پہاڑی سے ٹکرا کر غرق ہو گیا جس میں یہ علم کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ آپ ایک اعلیٰ پیمانہ کے مصنف و مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مدبر اور مجاہد بھی تھے۔ حج پر روانہ ہونے کے وقت اپنے شاگرد مولانا لطف اللہ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے۔ جنہوں نے ابتداءً کانپور اور پھر علی گڈھ میں علومِ دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے اُن کا "اُستاذ العلماء" کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اُس دور کے نامور علمائے دین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جس نے اُستاذ العلماء کے گلشنِ علم سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اُس وقت مولینا کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار ہوتی تھی۔ مولوی عبدالحقؒ دہلوی مصنف تفسیر حقانی، مولینا عبدالغنی کانپوری، مولینا شاہ محمد علی رحمانی مونگھیری، مولینا احمد حسنؒ کانپوری اور حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیسی برگزیدہ ہستیاں آپ کے شاگردان میں سے ہیں۔ "حیاتِ شیخ الہند" مصنفہ سید اصغر حسین شاہ دیوبندی میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقعہ پر علمائے دیوبند کے مشہور پیشوا مولینا محمود الحسن دیوبندی تقریر کر رہے تھے کہ مولینا لطف اللہؒ علیگڈھی جلسہ میں تشریف لائے۔ مولینا محمود الحسن نے آپ کو دیکھتے ہی بمنشاء ادب و احترام تقریر ختم کر دی اسی طرح علمائے بریلوی کے مشہور پیشوا مولینا احمد رضا خاںؒ صاحب بھی آپ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ مولینا سید محمود شاہ حال راولپنڈی جو مدت تک مولینا لطف اللہؒ کے مدرسۂ علیگڈھ میں مدرس رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی فتوی کے سلسلہ میں مولینا احمد رضا خاںؒ اور مولانا لطف اللہؒ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی مگر بعد میں صلح و صفائی ہو گئی اور دوستانہ مراسم قائم رہے۔ مولینا لطف اللہؒ کے اکثر فارغ التحصیل شاگرد مولینا احمد رضا خاںؒ کے کہنے پر اُن کے مدرسہ میں بطور مدرس بھی ملازم ہوتے رہے جیسا کہ "حیاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی" میں تحریر ہے۔

بہرحال ہندوستان کے مدارس علمیہ میں سے علیگڈھ کا انتخاب حضرت قبلۂ عالم کے مسلکِ اعتدال کا مظہر ہے۔ حضرت مولینا لطف اللہؒ علمائے ربانیین کا نمونہ اور زہد و تقویٰ اور خدا پرستی کا مجسمہ تھے۔ طبیعت بے حد مرنجاں مرنج پائی تھی۔ علمائے ہم عصر کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود اُن کے خلاف تعصب اور تشدد کا کبھی اظہار نہ فرمایا۔ آپ کی مقبولیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی ہر طبقہ کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد احترام تھا۔ آپ کی سادگی اور پرہیزگاری کا ایک واقعہ حضرت قبلہ بابوجی مدظلہ العالی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر کسی شادی کی تقریب میں آپ مستورات کے ہمراہ بہلی میں سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے کہ راستہ میں راہزنوں نے گھیر لیا۔ آپ نے پوچھا بھئی جان چاہیئے یا مال؟ انہوں نے جواب دیا۔ مال۔ آپ نے کہا اچھا مستورات کے پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے الگ ہٹ جاؤ تو میں خود ہی سب زیورات اُتروا کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ڈاکو سب کچھ لے کر چل دیے تو ایک بچی نے ماں سے کہا اماں، دیکھو میں نے یہ زیور بچا لیا ہے۔ جونہی مولینا کے کان میں یہ آواز پہنچی۔ فرمایا، افسوس تم نے مجھے اپنے وعدہ میں جھوٹا بنا دیا۔ اور اُسی وقت وہ زیور لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے اور پکارتے جاتے تھے کہ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ وہ ڈرے کہ شاید انہیں کوئی مدد پہنچ گئی ہے اس لیے اور تیز تیز چلنے لگے لیکن مولینا کو کیا دیکھ کر بالآخر ٹھہر گئے۔ مولینا نے پہنچ کر ہانپتے ہوئے لڑکی کا زیور

پیش کر کے معذرت کی کہ بھی میری لاعلمی میں یہ زیور رہ گیا تھا۔ اور اس طرح وعدہ خلافی ہو گئی ہے۔ ڈاکوؤں پر اس سادگی اور راست بازی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ تمام لوٹا ہوا مال اُن کو واپس کر دیا۔

اِن ہی پاک منش بزرگانِ دین کے انفاسِ قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جب کہ حکومتِ برطانیہ اور اس کے ہوا خواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے، مدارسِ اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علومِ دین کے سرچشمے جاری رہے۔ حضرت مولینا اور آپ کے اساتذہ کرام کے حالات پر کتاب اُستاذ العلما مؤلفہ نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی اور تذکرہ مشاہیر کاکوری مؤلفہ مولوی محمد علی حیدر قابل دید ہیں۔

علی گڈھ کے درس میں تحصیلِ علم

علی گڈھ میں حضرتؒ نے قریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت و بلند اخلاقی اور مثالی کردار کے باعث مولینا لطف اللہ اور دیگر اساتذہ کرام و ہم مکتبوں میں جو مقبولیت و توقیر آپ کو حاصل ہوئی ۷۵

مولینا عبداللہ ٹونکی سے ایک طالبِ علمانہ بحث

مولانا شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کے قیام علیگڈھ میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو میں نے خود آپ کی زبانی سُنا۔ حافظ عبدالقدوسؒ سکنہ محمد ضلع کیمبل پور، صرف و نحو کے بڑے ماہر تھے اور تمام درسی کتابیں اُن کو یاد تھیں ابتدائی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولینا لطف اللہ علیگڈھی سے کی تھی۔ وہ سال دو سال کے بعد ہمیشہ حضرت مولینا کی زیارت کو علی گڈھ آتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی موجودگی میں مولینا عبداللہ ٹونکی بھی جو مولینا کے شاگرد تھے اور مدرسہ فتحپوری دہلی کے اوّل مدرس تھے، حضرت مولینا کی زیارت کو آئے۔ مولینا عبداللہ کے حافظ عبدالقدوس سے بھی تعلقات تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت قبلۂ عالمؒ سے کہا یرحمی، یہ مولوی عبداللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ ان سے کچھ علمی گفتگو ہو جائے تو خوب رہے گی۔ چنانچہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولینا لطف اللہؒ سے جماعت کو سبق پڑھانے کے دوران جب کہ مولینا ٹونکی بھی حاضر تھے کسی لڑکے نے کوئی سوال پوچھا۔ مولینا عبداللہ نے اپنے اُستادِ محترم کی اجازت کے بغیر پیش دستی کر کے اُسے جواب دیا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کو اُستادِ عالی پر اُن کی یہ سبقت ناگوار گذری۔ آپ نے اُستادِ محترم کی طرف دیکھا اور اُن کے چہرے سے اشارہ پاکر، علمِ نحو کی زیرِ سبق کتاب "کافیہ" کی ابتدائی عبارت اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مُفْرَدٍ کے متعلق مولینا عبداللہ ٹونکی سے سوال کیا کہ مُفرد کو مجرور پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبداللہ صاحب نے جواب دیا جائز ہے۔ حضرتؒ نے اعتراض کیا کہ جس وقت کسی فعل کا تعلق کسی اِسم موصوف سے ہو تو اِتصاف حالتِ تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں لِمَعْنًی کا تعلق وُضِعَ سے ہے اور بتقدیر جر معنی موصوف ہو گا۔ پس لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالتِ وَضع ہو حالانکہ وَضع اِفراد و ترکیب کا سبب ہے اور مسبب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

مولینا عبداللہ نے فرمایا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے، آپ کو کہنا چاہیئے تھا کہ اِتصاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالتِ تعلق میں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جاءَنِی الرجل الراکب میں رکوب مجی سے پہلے نہیں ہو گا بلکہ مجی اور رکوب کی مقارنت ہے۔ مولینا عبداللہ نے کہا کہ شرح جامی میں تو قبل الوضع کا لفظ موجود ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مولوی عبدالحکیم

سیالکوٹی نے حاشیہ عبدالغفور میں لکھا ہے کہ قبل الوضع کا لفظ سہو من الناسخ ہے اور صحیح نسخہ میں مع الوضع ہے۔
یہاں مولوی عبداللہ صاحب خاموش ہوگئے۔ یہ دیکھ کر جناب مولینا لطف اللہؒ نے کتاب بند کرکے سبق ختم کر دیا اور حضرتؒ کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ حافظ عبدالقدوس نے اپنی خوشی کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا جس کا علم ہونے پر مولوی عبداللہ صاحب بہت طیش میں آئے اور اگلے روز مدرسہ میں آکر حضرتؒ کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ مگر حافظ عبدالقدوس کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہی مولینا عبداللہ ٹونکی حضرتؒ کی تصانیف پڑھ کر عش عش کرتے تھے۔ اور جب لاہور میں قادیانی معرکہ کے وقت حضرتؒ نے علمائے اہل سنت و اہل حدیث کے سامنے قادیانی مسلک کی جانب سے اُن پر امتحاناً سوالات کرکے اُن کے جوابات بھی دیئے تو مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولینا عبداللہ ٹونکی نے بیک زبان دیگر علماء کے ہمراہ اعلان کیا کہ قادیانی مذہب کا آپ کے دلائل و جوابات سے بہتر جواب ممکن ہی نہیں۔ جناب بابوجی قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبداللہ ٹونکی نے انگریز حکومت میں بنکوں کے سُود کے بعض حالات میں جائز ہونے پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جسے لاہور کے سفر کے دوران حضرت قبلۂ عالمؒ کی خدمت میں پیش کرکے رائے تحریر فرمانے کی عرض کی تھی۔ حضرتؒ نے اُنہیں تخلیہ میں سمجھایا کہ میری رائے اِس مؤقف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی رائے تبدیل کرکے رسالہ واپس لے لیا اور آئندہ حضرتؒ کے مؤقف کے مطابق رہے۔

مدرسہ علی گڈھ میں حضرتؒ کا بہت شہرہ ہوگیا تھا۔ اُستاد صاحبان اور طلبا سب ہی آپ کی ذہانت اور نکتہ رسی کے قائل اور معترف تھے۔ طلباء کا رجوع آپ کی طرف اِس قدر ہوا کہ یہاں بھی آپ کو اپنا ایک علیحدہ درس قائم کرنا پڑا۔

مولینا لطف اللہؒ کی طرف سے عطیۂ سندات

حضرت قبلۂ عالمؒ کے اِس سفر کی اہم یادگار جب مولینا لطف اللہ صاحبؒ نے حضرت قبلۂ عالمؒ کو قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ اور بعض خصوصی احادیث کی سندات عطا فرمائیں جو اِس وقت تک تبرکات عالیہ میں محفوظ ہیں

شمولیت درسِ حدیث بمقام سہارن پور

سہارن پور میں شیخ الحدیث مولینا احمد علی فن حدیث کے امام تصور کیے جاتے تھے۔ بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی علمیت و قابلیت کا بین ثبوت ہیں۔ آپ مولینا عبدالحی (بحرالعلوم) لکھنوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶۱ھ میں مکہ شریف جاکر خاندان ولی اللّٰہی کے مشہور چشم و چراغ شاہ محمد اسحاق سے دوبارہ درسِ حدیث لے کر سند حاصل کی۔ کتاب انوار الاولیاء میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حالات میں تحریر ہے کہ جب مولینا احمد علی مکہ شریف میں حاجی صاحبؒ سے ملے تو اُنہوں نے کہا کہ مولینا چونکہ میں نے آپ سے گلستان کے اسباق پڑھے ہیں اس لئے آپ میرے اُستاد ہیں۔ اگر محسوس نہ فرمائیں تو مشورۃً عرض کرتا ہوں کہ دُوسروں کے مدارس میں ملازمت کرنے کی بجائے اپنا درس حدیث شروع کیجئے تو زیادہ مفید رہے گا۔ اس لئے واپس آکر مولینا نے سہارن پور میں حدیث شریف کی تعلیم و تدریس کا اپنے یہاں

الگ اہتمام فرمایا اور صدہا علماء کو محدث بنا دیا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سندِ حدیث آپ تک پہنچتی ہے فنِ حدیث میں جہاں آپ دیوبندی علماء کے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب کے اُستاد ہیں وہاں خاندانِ غوثیہ کے چشم و چراغ حضرت قبلۂ عالم گولڑوی اور مولینا سید محمد علی شاہ مونگھیری جیسی آفتابِ معرفت ہستیاں بھی آپ سے مستفیض ہیں۔ حضرت مولینا احمد علی خود حنفی مسلک کے تھے مگر حلقۂ درس وسیع ہونے کے باعث ہر مکتبِ فکر کے طلباء اُس میں شامل ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ جب مولینا احمد علیؒ سہارن پوری کی خدمت میں پہنچے تو اُنہوں نے آپ کو اپنے درس میں داخل کرنے سے عُذر کیا اور کہا کہ کتبِ حدیث کے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے آپ کسی دُوسری جگہ جا کر حدیث پڑھیں۔ حضرتؒ حیران ہُوئے اور دیگر طلباء بھی متعجب ہُوئے۔ کیونکہ اس قسم کا جواب مولینا کی عادت و معمول کے قطعاً خلاف تھا۔ تجسس پر معلوم ہُوا کہ حضرتؒ کے سہارنپور پہنچنے سے قبل علیگڈھ والے پٹھان طالب علم محمود نے انتقام لینے کی خاطر ایک خط مولینا کو لکھ دیا تھا کہ اس نام اور اس حُلیہ کا ایک طالبِ علم آپ کے پاس حدیث پڑھنے آ رہا ہے۔ اسے حصولِ علم کا شوق کم اور طلباء و اُستاد کو تنگ کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا اشتیاق زیادہ ہے۔ لہٰذا اُس کا آپ کے درس میں داخلہ شر و فساد کا باعث ہو گا۔ اس اطلاع سے متاثر ہو کر مولینا نے حضرتؒ کو اجازتِ شمولیتِ درس دینے سے اجتناب کیا۔ حضرتؒ نے اس کی تردید کا تو کوئی اقدام نہ کیا البتہ مؤدبانہ اصرار سے مولینا سے سبق میں شامل ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ لیکن مولینا آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے کہ خُود ہی بد دل ہو کر چلا جائے گا۔ آپ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور آہستہ آہستہ سبق دوہرانے کے اوقات میں آپ کے اخلاقِ عالیہ اور ذہانت کا علم تمام طلباء کو ہو گیا جنہوں نے یہ کوائف حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کر کے کہا کہ ایسے شخص کے خلاف ایسی شکایت سراسر غلط اور بے بُنیاد ہے۔ چنانچہ ایک روز آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت بھی آ گئی تو مولینا آپ کی قابلیت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ شکایت واقعی بے جا تھی۔ اس کے بعد وُہ حضرتؒ کے حال پر بے حد توجہ فرماتے رہے اور اسباق میں آپ کے ساتھ امتیازی سلوک فرماتے تھے۔ جو نکتہ حضرتؒ دریافت فرماتے اُس کا بہت زیادہ خیال فرماتے۔ حتیٰ کہ بتدریج مولینا کو حضرتؒ سے بےحد محبت و شفقت پیدا ہو گئی۔

حدیث قُومُوا اِلٰی سَیِّدِکُم پر بحث

حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولینا احمد علیؒ کے درس میں ہم دو طالب علم، مولینا وصی احمدؒ پیلی بھیتی اور میں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر مقلد تھے۔ درس کے دوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔ غیر مقلد میری موجودگی کو اپنی شکست سمجھتے تھے۔ ایک روز حدیث قُومُوا اِلٰی سَیِّدِکُم پر بحث چلی کہ قیام حضرت سعدؓ کی تعظیم کے لئے تھا یا اُن کے زخمی ہونے کی وجہ سے امداد اور اعانت کی غرض سے تھا۔ بخاری شریف کی حدیث

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نزل اھل قریظة علی حکم سعد ابن معاذ فارسل النبی صلی اللہ علیه وسلم الی سعد فاتی علی حمار فلما دنی من المسجد قال للانصار قوموا الی سیدکم۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ سعد بن معاذ کے حکم پر اُتر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بُلوایا۔ وُہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرتؐ نے انصار سے فرمایا۔ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت اُستاد نے قیام مامور بہ کو برائے تعظیم قرار دیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ حضرت سعدؓ زخمی تھے اور قیام کا امر اُنہیں سواری سے اُتار کر لانے کے لئے تھا۔ اُستاد صاحب نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کی کہ قُوْمُوْا جمع ہے اور زخمی ہونے کی وجہ سے امداد کی حاجت ایک شخص کے قیام سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق منہ علتِ حکم ہوتا ہے۔ جیسے الکاتبُ متحرک الاصابع میں تحریک اصابع کی علت کاتب کا مبداء اشتقاق کتابت ہو گی۔ کتبِ علمِ بلاغت و اصول میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اس کی مثال اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا اور اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ میں قطع اور جلد کی علت سرقہ اور زنا ہے، لہٰذا قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ میں قُوْمُوْا یعنی کھڑے ہونے کی علتِ سید کا مبداءِ اشتقاق سیادت یعنی سرداری قرار پائے گی پس ثابت ہوا کہ کھڑے ہونے کا حکم بغرضِ تعظیم تھا۔

غرض اس قسم کے کئی واقعات ہوئے جس پر غیر مقلد طلبا سخت پریشان ہوئے۔ آخر آپ نے اُن سے عہد لیا کہ آئندہ ائمۂ مجتہدین خصوصاً امام ابو حنیفہؓ اور حضرت غوث الاعظمؓ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیری کی شان میں قطعاً کوئی نازیبا لفظ مُنہ سے نہیں نکالیں گے۔

آمین بالجہر پر مناظرہ

غیر مقلدین کے ایک بڑے مولوی سہارن پور آئے جن کے ساتھ حضرتؒ کا بلند آواز سے آمین کہنے کے متعلق مکالمہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ بلند آواز سے آمین کہنے کے حق میں سب سے قوی دلیل کیا ہے۔ تو انہوں نے ترمذی کی حدیث جَهَرَ بِهَا صَوْتَهٗ کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شعبہ کی روایت خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ بھی ترمذی میں موجود ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس کی امام ترمذی نے تضعیف کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس تضعیف کی امام ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں تردید کی ہے۔ نیز یہ روایت دوام یا اکثریت پر دلالت نہیں کرتی جس سے اس کا سُنّت ہونا ثابت ہو۔ یہ تو محض ایک واقعہ ہے جس سے زیادہ سے زیادہ جواز نکلتا ہے جو متنازع فیہ نہیں۔ آیہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ (اپنے رب کو عاجزی اور چُپکے سے پکارو) بھی آہستہ پڑھنے کی متقاضی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

۸۳

تحصیلِ علوم کے بعد مراجعتِ وطن

حضرتؒ کے اس قسم کے حالات سے آگاہ ہو کر مولانا احمد علیؒ نے محسوس کیا کہ یہ طالب علم ایک متقیانہ بصیرت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ الٰہی کے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے علومِ ظاہری و باطنی رسمیہ و وہبیہ کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت بھی لینے والے ہیں۔ اس لئے اسے زیادہ دیر تک روکنا دین کی خدمت کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک روز اچانک اپنے دولت کدہ پر حضرتؒ کی دعوت کی، اور پھر سندِ حدیث سپرد کر کے فرمایا کہ آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وطن تشریف لے جایئے اور دین کی خدمت کیجیے۔

حضرتؒ نے بخاری شریف اور مسلم شریف کی تعلیم لی تھی اس لئے سند بھی ان ہی مضامین کے متعلق تھی اس پر سال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس برس کی عمر میں علوم رسمیہ کی تکمیل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی

تھی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۹۷ھ میں حضرت مولینا احمد علیؒ کا انتقال ہو گیا۔ گویا حضرتؒ اُن کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ نے مولینا لطف اللہؒ سے بھی اُن کے آخری دور میں تکمیل علوم کی تھی۔ اور شیخِ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بھی خلافت اُن کے آخری دور میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس عالم اسباب و تحصیل میں صاحبِ فن اپنے آخری دور میں ترقی و کمال کے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ اور طویل تجربہ و مشاہدہ کے باعث اپنے فن کی تعلیم و تدریس کے لئے موزوں و مناسب ترین حالت میں ہوتا ہے۔ ۹۴

آپ نے ۱۲۸۱ھ تا ۱۲۹۵ھ یعنی قریباً ۱۴ سال حصولِ تعلیم میں صرف کیے۔

زمانۂ درس و تدریس

تدریس و تعلیم میں خصوصی شان

حضرت قبلۂ عالمؒ حصولِ تعلیم کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی بمصداق فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) ہمہ تن تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علومِ دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں مولوی دوست محمد سکنہ بھوپڑ تحصیل چکوال، سید ممتاز علی شاہ سکنہ ریاست پونچھ، مولوی فقیر محمد سکنہ راجڑ تحصیل فتح جنگ اور مولوی حضرت پیر سکنہ کھنگر، ضلع ہزارہ آپ سے اعلیٰ درجات کی انتہائی کتب خود پڑھتے تھے اور ابتدائی و چھوٹی جماعتوں کی کتابیں مبتدی طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ درس حضرتؒ کی آبائی مسجد واقع قصبہ گولڑہ میں شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ میں وہ تمام اوصاف جمع فرما دیئے تھے جو ایک اعلیٰ ترین معلم میں ہونے چاہئیں گفتگو کی سلاست و جامعیت کے ساتھ ساتھ افہام و تفہیم کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ کم سے کم استعداد کا طالب علم بھی مطلب بخوبی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے اکثر ہم عصر علمائے کرام کو جب کبھی آپ کو درس دیتے سننے کا اتفاق ہوا تو حیران ہو کر بیساختہ داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ نالائق سے نالائق اور بے ذوق سے بے ذوق طالب علم پر بھی اگر نگہِ شفقت اور نظرِ توجہ فرماتے تو وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ مولینا احمد دین سکنہ بھوئی جو علاقہ چھچھ ہزارہ کے مشہور علماء اور مدرسین میں سے تھے بچپن میں آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور اُن کے والد بزرگوار نے انہیں نہایت کمزور ذہن خیال کرتے ہوئے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں یہ عالم بن جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ذہین فرزندوں کو تو خود منتخب کر لیا اور اسے میرے پاس لائے ہو۔ اچھا، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ خدا کی شان دیکھیئے کہ وہی بچہ آپ کی نظرِ کیمیا سے ایک متبحر عالم ہوا۔

اسی طرح مولوی محرم علی چشتی لاہوری کے فرزند مولوی قائم علی چشتی کا واقعہ ہے۔ ان کو بھی ان کے والد بزرگوار نے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یہ نہایت کند ذہن بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فاضل ہے چنانچہ آپ کی نظرِ فیض اثر سے یہی اُس کا نام پڑ گیا اور وہ فارغ التحصیل ہو کر "فاضل لاہوری" کے نام سے مشہور ہوا۔

اگرچہ حضرت قبلۂ عالم سے فیضیاب ہونے والے علماء کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے ابتدائی دور میں علومِ ظاہرہ کی تدریس میں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور اگرچہ حجازِ مقدس سے واپسی پر علومِ رسمیہ کی تدریس بہت حد تک مولٰینا محمد غازیؒ نے سنبھال لی تھی مگر پھر بھی کتبِ تصوف کے ساتھ ساتھ علومِ رسمیہ کی تعلیم میں بھی آپ برابر ہاتھ بٹاتے رہے۔ حتّٰی کہ زمانۂ استغراق تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ اب بھی جاری و ساری ہے۔

جیسا کہ آپ نے پڑھا۔ آپ سرکار کو اپنے پیرو مرشد حضرت شمس العارفین سیالوی قدس سرہٗ سے والہانہ محبت تھی۔ آپ سیال شریف اکثر حاضری دیتے اور حضرت اعلٰی سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی آپ پر خاص عنایت تھی۔ ۱۳۰۰ھ میں خواجہ صاحب کا وصال ہو گیا تو آپ کو سخت صدمہ گزرا۔ آپ نے علوم رسمیہ کی تعلیم و تدریس کو خیرباد کہہ کر جہاں نگردی اور صحرانوردی اختیار فرمائی۔ یہ سلسلہ ۱۳۰۷ھ تک رہا۔ سب سے پہلے آپ لاہور تشریف لائے اور داتا صاحب نور اللہ مرقدہ کے مزار پر حاضری دی اور پھر راوی کے کنارے جنگل میں جا ٹھہرے۔ دن بھر روزہ اور رات بھر قیام ہوتا۔ تمام وقت پاس انفاس، ذکر جہر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ اس کے بعد شاہی مسجد کے حجروں میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ مگر جب پروانوں نے وہاں چین نہ لینے دیا تو آپ تن تنہا مالیر کوٹلہ کے سفر پر نکل گئے۔ حضرت کا ایک دیوانہ قاضی میر عالم وہاں بھی پہنچ گیا اور آپ گھر تشریف لے آئے۔ چند روز بعد آپ ملتان روانہ ہو گئے۔ جب وہاں شہرت ہوئی تو آپ ڈیرہ غازیخاں اور مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ اور آخر میں اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ پھر اشارہ غیبی کے ذریعہ گھر تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ حسن ابدال میں چلہ کش ہو گئے۔ ۱۳۰۷ھ میں آپ اچانک حجازِ مقدس روانہ ہو گئے۔ جو آپ آگے پڑھیں گے۔ پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کے آبائے کرام کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے، ملاحظہ ہو:۔

آبائے کرامؓ

مولائے کائنات جناب علیؓ

اس خاندانِ ذی شان کے اسلافِ کرامؒ نے ہر دور میں باطل کے خلاف نبرد آزما رہ کر اسلام کی سربلندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمات کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہم رکاب تقریباً تمام غزوات میں شریک رہ کر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخِ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ سنہری حروف میں لکھے جاتے رہیں گے۔ صرف غزوہ تبوک میں آں حضرتؐ

نے آپؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تو آپؓ مغموم ہوئے۔ اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی (کیا تمؓ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو حضرت ہارونؑ کو حضرتِ موسٰیؑ کے ساتھ تھی؟)

جنگِ بدر میں کفار کے ستّر مقتولین میں سے اکیس[21] صرف آپؓ کی تلوار کا شکار ہوئے۔ اُس وقت آپؓ کی عمر شریف صرف سترہ[17] برس کی تھی۔ جنگِ اُحد کے بائیس[22] مقتولوں میں سے سات[7] آپؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جنگِ احزاب میں، جب عمرو ابنِ عبدِ وُد، جو عرب میں ایک ہزار پہلوانوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا، آپؓ کے ہاتھ سے کیفرِ کردار کو پہنچا تو آں حضرتؐ نے فرمایا: علیؓ کی یہ ضرب اُس کے تمام دُوسرے اَعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اُس زمانے کے دستور کے خلاف آپؓ مقتول کے اسلحہ و پارچات پر تصرّف نہیں فرماتے تھے۔ اس پر عمرو کی بہن نے ایک مرثیہ میں کہا کہ بھائی! مَیں تیری لاش پر ابرِ بہار کی طرح روتی، مگر یہ دیکھ کر میرے آنسو خشک ہو گئے کہ تُو ایک مردِ شجاع کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی اس شیرِ خُدا کے مُقابل ہوا، قتل ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

زعزرائیلؑ و ضربِ ذُوالفقارش نہ شُد فصلے بروزِ کارزارش

صرف دو مقابل بچ نکلے تھے۔ ایک اپنی پُشت برہنہ کر کے بھاگا تھا اور آپؓ نے مُسکرا کر مُنہ پھیر لیا اور دُوسرے نے آپؓ کے چہرۂ مُبارک پر تھوک دیا، جس سے آپؓ نے تلوار نیام میں کر لی کہ مبادا عمل فی سبیل اللہ میں اس ذاتی رنج و غصہ کی وجہ سے فصل آ جائے۔

جہاد بالسیف کے علاوہ اشاعتِ علومِ نبویہ، تبلیغِ دین اور ہدایتِ خلق کے معاملہ میں مساعی کا جو ظہور آں جنابؓ کی ذاتِ گرامی سے ہوا، اُس پر خود صحابۂ کرامؓ، ائمۂ تابعینؒ اور تمام سلاسل کے اولیائے عظامؒ کے اقوال شاہد ہیں "مسندِ امام احمدؒ" میں ہے کہ حضرت عمرؓ باایں جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی مشکل سے پناہ دیں جس کے حل کے لیے ابوالحسنؓ یعنی حضرت علیؓ نہ ہوں)۔"

حدیثِ خُمِ غدیر

متذکرۂ بالا اقوال کی تائید حدیث خُمِ غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ (جس کا مَیں محبوب ہوں، یہ علیؓ بھی اُس کا محبوب ہے۔ الٰہی! جو اِسؓ کے ساتھ محبت رکھے تو بھی اُس کے ساتھ محبت رکھ اور جو اِسؓ کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اُس کے ساتھ عداوت رکھ) اور حدیث شریف اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ (مَیں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہے) سے ہوتی ہے۔ ان احادیث میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کائنات کا مولا اور اپنے علومِ مقدسہ کے شہر کا دروازہ قرار دیا ہے۔ علامہ مناوی شرحِ جامعِ صغیر" میں لفظِ مولا کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولا اُسے کہتے ہیں جو لازمُ الولایت اور اُس پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ "نسائی" اور "مسندِ احمد" میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور میرےؐ بعد وہؓ ہر مومن کا ولی ہے۔ تمام سلاسلِ صوفیائے کرام اور محققین علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں

ولایت سے مُراد ولایت باطنیہ ہے جس کا بلافصل یعنی مُسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات اِن احادیث کو ضعیف شمار کرتے ہیں، مگر وُہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ثقہ مُحدّثین نے اِن کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح وُہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافت ظاہرہ کے تسلسل اور بلافصل ہونے کی دلیل تصوّر کرتے ہیں۔ اِس مسئلے کی تفصیل "ازالۃ الخفا" مُصنّفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور رسالہ "فخر الحسن" مُصنّفہ حضرت مولٰنا فخر الدین چشتی نظامیؒ کی شرح "القولُ المُستحسن" میں موجود ہے۔ یہ شرح مولانا احسنُ الزّمان محدثؒ حیدرآبادی خلیفۂ حضرت خواجہ محمد علی چشتی سُلیمانی خیرآبادیؒ نے تحریر کی ہے۔ اور اس میں سلسلۂ چشتیہ کے سرگروہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے حضرت سیدنا علیؓ سے براہِ راست نسبت و استفاضہ کو قوی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے جس سے خلافتِ باطنیہ جناب رسُولِ کریمؐ کے بعد حضرت علیؓ اور اُنؓ کے بعد اُنؓ کے توسط سے دیگر حضرات تک اکثر سلاسل میں ثابت ہے۔

خارجی ٹولہ کو آلِ اطہار سے اس قدر بغض و عناد ہے کہ ان کی شان میں کچھ سُننا بھی اُس کو گوارا نہیں۔ خاص طور پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان میں۔ اس ٹولے کو لفظ مولائے کائنات پر بھی اعتراض ہے۔ اگر حکیم فیض عالم مقتول جہلمی خارجی، حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو صدیقہ کائنات لکھے تو اُسے تکلیف نہ پہنچے اور اُس سے دریافت کرنے کی زحمت گوارا نہ کرے۔ مگر سیدالاولیاء شیرِ خدا اصل اتّقیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ مولائے کائنات لکھ دیا جائے تو اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ یہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بغض نہیں تو اور کیا ہے۔ اور علی المرتضیٰ سے بغض رکھنا بموجب بفرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خارجی ہونے کی نشانی ہے اور آپ نے خارجیوں کو جہنم کے کتے فرمایا۔ جناب صادق و مصدوق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا "من کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ" "جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں"۔ اگر نبی الانبیاء کو مولائے کائنات مانتے ہو تو علی المرتضیٰ کو بھی مولائے کائنات ماننا پڑے گا۔

دراصل لفظ مولا کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ پنجابی زبان میں مولا کا مفہوم سردار لیا جاتا ہے اور یہی مفہوم شیعہ حضرات بھی لیتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مولا کے معنی محبوب کے ہیں یعنی جس سے محبت کی جائے ملاحظہ ہو "مہر منیر ص ۵۶۴"۔

جیسے ہمارے نزدیک صدیقۂ کائنات اور مولائے کائنات دونوں جائز ہیں۔

لفظ مولیٰ کی تشریح

کیست مولائے علیؓ مولائے کُل ‏ ‏ ‏ ‏ ھٰکذا قد قالہٗ خیر الرسلؐ

یہ شعر حدیث مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (جس کا میں مولیٰ ہوں، علیؓ

بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ الٰہی جو اس سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ کا ترجمہ ہے۔ اِس حدیث کی تشریح میں ایک بار حضرت نے فرمایا تھا کہ اس کا آخری جملہ لفظ مولیٰ کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ مولیٰ مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے۔ مشترک کے مختلف معانی کے تعین کے لیے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لیے اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ مولیٰ کے معنی خلاف معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب پس معلوم ہوا کہ مولائے علیؓ محبوب کل ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ (حضرت علیؓ سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق) لیکن ہمارے برادران طریقت مولیٰ کے معنی وہ لیتے ہیں جو پنجابی زبان میں مفہوم ہیں یعنی سردار۔ گویا حضرت علیؓ تمام اصحابؓ و خلفاؓ کے سردار ہیں۔ یہ معنی محض خوش فہمی پر مبنی ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کو حضرت علیؓ کے ساتھ بے حد محبت تھی جو محویت اور درجۂ انہماک تک پہنچی ہوئی تھی۔ مگر آپ کا کمال یہ تھا کہ غلبۂ عشق و محبت کے باوجود شرع شریف کے لحاظ و اتباع کامل کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ایک ضروری تنبیہ

کتاب کے آخر میں حضرت تنبیہ ضروری کے عنوان سے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے) اللہ تعالےٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کی درخواست کے لیے ہم مامور ہیں۔ اور غلو اور تجاوز چاہے دین میں ہی ہو، موجب ضلالت اور غضب الٰہی ہے۔ بسا امور ایسے ہیں کہ فی ذاتہٖ صحیح بلکہ کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ایک بدطینت اور فاسد الرائے انسان انہی امورِ صحیحہ سے بوجہ غلو اور حسد بڑھ جانے کے نتائج فاسدہ اخذ کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیاطینِ معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حُبِ اہل بیت بشہادتِ قرآن و حدیث اور قرار داد اہل اللہ موجب کمال ایمان سمجھا گیا ہے۔ مگر اس صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقے ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض اور سبِ صحابہ کرامؓ کا راستہ لے لیا اس وجہ سے کہ بخیال اُن کے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے اہل بیت کا منصب اور حق غصب کر لیا۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسولؐ اور جبریلؑ تک کے خلاف گستاخ ہوئے بدیں خیال کہ رُتبۂ اہل بیت اور تقدم علی الصحابہ پر نص صحیح کیوں وارد نہیں ہوئی۔ یہ سب نتائج فاسدہ اُسی صحیح امر (حب اہل بیت) میں غلو کے ہیں۔ ایسا ہی حُبِ عباد اللہ الصالحین اللہ تعالےٰ کے قرب حاصل کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ لیکن اگر اُس میں بھی تجاوز کیا جائے جیسے اُن صلحا کو معبود بنا لیا جائے یا اُن کو متصرف مستقل سمجھا جاوے یا شریک فی التصرف اس طرح سے کہ اللہ تعالےٰ بغیر اُن کی شرکت کے انتظام عالم نہیں کر سکتا تو یہی حُب موجب شرک ہو جائے گی اور وُہی محبّ مشرک ناقابل مغفرت ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان کو کبھی اعتدال کا صحیح راستہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ حُبِ اہل بیت و حُبِ عباد اللہ الصالحین صاحب اعتدال کے لیے نہایت مفید اور موجب کمال ہیں۔ مگر اِن میں افراط و تفریط اور غلو کرنے والے گمرہی اور ضلالت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

خارجی ٹولہ کی عادت ہے کہ جبھی سُنّی علماء آلِ اطہار کے فضائل اور مناقب بیان کرنے لگتے ہیں تو ان کی طرف سے پراپیگنڈا ہونے لگتا ہے۔ کہ یہ تو شیعوں کے عقائد ہیں جو سراسر غلط ہے۔ سُنیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف فضائل صحابہ ہے۔ شیعہ حضرات صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت وجماعت ان کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح خارجی لوگ آلِ اطہار کی شانِ اقدس میں گستاخانہ کلمات استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت وجماعت ان سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ روافض اور خوارج افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں جو سخت معیوب ہے۔ صحابہ کبار اور آلِ اطہار تو دین اسلام کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے یہ گاڑی رواں دواں ہے۔ اس لئے اہلِ سنت ان دونوں کے غلام ہیں۔ خوارج نے تو بارہ اماموں کو بھی شیعوں کے کھاتہ میں ڈال رکھا ہے جو آئمہ اہل بیت ہیں نہ کہ شیعوں کے امام۔ حالانکہ حضرت مجدد والف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۱۲۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ قربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اصل الاصل ہے اور اس راستے کے واصلان انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے اصحابؓ اور تمام اُمتوں میں سے جن کو بھی وہ اس ذریعۂ دولت سے نوازنا چاہیں اُن میں شامل ہیں۔ دُوسرا راستہ قربِ ولایت کا ہے۔ جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، نجبا و عام اولیا واصل باللہ ہوتے ہیں۔ "راہِ سلوک" اسی کو کہتے ہیں۔ اس راستے کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے فیض کا منبع حضرتِ علی المرتضیٰؓ ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہؓ و حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم اس مقام میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سرکار علیؓ قبل از ظہورِ وجودِ عنصری بھی اس مقام پر فائز تھے اور اس راہ کے واصلین آپؓ ہی کی رُوحانیت کے توسّل و واسطے سے منزلِ مقصود تک پہنچتے رہے۔ آپؓ کے بعد یہ منصبِ عالی علی الترتیب حسنینِ کریمین کو تفویض ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمۂ اہلِ بیتِ کرام اس مقام پر فائز ہوئے۔ ان سے ماسوا جن کو بھی مذکورہ مقامات عطا ہوئے ان ہی حضرات علیہم السلام کے واسطے سے ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا دور آنے پر یہ منصبِ عظیم یعنی قطبیتِ کبریٰ آپؒ کی ذات سے مختص کر دیا گیا۔ اب جس کسی کو بھی اس راستے سے فیض و برکات حاصل ہوتی ہیں، آنجنابؒ کے توسط سے ہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ مجھے بھی حضرت غوثِ اعظمؒ کی نیابت کے طور پر یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جب خاتمِ نبوتؐ کی خلافت حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی تک پہنچی، تو اس شجرِ علم و ولایت سے درخت طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں پھوٹیں جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہوئے اور ساری دُنیا حضرت علیؓ کے نورِ جمالِ ولایت سے روشن ہوگئی۔ بالخصوص رسول اللہؐ کی اولادِ عالی نژاد نے بحکمِ وراثتِ حقیقی اور مناسبتِ ذاتی ولایت کا

پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمتِ ذاتی کی بنا پر ولایتِ معنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت دوسروں کے لیے چھوڑ دی۔ خاندانِ نبوت سے نورِ ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہوگا اور آسمانِ ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ انہی میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا، قطب الاقطاب عالم، غوثِ بنی آدم اور مرجع جن و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو دینِ اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمالِ محمدی تمام آل میں تابان و درخشاں ہے، مگر محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمالِ احمدیؐ اور کمالِ محمدیؐ کا مظہرِ اتم ہے۔"

علامہ آلوسی بغدادیؒ نے تفسیر روح المعانی میں آیۂ تطہیر کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اسی تطہیرِ الٰہی کا نتیجہ ہے کہ اخلاق، اعمال اور فضائل کے لحاظ سے اہلِ بیتؓ کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان پر آثارِ جمیلہ کا مترتب ہونا یقینی امر ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے اربابِ کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اسی خاندان سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی لمعات "المقالۃ الوضیۃ" وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مقامِ جذب و ولایت کے فاتحِ اول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور سیدۃ النساءؓ حضرات حسنینؓ کریمین اس مقام میں آپؓ کے ساتھ شامل ہیں بقیہ ائمۂ اہلِ بیتؓ بھی اسی نسبت کے اقطاب ہیں اور سیدنا غوث الاعظمؓ کی اس مقام میں ایک خصوصی شان ہے۔

علامہ اقبالؒ نے جناب سیدۃ النساءؓ کی شان میں کیا خوب کہا ہے:۔

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمیں — آں امامِ اولین و آخرین

بانوئے آں تاجدارِ ہل اتیٰ — مرتضےٰؓ، مشکل کشا، شیرِ خدا

مادرِ آںؓ قافلہ سالارِ عشق

مادرِ آںؓ مرکزِ پرکارِ عشق

حدیثِ خمِ غدیر سے شیعہ حضرات جو غلط مطلب لیتے ہیں اس کا جواب

حضرتؒ نے حدیثِ خمِ غدیر کی تفصیل بیان فرما کر لکھا ہے کہ اس کی تقریب یہ ہوئی تھی کہ بریدہ اسلمی نے یمن میں حضرت علیؓ کے کسی عمل پر اعتراض کیا تھا اور حضورؐ سے اس کی شکایت کی تھی جس پر حضورؐ نے "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ" کا ارشاد فرما کر حضرت علیؓ کی محبت واجب فرما دی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ بریدہ اسلمی کے بیان اور واقعات و مبشرات و نصوص قرآنیہ مُبَیِّنَہ فِی مَوَاضِعِهَا سے واضح ہو جاتا ہے کہ خمِ غدیر والی حدیث کو خلافت بلا فصل سیدنا علیؓ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ بہ ایامِ مرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ارشادِ مکرر اور اصرارِ مؤکد حضرت صدیقِ اکبرؓ کو تین روز کی نمازوں کے لیے امام نہ بناتے۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا "قَدْ قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يُؤَخِّرُكَ" تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش امام فرمایا ہے پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

مقامِ ولایت کے مرکزِ اعلیٰ علیؓ

مذکورہ بالا حوالہ جات سے واضح ہے کہ جس طرح مقامِ نبوت کے مرکزِ اعلیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اُسی طرح مقامِ ولایت کے مرکزِ اعلیٰ سیدنا علیؓ ہیں۔ آیۂ کریمہ:-

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

(اٰلِ عمران ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوںؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں، پھر تمہارے پاس پیغمبرؐ آئے، جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہے، تو اس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔

اور حدیث شریف:-

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ ابھی رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔

کی تشریح میں امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں اور حضرت شیخِ اکبرؒ نے "فتوحاتِ مکیہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ حقیقتِ کُلیہ اور تجلی اوّل میں قبولِ فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقتِ محمدیہ ہے اور اُس کے بعد سیدنا علیؓ کی حقیقت ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضرتِ ابُوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام میں رُوح پھونکی، تو اُنہیں عرشِ مُعلّیٰ کی داہنی جانب پانچ انوار رکوع و سجود میں مصروف نظر آئے۔ آپؑ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو میں جنّت، دوزخ، عرش، کرسی، آسمان۔ زمین، فرشتے۔ انسان، جن وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے۔ تو اِن کے وسیلے سے سوال کرنا۔ (ارجح المطالب جلد ۲ صفحہ ۳۶۱)

اس حدیث کو امام ابُوالقاسم رافعیؒ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب "ارجح المطالب" نے بھی امام احمد بن حنبلؒ اور اُن کے فرزند عبداللہؒ اور علامہ ابن عساکرؒ اور محبّ طبریؒ وغیرہ عُلمائے کرام کی کُتب کے حوالے سے اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میںؐ اور علیؓ ایک ہی نُور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیرِ عزیزی میں اُن کلمات کی تفسیر لکھتے ہوئے، جن کے توسّل سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسّل ثابت فرمایا ہے۔ لیکن یہ خیال ہے کہ جیسے شرح العقائد وغیرہ میں تحریر ہے۔ حضرت علیؓ کے یہ فضائل مسئلہ فضیلت شیخینؓ کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرت شیخینؓ کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

حدیث اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

ترمذی کی حدیث شریف اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں) پر شیخ ابنِ تیمیہ

نے منہاج السنۃ میں اعتراض کیا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے اور واقعات کی رُو سے بھی نفسِ مضمون صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علمِ نبوت کا صرف ایک دروازہ حضرت علیؓ ہوں جن سے صرف کوفیوں نے قلیل مدت کے لیے علم حاصل کیا اور باقی بلادِ اسلامیہ میں علم اوروں سے پہنچا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں یہاں علم سے مُراد علمِ خاص یعنی علمِ اسرار مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابن تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اڑتیس صفحات پر قلم بند ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہؓ اور کبارِ صحابہؓ کا رجوع اور مدار ہمیشہ حضرت علیؓ کے فتاویٰ پر تھا۔ چنانچہ خلیفہ ثانیؓ کے اقوال "لولا علیٌ لھلک عمر" (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاکت میں پڑتا) اور "لا القیت لمعضلۃٍ لیس لھا ابو الحسن" (خدا مجھے اُس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لیے ابوالحسن موجود نہ ہوں) اور "لا یُفتینّ احد فی المسجد وعلی حاضر" (مسجد میں علیؓ موجود ہوں تو کوئی اور شخص فتوے نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔

حضرات سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابن تیمیہ خود بحوالہ "اتقان" علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ علمِ تفسیر میں اہلِ مکہ اعلم الناس ہیں کیونکہ وہ عبداللہ بن عباس کے اصحاب ہیں۔ ملک شام میں علم بقول "تذکرۃ الحفاظ" (علامہ ذہبی) ابو درداء سے شائع ہوا جو عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ابو درداء کا قول ہے کہ عالم تین ہیں۔ ایک شام میں یعنی میں خود۔ دوسرا کوفے میں یعنی عبداللہ بن مسعودؓ اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علیؓ۔ شامی عند الحاجت کوفی سے پوچھتا ہے اور کوفی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علیؓ) کسی سے نہیں پوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہلِ بیت حسنین و سجاد و باقر و جعفر و کاظم (علیہم السلام) کے ذریعے حضرت علیؓ کے علوم نے دُنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے سرفراز نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ بن انس مدنی کے حلقہ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہلِ سُنّت کے کسی مجتہد، محدث، مفسر اور مبلّغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صف میں شامل نہ ہو۔ اور یہ دونو حضرات حضرت امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا سلسلہ حضرت حمادؒ کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے جو براہِ راست حضرت علیؓ کے تلمیذ تھے۔ اہلِ سُنّت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علومِ علیؓ سے مستفید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

اس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہوئے حضرتؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت یحییٰ بن معینؒ نے کی ہے جنہیں شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب "منہاج السنۃ" میں اعاظمِ محققین اصحابِ رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں از روئے صداقت و دیانت و امانت و مہارت اعظم الناس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے شہرِ علم کے اکیلے دروازے پر خبرِ واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مسلمین یہ ضروری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغِ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہیئے کہ یہ دروازہ مسدود اور بند ہے اس کے جواب میں حضرتؒ نے خبرِ واحد کے معتبر ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ "ابن تیمیہ کی یہی دلیل معاذ اللہ انکارِ نبوت پر بھی قائم ہوسکتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچا سکتا کہ لوگوں کو علمِ یقینی حاصل ہو۔ لہٰذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ چاہیئے کہ دینِ الٰہی مسدود اور بند رہے۔ لہٰذا معاذ اللہ اکیلے نبی کی نبوت باطل ہے۔" اہل السُّنّت والجماعت و عُلمائے زمانۂ حال کو چاہیئے کہ ذریتِ رسولؐ کی اہانت نہ کریں۔

وہ علیؓ ہی ہیں جنھوں نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ اس جگہ (سینہ) میں بہت علوم ہیں۔ کاش کہ میں ان کے لینے والا کوئی پاتا۔ اور اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر اتنی بڑی لکھوں جس کو ستر (۷۰) اونٹ اُٹھائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ساری دنیا آپ کے علم کو سیکھتی تو بھی ختم ہونے میں نہ آتا۔ آپ کے علم کی بکثرت اشاعت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ کیونکہ خلفاءؓ ثلثہ اور باقی اصحابؓ کا ہر مشکل میں آپ کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ اور اپنے اعلیٰ درجہ کے شاگردوں کی تعلیم مثل حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ وغیرہم اور اپنے قریبی رشتہ داروں مثل عبداللہؓ بن عباس اور قرۃ العینین لرسول الثقلین و جگر پارۂ بتول زہرا سیدۃ النساء و سرور جانِ مرتضویؓ سیدنا حسنؓ و سیدنا حسینؓ کو افاضہ و علوم اسرار کی تعلیم بوجہ فراغت مدینہ منورہ ہی میں ہوئی تھی۔ کوفہ میں تو آپ ناکثین و قاسطین و مارقین کے قتال میں بکثرت مصروف رہے

"غور کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کیا ہی اچھا کہا ہے لولا علیؓ لھلک عمرؓ (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے) خیبر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں جھنڈا اس شخص کے حوالہ کروں گا کہ یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ (جو اللہ و رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور جس کو اللہ و رسولؐ پیارا جانتے ہیں) پھر طویل خطبہ پڑھا جس کی ابتدا اس طرح ہے۔ الحمد للہ علی آلائہ فی نفسی والحمد للہ علی بلائہ فی اھل بیتی اور آخر میں فرمایا من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ (ترجمہ) خدا کی حمد ہے جس نے مجھے نعمتیں عطا کیں۔ اور خدا کی حمد ہے جس نے میری اہل کو ابتلا میں ڈالا۔ جس کا میں مولا ہوں علیؓ اس کا مولیٰ ہے اے اللہ جو علیؓ کو دوست رکھے اس کو دوست رکھنا اور جو علیؓ کے ساتھ عداوت کرے اُس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرنا۔ ایک اور موقعہ پر حضرت علیؓ کی شان میں فرمایا واقضاکم علیٌ (تم میں سے اچھا بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں)۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے جو علم تفسیر میں بحر ذخار تسلیم کیے گئے ہیں فرمایا کہ مشکلاتِ قرآنی اور اسرار و رموزِ آیات متعلقہ علوم مخفیہ میں میرے ماخذ و معلم حضرت علیؓ ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے فیوضات و برکات بھی اسی خاندان عالی شان سے ہیں۔ چنانچہ امام دار الہجرت حضرت مالکؒ اور امام عظیم الشان ابو حنیفہؒ دونو امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں سے ہیں۔ امام شافعیؒ امام موسیٰ کاظمؓ سے سند رکھتے ہیں۔ ہر فیض جو اُمت کو ملا ہے۔ ان امجاد خیر العباد علیہم السلام سے ملا ہے نہ اپنے آباو اجداد سے۔ حدیث شریف مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجا (میرے اہل بیتؓ کی مثال کشتیٔ نوح کی طرح ہے اس میں جو سوار ہوا نجات پائی) اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اہل حق کا اس کشتی میں سوار ہونا اُن کے لیے موجب نجات ہے۔" اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی نے ہمعات اور العقیدۃ الوضیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ ائمہ عترت نسبتی قطب ہیں۔ ان کی نسبت تقویٰ و طہارت و تزکیہ نفوس و زہد کی نسبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں بھی یہی نسبت تھی۔ قدرے تبسم کر کے فرمایا کہ شاہ صاحبؒ نے واقعی کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ ذرّیتِ اہل بیتؓ کے حق میں بھی ادب اور خوش اعتقادی رکھنی چاہیئے۔ جب قیامت میں تمام صالحین کی ذرّیت و اولاد اُن کے ساتھ ملحق کی جائے گی تو حضور خاتم الانبیاء والمرسلین کی اولاد کیسے محروم رہے گی۔ آخرت کے اسرار پردۂ غیب میں ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے یہ کام اپنی تفویض میں رکھا ہوا ہے۔ ہم کو کسی پر گماشتہ نہیں چھوڑا گیا۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی حد پہچانیں اور اُس سے آگے نہ بڑھیں۔

مترجم کہتا ہے کہ علامہ الوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کے اہل قرابتؓ سے محبت واجب ہے خواہ جیسے بھی ہوں۔ کیونکہ آیت مذکور میں مودّت کا موجب حضورؐ کی قرابت ہے۔ اگرچہ ان کے غیر مشروع عقائد و اعمال سے برأت لازم ہوگی مگر قرابتِ رسولؐ کی جہت سے محبت و تکریم

ضروری ہے

حسنینؓ کریمین

مولائے مُشکل کُشاؓ کے بعد آپؓ کے دونوں فرزندانِ ارجمند حسنینؓ کریمین کی دینی خدمات اور اشاعتِ طریقۂ نبویہ پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ سیدنا امامِ حسنؓ کا ظاہری خلافت سے دستبردار ہوکر، حسبِ پیشگوئیِ آں حضرتؐ، اُمتِ مسلمہ کو خانہ جنگی سے بچا لینا ایک عظیم کارنامہ ہے اور جنابِ امامِ حسینؓ کا یزید شقی کے خلاف آوازِ حق بلند کرکے حدودِ شرعیہ کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کر دینا اپنی مثال آپ ہے ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

(اقبالؔ)

حسنینِ پاکؓ اور اُن کی ذُرّیت فرزندانِ رسولؐ ہیں

آنحضرتؐ سے قُرب و قرابت کا جو شرف اہلِ بیت کرام میں سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ، سرکارِ ولایت سیدنا علی اور حسنینِ شریفین علیہم السلام کو ہے، اس میں کوئی بھی اُن کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے آیۂ مبارکہ :-

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (آلِ عمران، آیت ۶۱)

تو کہہ دے، آؤ، ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں۔

اور اس پر آں حضورؐ کا حسنینِ پاکؓ کو بطور اپنے بیٹوں کے ہمراہ لینے کا عمل ہی کافی ثبوت ہیں۔ چنانچہ علامہ سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ میں علامہ زرقانی المالکی نے "شرح مواہب اللدنیہ" میں، علامہ سمہودی الشافعی نے جواہر العقدین میں اور شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فرزندانِ رسولؐ کہلانے کا شرف صرف حسنینؓ پاک اور اُن کی ذُرّیت کو حاصل ہے۔

علامۂ زمان شیخ محمد ابن علی صبان مصری اپنی کتاب اسعافُ الراغبین فی سیرۃ المصطفٰےؐ واہل بیتہ الطاہرینؓ میں فرماتے ہیں:

"اور اہلِ بیتؓ کے فضائل میں سے ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضورؐ کی اولاد و فرزند کہلاتے ہیں اور آنجناب کے ساتھ صحیح نسبت سے منسوب ہیں۔ امام غزالیؒ نے آں حضورؐ کی حدیث نقل کی ہے کہ آں حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر نبیؑ کی ذُرّیت کو اُس کی اپنی پُشت میں رکھا، مگر میری ذُرّیت علیؓ بن ابی طالب کی پُشت میں رکھی۔ طبرانی وغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، ہر ماں کی اولاد اپنے آبائی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے بجز اولادِ فاطمہؓ کے جن کا ولی اور عصبہ میں ہوں! ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، ہر عورت کی اولاد کا عصبہ اُن کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماسوائے اولادِ فاطمہؓ کے، کیونکہ اُن کا باپ اور عصبہ میں ہوں۔ یہ خصوصیت صرف اولادِ فاطمہؓ کے لیے ہے۔ آں حضورؐ کی دوسری صاحبزادیوں کی اولاد اس میں شریک نہیں۔ اُن کے لیے حضورؐ کو باپ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ آپؐ کی ذُرّیت و نسل کہہ سکتے ہیں۔

حسنینؓ کے ابنائے رسول اللہؐ ہونے کا قرآنی ثبوت

فرمایا بنی اُمیہ میں سے کسی نے ایک روز تعریضاً حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسول اللہؐ کیوں

کہتے ہیں ابن علیؓ کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارا یہ لقب قرآن سے ثابت ہے۔ تمہیں چونکہ قرآن کی سمجھ نہیں اس لیے یہ اعتراض لائے ہو۔ آیتِ مباہلہ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ (کہیئے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ) میں اَبْنَآءَنَا (ہمارے بیٹے) کون تھے؟ کیا اُس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹوں کی شکل میں میرے اور میرے بھائی حسینؓ کے سوا کسی اور کو میدانِ مُباہلہ میں لے گئے تھے؟

حسنینؓ کریمین کی اَولادِ امجاد

حسنینؓ کریمین کی اَولادِ گرامی بھی اشاعتِ حق اور ازالۂ باطل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ سیدنا امام حسینؓ کے پوتے جناب زید شہیدؒ نے بھی مروانیوں کی غیر شرعی حکومت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے میدانِ کربلا کا نقشہ از سرِ نو پیش کیا۔ حضرت امام حسنؓ کے فرزند جناب حسنؒ مثنّٰی جو میدانِ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور جنہیں اسماء بنتِ حکیم فرازیؒ نے سفارش کر کے ابن زیاد ملعون سے چھڑایا تھا، کے پوتے سیدہ محمد نفس الزکیہؒ، سیدابراہیمؒ اور سیدہ یحییٰ زاہدؒ نے منصور عباسی وغیرہ کے دورِ حکومت میں آوازِ حق بلند کی اور شجاعت کے وُہ جوہر دکھائے کہ علوی شان کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔

علیؓ کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اِک بچہ   جہاں پیدا ہُوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

یہ مُسلّمہ اَمر ہے کہ عالمِ اسلام کی دینی، دُنیوی، اَخلاقی، مُعاشرتی، ذہنی اور رُوحانی اقدار اپنے قیام و بقاء میں اسی گھرانے کی مرہُونِ منّت ہیں۔ اہلِ سُنّت والجماعت کے چاروں فقہی ائمہ، اہلِ بیتؓ کرام کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ امام ابُو حنیفہؒ اور امام مالکؒ حضرتِ امام جعفر صادقؓ کے اور امامِ شافعیؒ امام مُوسیٰ کاظمؓ کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کا شاگرد ہو کر بالواسطہ اسی خاندانِ پاک کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، تعبیر، ہندسہ، بلاغت وطب وغیرہ عُلوم کے اکابر عُلماء اسی گھرانے کے ارادت مند اور فیض یافتہ تھے حتیٰ کہ معتزلہ بھی نہج البلاغہ کے ثبوت پر اصحابِ علیؓ ہونے کے دعوے دار تھے۔ الغرض رُوحانیت کے سارے سلسلے اور طریقے اسی دریا کی نہریں ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادقؓ کے واسطے سے اُن کے جدِ مادری حضرت صدیق اکبرؓ سے منسلک ہے اور دیگر سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، اویسیہ، رفاعیہ، مولویہ، شاذلیہ، شطاریہ اور بندگیہ وغیرہ سب کے سب براہِ راست امیر المومنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب سے متعلق ہیں۔

غوثُ الثقلینؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے جناب غوث پاک، پیرانِ پیر، دستگیر، سیدنا محی الدین بن محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احیائے دین کے سلسلے میں وُہ جلیل القدر رہبر عظیم ہیں جن کے دستِ برکت نے دینِ اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریض پاکر حیاتِ نو بخشی اور چار دانگ عالم میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علماء، محدثین اور اکابرِ سلف کی ایک کثیر تعداد نے آپؓ کے فضائل اور مناقب میں ضخیم کُتب تحریر کی ہیں

حضرت غوث الاعظمؓ دُنیا کے تمام اولیاء اللہ کے سردار اور نبوت کے بعد ولایت کے اُس مقامِ اقصیٰ پر فائز ہیں، جہاں اور کسی کو رسائی نصیب نہیں ہوئی۔ آں جنابؓ کی ولادت ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ اکانوے برس کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ میں وصال ہوا۔ ولادت کی تاریخ لفظِ "عاشق" سے اور عمر شریف لفظِ "کمال" سے نکلتی ہے۔ اِسی طرح سن وصال کے الفاظ بحساب ابجد "معشوقِ الٰہی" ہیں۔ لہٰذا کیا خوب کہا ہے ؎

سنینش "کامل" و "عاشق" تولد وصالش داں زِ "معشوقِ الٰہی"

غوث الاعظمؓ نے قصیدہ غوثیہ میں فرمایا ہے :۔

أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْدَعُ[۱] مَقَامِي وَأَقْدَامِي عَلَىٰ عُنُقِ الرِّجَالِ

(میں سیدِ حسنی ہوں اور میرا مقام عالم باطن میں مخدع ہے۔ اور میرا قدم مردانِ خدا کی گردنوں پر ہے)

ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں :۔

وَمَنْ فِي رِجَالِ اللّٰهِ نَالَ مَكَانَتِي وَجَدِّي رَسُولُ اللّٰهِ فِي الْأَصْلِ رَبَّانِي

(اور مردانِ خدا میں کون ہے جس نے میرا مرتبہ پایا؟ کیونکہ میری تربیت میرے جدِ امجد رسول اللہ نے خود فرمائی ہے)

وَوَالِدَتِي الزَّهْرَاءُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ أَبُوهَا رَسُولُ الْخَلْقِ عَزَّ بِهِمْ شَانِي

(اور میری والدہ جناب زہرا بنتِ محمد علیہ السلام ہیں جن کے والد تمام خلق کے رسول ہیں اور اُن کی وجہ سے میری شان عزیز ہے)

حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہ العزیز کے سلسلہ ہائے طریقت میں سے ایک قادری سلسلہ تو حضرت شیخ عبدالقاہرؒ کے واسطے سے اور دُوسرا قادریہ جدیہ سلسلہ آپؒ کے جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ و جناب غوث پاکؓ کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاقؒ کے واسطہ سے جو حضرت قبلۂ عالمؒ کے جدِ اعلیٰ بھی ہیں، حضرت غوث الاعظمؓ سے جا ملتا ہے۔ گویا حضرت قبلۂ عالمؒ جسمانی و رُوحانی ہر دو طور پر حضرت سرکارِ بغدادؓ کی اولاد ہیں

خارجی ٹولہ تو نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو آلِ نبیؐ میں بھی شامل نہیں کرتا اور آل سے مراد تمام امت لیتا ہے۔ جبکہ پیر صاحب انہیں آلِ اطہار میں شامل کرتے ہیں۔

آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی مدح اور اُن سے بغض کی مذمت کے متعلق کتبِ حدیث میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ جن سے مندرجہ ذیل احادیث کو ایک مشہور محقق و مفسر صاحب روح البیان نے نقل فرمایا ہے :۔

۱۔ وعنہ علیہ السلام حرمت الجنۃ علیٰ من ظلم اھل بیتی و اذانی فی عترتی۔	جنت اُس پر حرام کی گئی ہے جس نے میرے اہلِ بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو ایذا دے کر مجھے ایذا پہنچائی۔
۲۔ ومن اصطنع صنیعۃً الیٰ احدٍ من ولد	عبدالمطلب کی اولاد میں سے اگر کوئی اپنے محسن کا مکافی او

---

[۱] "مخدع" عالم سِر اور غیب الغیب میں ایک بہت ہی بلند مقام ہے۔ جہاں نہایت ہی بلند پرواز و اکمل ترین اولیاء کرام کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کی حقیقت سے بے خبری کے باعث بہت سے اولیاء کرام اس تمام والی شخصیت کے متعلق دھوکا کھا گئے جیسے حضرت غوث اعظمؓ کے وقت میں ایک ہم عصر بزرگ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ کا واقعہ "نفحات الانس" میں تحریر ہے۔

عبدالمطلب ولو مجازۃ فانا الجازیہ علیہا غدًا اذا لقینی یوم القیامۃ۔
معاوضہ دینے والا نہ ہوا تو میں قیامت میں اُس کا مجازی نو عوض دہندہ ہُوں گا جب وُہ مجھ سے مُلاقات کرے گا۔

۳۔ من مات علی حب اٰل محمّد مات شہیدًا۔
جس کا خاتمہ محبتِ اہلِ بیت پر ہو گا وُہ شخص شہید ہو گا۔

۴۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد مات مغفورًا لہٗ۔
خبردار، جس کا خاتمہ محبتِ اہلِ بیت پر ہو گا۔ وُہ مغفور ہو کر مرے گا۔

۵۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد مات تائبًا۔
خبردار، جس کا خاتمہ محبتِ اہلِ بیت پر ہو گا وُہ مقبول التوبہ ہو کر مرے گا۔

۶۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد مات مومنًا مستکمل الایمان۔
خبردار، جس کا خاتمہ محبتِ اہلِ بیت پر ہو گا اُس کی موت بحالتِ کامل ایمان ہو گی۔

۷۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد بشرہٗ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرٌ ونکیرٌ۔
خبردار، جس کی موت حُبِ اہلِ بیت پر ہو گی اُسے ملک الموت اور منکر نکیر جنّت کی بشارت دیں گے۔

۸۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجہا۔
خبردار، جس کی موت حُبِ آلِ محمدؐ پر ہو گی وُہ جنّت کی طرف ایسے دوڑے گا جیسے دُولہا اپنی دُلہن کے گھر کی طرف۔

۹۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد فتح لہ فی قبرہ بابان الی الجنۃ۔
خبردار، جس کی موت آلِ محمدؐ کی محبت پر ہو گی اُس کے لیے اُس کی قبر میں دو دروازے بہشت کی جانب کھولے جائیں گے۔

۱۰۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد جعل اللہ قبرہٗ مزار ملائکۃ الرحمۃ۔
خبردار، جس کی موت حُبِ آلِ محمدؐ پر ہو گی اللہ تعالیٰ اُس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنائے گا۔

۱۱۔ الا ومن مات علی حب اٰل محمّد مات علی السنۃ والجماعۃ۔
خبردار، جس کی موت حُبِ آلِ محمدؐ پر ہو گی وُہ طریقۂ سُنّت والجماعت پر مرے گا۔

۱۲۔ الا ومن مات علی بغض اٰل محمّد جاء یوم القیامۃ مکتوبٌ بین عینیہ ائیسٌ من رحمۃ اللہ۔
خبردار، جس کی موت آلِ محمدؐ سے بُغض کی حالت میں ہُوئی وُہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا یہ نااُمید ہے رحمتِ خدا سے۔

۱۳۔ الا ومن مات علی بغض اٰل محمّد مات کافرًا۔
خبردار، جو آلِ محمّد سے بُغض رکھتے ہُوئے مرا، وُہ بحالتِ کفر مرے گا۔

۱۴۔ الا ومن مات علی بغض اٰل محمّد لم یشم رائحۃ الجنۃ۔
خبردار، جو شخص آلِ محمدؐ سے بُغض رکھتے ہُوئے مرا وُہ جنّت کی ہوا نہ سُونگھے گا۔

ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد صاحبِ تفسیر رُوح البیان فرماتے ہیں:- واٰل محمّد ھو الذین یؤل امرھم الیہ علیہ السلام فکل من کان مآل امرھم الیہ اکمل واشد کانوا ھم الآل ولا شک ان فاطمۃ وعلیا والحسن والحسین کان التعلق بینھم وبین الرسول اشد التعلقات بالنقل المتواتر فوجب ان یکونوا ھم الآل۔ انتھی۔ یعنی جن کے رشتے اور تعلق کا رجوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کامل و مکمل اور اعلیٰ درجہ پر ہو وُہی لوگ آلِ رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرات علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام کا حضور علیہ السلام سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

اگر آلِ اطہار کے مزید فضائل درکار ہوں تو "مہر منیر صہ۶ تا صہ۲۱" کا مطالعہ کیجیے۔

سخن در فضیلت اہلبیت کرامؓ

ایک روز اہلبیتؓ کرام کی شان میں سخن جاری ہوا تو فرمایا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ مَنْ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَّلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰلِہٖ فَلَیْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا مگر آپ کی آل کو نہ مانا وہ مومن نہیں) اور شیخ عطار وہ بزرگ ہیں جن کی شان میں مولانائے رُومؒ کا ارشاد ہے کہ ؎

ہفت شہرِ عشق را عطّار گشت ۔۔۔ ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

ملفوظ ۔ ۷۰

اہل بیتِ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل میں تذکرہ ہُوا۔ فرمایا "اہل بیت نبیؐ کے ساتھ ہرگز عداوت نہ رکھنی چاہیئے کیونکہ اس گروہ پاک کی مخالفت مُوجب بے برکتی اور خلاف ارشادات قرآن وحدیث ہے۔ ہمیں کسی کے نسب اور کسب کے متعلق تجسس سے کام نہیں ہمیں تو صرف حضور پاکؐ کے نام کا ادب اور سلام ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ کسی کو دُوسرے کے اعمال منسوبہ سے نہ پُوچھا جائے گا لیکن فلاتدخل بین اللہ وبین العباد۔ یعنی اللہ اور اُس کے بندوں کے معاملہ میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم میں مَوَدَّۃَ قُرْبٰی کا حکم ظاہر ہے۔ اس لیے اہل بیت کرامؓ کی خدمت اور اُن کے ساتھ احسان کرنا بہ نسبت دُوسرے لوگوں سے احسان کرنے کے مردمانِ اُمّت کے حق میں بہتر و احسن ہے۔

صاحبِ "فصوص" لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ عاکفان کعبہ سے تھا اور عرصہ دراز سے مکہ معظمہ میں رہائش پذیر تھا۔ وہ شریفِ مکہ کے ساتھ (جو ہمیشہ قوم سادات سے ہوا کرتے ہیں) اُس کی چند خامیوں کی بنا پر دل ہی مخالفت رکھتا تھا۔ ایک دن اپنے وارداتِ رُوحانی میں کیا دیکھتا ہے کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اور اس سے اعراض کرکے گذر فرمایا۔ اُس نے کمال عجز ونیاز سے عرض کیا کہ اس بندہ سے کیا خطا صادر ہوئی؟ حضرت سیّدۃ النساء نے فرمایا کہ تو میرے فرزند سے جو شریف مکہ ہے بُغض رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ معاملہ میری نفسانیت کا نہیں بلکہ اس کی بعض غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہے۔ فرمایا اگرچہ خطاکار ہے لیکن میری ذُرّیت سے ہے۔ تجھ کو میری اولاد کی پاسداری ضروری تھی۔ پس وہ بزرگ تائب ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔"

پھر فرمایا میں دوسری جانب سادات کو یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنے نسب پر بھروسہ نہ کیا کریں۔ اور محض اس امر کو اپنا ذریعہ نجات نہ جانیں اور مسئلہ عدم سوال از انتساب اور روز حساب میں سوال اعمال واکتساب سے بھی اُنہیں بخُوبی تنبیہ کرتا ہوں"

باوجود دیکہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آلِ اطہار سے والہانہ محبت تھی، مگر آپ نے تصفیہ مابین سنی شیعہ میں افضلیت بالترتیب خلفاء راشدین کو دلائل قرآن سے ثابت کیا ہے اور تمام اختلافات مثلاً حدیث خم غدیر، قضیہ باغ فدک، آیتہ مباہلہ آیت تطہیر آیت مودت، حدیث ثقلین، حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابہا اور لفظ مولا کی تشریح

بھی قرآن کی روشنی میں کی ہے۔ اور بعض مطاعن کا جواب جس میں مسئلہ قرطاس بھی شامل ہے۔ خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ یہ کتاب سنیوں کے مطالعہ کے لئے بےحد ضروری ہے۔

اللہ تعالےٰ سُنّیوں کو صحابہ کبار و آلِ اطہار کی محبّت نصیب فرماتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہاں پر آیت مودّت، آیت تطہیر اور آیتِ مباہلہ کے شانِ نزول ملاحظہ ہوں۔ تاکہ آلِ اطہار خصوصاً پنجتن پاک کی شان قرآن حکیم سے ثابت ہو جائے۔

آیتِ مودّت کی تفسیر و تشریح

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ (الشوریٰ۔ ۲۳)

ترجمہ:۔ کہہ دیجئے (اے محمدؐ) میں تم سے اِس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن دوستی اہل قرابت کی۔ اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اُس کے لیے اُس میں ثواب بڑھائیں گے تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا قدردان ہے۔

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب بعض مُشرکین نے ایک اجتماع میں کہا تھا کہ کیا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے عمل (تبلیغِ قرآن) کے لیے اجر اور عوض چاہتا ہے؟ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اپنے اِس کام کے لیے کچھ اجر نہیں چاہتا جیسا کہ انبیاء سابقہ علی نبینا علیہم السلام نے بھی نہیں چاہا۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ قرابت مابین کو جو مجھے تمہارے ہر بطن کے ساتھ ہے۔ ملحوظ رکھ کر مجھ سے پیار رکھو اور ایذا نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ شرع اور عادت اور مروت کا مقتضیٰ یہی ہے۔ اور صلہ رحمی پر تم بھی فخر کرتے ہو۔

جاننا چاہیئے کہ اِس آیتِ کریمہ کے دو محمل ہیں۔ ایک تو یہ جو اُوپر مذکور ہوا۔ اِس تقدیر پر اِلَّا الْمَوَدَّةَ میں مَوَدَّةَ سے مُراد مودۃِ رسُول علیہ السلام ہو گی اور کلمہ "فی" سببیت کے لیے یا "لام" کے معنی میں ہو گا۔ یعنی آپؐ کی محبت بوجہ قرابت کے مطلوب ہے۔ دُوسرا محمل یہ کہ مودۃ سے مُراد رسُول علیہ السلام کے اہلِ قرابت کی دوستی ہو۔ اِس صُورت میں کلمہ "فی" ظرفیت کے لیے اور ظرف مستقر المودۃ سے حال ہو گا۔ اور آیت منجملہ اُن آیات کے ہو گی جن میں فضائلِ اہلِ بیت سیدنا فاطمہ، علی، حسن، حُسین علیہم السلام خصوصاً اور اہلِ قرابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بشرطیکہ وُہ مومنین سے ہوں، بیان کیے گئے ہیں۔ تفسیر رُوح البیان وغیرہ میں ہے کہ اِس آیت کے نزُول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پُوچھا کہ یارسُول اللہ من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علینا مودتہم یعنی آپؐ کے اہلِ قرابت اور رشتہ داروں میں وُہ کون لوگ ہیں جن کی دوستی ہم پر واجب کی گئی ہے۔ آپؐ نے جواباً فرمایا۔ علیؓ و فاطمہؓ اور اُن کی اولاد۔ اور اِسی روایت کی تائید وُہ قول کرتا ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ انہٗ قال شکوتُ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسد الناس لی فقال اما ترضی ان تکون اول من یدخل الجنة انا وانت والحسن والحسین وازواجنا عن ایماننا وشمائلنا وذریاتنا خلف ازواجنا۔ یعنی علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضورِ نبویؐ میں شکایت کی کہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اے علیؓ کیا تو اس پر خوش نہیں کہ سب سے پہلے میں اور تم اور حسنؓ اور حسینؓ بہشت میں داخل ہوں گے اس حالت میں کہ ہمارے دائیں بائیں ہماری بیبیاں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیبیوں کے پیچھے ہوگی۔ انتہیٰ

یہاں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آیۃ مودۃ میں الفاظ فی القربیٰ" سے مراد آلِ عبا یعنی علی، فاطمہ، حسن، حسین علیہم السلام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے۔ اور مکہ میں حسنین پاک علیہما الرضوان کا تولد نہیں ہوا تھا۔ اور روایتِ نزول بالمدینہ ضعیف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ ہی میں ہو مگر چونکہ قربیٰ اور قرابت بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معنیٰ آلِ عبا علیہم السلام میں بالغ الوجوہ پایا جاتا ہے اس لیے ان حضرات علیہم السلام کا مُراد ہونا بطریقِ اولیٰ ہوگا بہ نسبت اُن اقارب کے جو مکہ میں بروقت نزولِ آیت موجود تھے۔ تعفیہ ۵۹

۵۔ آیتِ تطہیر

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۝ (الاحزاب۔۳۳)

ترجمہ۔ اے (پیغمبر کے) گھر والو اللہ تعالیٰ سوا اس کے نہیں چاہتا کہ وہ ناپاکی کو تم سے دُور کر دے (رجس بمطلب گناہ، عذاب، ہر عیب) اور تمہیں پاک صاف کر دے۔

۱۔ آیۃِ تطہیر میں الفاظ اہل البیت" سے مراد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بحسب کثرتِ روایات، آلِ کسا یعنی علی، حسن، حسین، سیدۃ النساء علیہم السلام ہیں اور یہی قول ہے صحابہ کرام میں سے ابوسعید خدریؓ کا اور تابعین میں سے بھی ایک گروہ کا جن میں مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی ہیں۔

(۲) جمہور کا قول ہے کہ لفظ اہلِ بیت" فریقین یعنی اُمہات المؤمنین اور آلِ عبا علیہم السلام کو بھی شامل ہے۔

(۳) تیسرا قول صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ اور تابعین میں سے عکرمہؒ کا ہے کہ "اہلِ بیت" سے مُراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔

(۴) چوتھا قول جس کو ابن حجر نے صواعق میں ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ "اہلِ بیت" سے مُراد بنو ہاشم اور بیت سے "بیت النسب" ہے۔ خازن میں ہے کہ زید بن ارقم کا بھی یہی قول ہے۔

(۵) پانچواں قول جس کو خطیب شربینی نے بقاعی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قول اولیٰ ہے وہ یہ ہے کہ "اہلِ بیت" سے مُراد سب تعلقدار، ازواج و اولاد علیہم السلام اور وہ خدام ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ممتازانہ لزوم و تعلق تھا جیسا کہ حدیث شریف میں سلمانؓ فارسی کی نسبت وارد ہے کہ سَلۡمَانُ مِنَّا اَہۡلَ الۡبَیۡتِ۔ یعنی سلمانؓ ہم سے یعنی اہلِ بیت سے ہے۔

۲۔ دُوسرا قابلِ غور امر یہ ہے کہ اگر اذہاب الرجس اور تطہیر سے مُراد محض فضل و موہبت کی رُو سے گناہوں سے پاک کرنا ہے۔ بغیر اس کے کہ کسی عمل کا عوض یا صلہ ہو، تو یہ معنی اُس صورت میں کہ "اہلِ بیت" سے مُراد اُمہات المؤمنینؓ ہی ہوں جیسا کہ ابن عباسؓ اور عکرمہؒ کا قول ہے نظمِ قرآنی سے نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ اگر ان الفاظ کو در رنگِ تبلیغ اوامر و نواہی دیکھا جائے تو ان کے معانی زیادہ صحیح ہو جائیں گے یعنی اے اہلِ بیت اللہ تعالیٰ تم سے ناپسندیدہ امور کے دُور کرنے کا اور تمہیں پاک و صاف کرنے کا

اِرادہ رکھتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اگر تم نے اوامر و نواہیٔ شرعیہ کے مطابق عمل کیا تو اس کا نتیجہ اور اجر تمہارے لیے یہ ہو گا کہ تم کو اللہ تعالیٰ پاک و مصفیٰ کر دے گا۔ آیۂ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور صدورِ خطا اُن سے ناممکن ہے۔

ایک اور آیتِ قرآنی بھی اسی دُوسرے معنی پر شاہد ہے۔ قولہٗ تعالیٰ :-

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (مائدہ ـ ۶)

ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ (تبلیغِ احکامِ شرعیہ سے) تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس ذریعہ سے تم کو پاک کرنا اور تم پر اپنے اِنعام و احسان کو پُورا کرنا چاہتا ہے۔

اور اسی معنی کو ایک اور جگہ بھی اِرشاد فرمایا۔ قولہٗ تعالیٰ :-

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۔ (نساء ـ ۲۶)

ترجمہ۔ خُدا چاہتا ہے کہ اپنی آیات تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ ہدایات و احکامات تمہارے پاک کرنے کے لیے بھیجتا ہے اور تمہیں مامُور فرماتا ہے۔ جس کی غایت یہ ہے کہ جس نے تعمیلِ امرِ خُداوندی کی اُس نے مُوجبِ طہارت حاصل کر لیا۔ اور جس نے خلاف ورزی کی وُہ اِس سے محرُوم رہا۔ معلوم ہُوا کہ تطہیر بدیں معنی یعنی تنزیلِ احکام و ہدایاتِ قرآنیہ سب اہلِ ایمان کو شامل ہے۔ صرف اُمہات المومنینؓ و آلِ عبا علیہمُ السلام کے ساتھ مخصُوص نہیں۔ لہٰذا ہر دو فریقین یعنی سُنّی و شیعہ کا اِس پر زور لگانا کہ آیۂ تطہیر میں لفظ اہلِ بیت سے مُراد بقرینۂ سیاق و سباق آیت ازواجِ مطہرات ہی ہیں یا آلِ عبا ہی ہیں صحیح نہیں اور نہ ہی اِس آیت کا مفاد جُداگانہ اور مُمتازانہ تطہیرِ خاص ازواجِ مطہرات یا آلِ کسا۔ یا ہر دو کے لیے ہے۔ کیونکہ آیت مذکُورہ کے نظائر دیگر آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہو چکے ہیں۔ اس لیے سُورۂ احزاب کے تیسرے رکُوع کی عبارت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ .... وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ تک کا مطلب یہ ہُوا کہ اَے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ازواجِ مطہرات سے کہہ دو کہ تمہارے پاک اور اچھا کرنے کے لیے یہ احکامات بھیجے گئے ہیں۔ پس ازواجِ مطہرات کی تطہیر بھی دیگر افرادِ اُمّت کی طرح بہ تبلیغِ شرائع ہو گی نہ یہ کہ محض موہبت کے طریق سے۔ اور بغیر عوضِ عمل اُن کو پاک کیا گیا اور بخشا گیا۔ البتہ جُداگانہ اور مُمتازانہ تطہیرِ آلِ کسا، حدیثِ ذیل اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے :-

ترجمہ حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضُور علیہ السلام اُن کے گھر بستر پر آرام فرما تھے اور اُوپر خیبر سے لائی ہُوئی ایک اُونی چادر لی ہُوئی تھی۔ اِس حال میں جنابِ فاطمہؓ ایک برتن لائیں جس میں طعام تھا حضُور علیہ السلام نے انھیں فرمایا کہ اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو بھی بُلا لو۔ جب یہ حضرات کھانا تناول فرما رہے تھے تو آیتِ تطہیر نازل ہُوئی۔ حضُور علیہ السلام نے اپنی چادرِ مُبارک کا کچھ حِصّہ اُن کے اُوپر ڈال کر اُنھیں اُس میں ڈھانپ لیا۔ پھر چادر سے ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اِشارہ کرتے ہُوئے فرمایا۔ اَے خُدا یہ میرے خاص اہلِ بیت ہیں۔ اِن سے رِجس اور ناپاکی زائل فرما کر انھیں خُوب پاک فرما دے۔ آپؐ نے تین بار اِس طرح فرمایا۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے چادر کے اندر سر کر کے عرض کیا۔ یا رسُولؐ اللہ میں بھی آپؐ کے ساتھ ہُوں۔ آپؐ نے جواباً دو بار فرمایا تو بھلائی کی طرف ہے۔

اِس حدیث سے آلِ کسا یعنی سیّدۃُ النّساء، حسن، حُسین اور علی علیہمُ السلام کے لیے جُداگانہ تطہیر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ آیتِ

تطہیر کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنہی حضرات کو چادر کے اندر داخل کرنا اور پھر تین مرتبہ دُعا مانگنا اور فرمانا فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا بے شک ایک نرالی تطہیر ہے۔ اِس طھرھم کے یہ معنی نہیں کہ آلِ کسا علیہم السلام کے لیے جُداگانہ احکام شرعیہ بھیج۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو طہارتِ کاملہ سے مطہر فرما۔ اِس حدیث میں جملہ اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی وخاصتی قابلِ غور ہے۔ ان چارتن پاک کی خصوصیت لفظ خاصتی سے تو ظاہر ہے ہی۔ اِس کے علاوہ لفظ ھؤلاء سے جو خصوصیت و اِمتیازِ وصف (اہل بیت) مقصود ہے وُہ اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشفی بیان سے بھی بُطابق روایاتِ کثیرہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آیۂ تطہیر کا نزول آلِ کسا یعنی سیدۃ النسا، حسن و حسین وعلی علیہم السلام اور اُن کی اولاد کی شان میں ہے۔ چنانچہ وُہ باب ۲۹ فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: سادات فاطمیہ جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور جو لوگ اہل بیتؓ میں شمار ہیں جیسے حضرت سلمان فارسیؓ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ اور وُہ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں حشر اُن کا اِس حال میں ہوگا کہ مغفور ہوں گے۔ لیکن اِس مغفرتِ کاملہ کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ دُنیا میں اگر اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس پر شرعی حد جاری ہوتی ہے تو وُہ اُن پر بھی جاری کی جائے گی۔

جیسے توبہ کے باوجود زانی پر ثبوت جُرم کے بعد حد لگائی جاتی ہے۔ اور جو ایک صحابی حضرت ماعزؓ کے قصہ سے ظاہر ہے جنہیں توبہ کرنے کے بعد بھی شرعی حد لگائی گئی۔ لہٰذا مسلمان کو یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وُہ اِن لوگوں کی مذمت یا تحقیر کرے جن کی پاکیزگی اور تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ محض عنایتِ ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ اللّٰھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ۔

پھر اسی باب میں لکھتے ہیں:۔

فلو کشف لک یاولی عن منازلھم عند اللہ فی الآخرۃ لوددت ان تکون مولیٰ من موالیھم۔

یعنی اے دوست اگر اللہ تعالیٰ تمہارا حجاب دُور فرما کر تمہیں اہل بیت کی شان اور رُتبہ جو اُن کو عنداللہ آخرت میں حاصل ہوگا، دکھائے تو ضرور تو تہ دل سے اُن کی غلامی کو چاہے۔

یہ ساری تحقیق اِس طرف اِشارہ کرتی ہے کہ آیۂ تطہیر کا مورد خواہ اُمہات المومنین ہوں، یا مع آلِ کسا، یا صرف آلِ کسا علیہم السلام، تطہیر اور اذہاب الرجس بصورت تنزیلِ احکام وہدایات شرعیہ نہیں (جو سب اہل ایمان کو شامل ہے) بلکہ یہ بمعنی عفو و مغفرت در آخرت ہے۔ خطا کا صدُور بہر کیف مطہرین سے ممکن ہے۔ البتہ حشر اُن کا آخرت میں مغفرت کاملہ کی صُورت میں ہوگا۔ اس بیان سے یہ خیال بھی نہ کیا جائے کہ آیت تطہیر کا مطلب پابندیٔ اوامر و نواہیٔ شرعیہ سے اباحت و آزادی ہے۔ بلکہ یہ فضل و عنایت خاص ایزدی کی بشارت ہے جو بحسب اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا پابندیٔ احکام کے منافی نہیں۔ ۵۴

آیتِ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر

حضرتؒ فرماتے ہیں:۔ سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو تحریری دعوتِ اسلام دی۔ اُن کے چودہ منتخب آدمی بہ قیادتِ عبدالمسیح عُرف عاقب مدینہ پاک پہنچے۔ اور بڑے مکلف اور ریشمی لباس پہن کر مسجدِ نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توجہ نہ فرمائی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وُہ لوگ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اُس سے فارغ ہو کر دوبارہ حضوُر میں آئے مگر پھر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف متوجہ نہ ہُوئے۔ وُہ لوگ مسجد سے باہر چلے گئے۔ اور حضرات عثمانؓ بن عفان، عبدالرحمنؓ بن عوف اور علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کی متکبرانہ اور جاہ وجلال والی روش سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت مبارک مکدر ہوگئی ہے۔ اگر آپ

سادہ کپڑے پہن کر جائیں تو اُمید ہے ضرور توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ جب یہ لوگ سادہ کپڑے پہن کر حاضر ہُوئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ قسم ہے خُدا کی جس نے مجھے سچا رسُول بنا کر بھیجا ہے کہ کل جس وقت یہ لوگ آئے تھے اِن کے دِل غرُور سے بھرے ہُوئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو شروع ہُوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُنہیں دعوتِ اِسلام فرمائی مگر اُنھوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنتظارِ وحی کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہُوئی:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۝

(آلِ عِمران: ۵۹ تا ۶۱)

آیت کا مطلب:۔ "اللہ تعالےٰ کے نزدیک عیسےٰ کا حال مثل آدمؑ کے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُسے مٹی سے بنایا اور کہا "ہو" اور وُہ ہو گیا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں سے مت ہو۔ اگر کوئی اِس علم اور دانست کے بعد تُم سے اِس بات پر جھگڑے تو اُس کو کہہ دو کہ فریقین معہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے مل کر جھوٹوں پر عجز و انکسار سے لعنت کریں (یعنی مُباہلہ کریں)"

یہ کلامِ الٰہی سُن کر بھی وُہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے۔ اِس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کریں اور مشورہ کے لیے اُنہیں وقت دیا۔ اپنی فرودگاہ میں پہنچ کر اُن کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ دِل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی برحق مانتے ہیں۔ اور اُن کا بیان دربارۂ مسیح علیہ السلام بھی مدلّل اور معقول ہے۔ لہٰذا مباہلہ کرنا میرے نزدیک ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقیناً ہلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صُلح کریں۔

سب نے یہ رائے پسند کی اور دُوسرے روز جب حضورِ نبویؐ میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حُسین علیہ السلام کو گود میں اُٹھائے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہُوئے ہیں۔ جناب سیدۃ النساءؓ آپ کے پیچھے اور سیدنا علیؓ اُن کے پیچھے تشریف لا رہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آجائیں تو میں دُعا مانگوں گا اور تم سب مل کر "آمین" کہنا۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے اُن سے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ مُنہ خدائے تعالےٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالےٰ ضرور اُسے پُورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ حسبِ رائے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ اور اِس بات پر صُلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار حلّہ (پوشاک) سالانہ حضور میں بطور جزیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اِسی پر صُلح ٹھہری۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آلِ عبا یعنی علی و حسن و حسین و سیدۃ النسا علیہم السلام کا ایک جُداگانہ قُرب بحضُورِ نبویؐ تھا۔ پنجتن پاک کا یہ کیفیت مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر اور عجیب نظارہ ہوگا اور دیکھنے والے محوِ حیرت ہوں گے۔

الٰہی بحُرمتِ آں وقتیکہ پنجتن پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام برائے مباہلہ تشریف فرما شدند ایں سیاہ جریدہ تر دامنے را مع اقارب

و دوستان و سائر برادرانِ اسلام و اخوانِ طریقت و ہمگی اُمتِ مرحُومہ بہ بخشا کہ بغیر از فضل و کرم تو در دست نداریم۔ خَلَقْتَنَا مَجَّانًا وَرَزَقْتَنَا مَجَّانًا فَاغْفِرْ لَنَا مَجَّانًا فَإِنَّكَ قَدِيمُ الْإِحْسَانِ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَلَطِيفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِيفٍ وَلَطِيفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِيفٍ، فَالْطُفْ بِنَا كَمَا لَطَفْتَ فِي ظُلُمَاتِ الْأَحْشَاءِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ بِحُرْمَةِ حَبِيبِكَ رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَأَدِمْ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ٥

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ آیتِ مباہلہ میں کلمہ اَبْنَاءَنَا میں حسنین پاکؑ کو فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ثابت ہے اور اس کی تائیدِ مزید میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت کا ذکر فرمایا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین پاکؑ کے متعلق ارشاد فرمایا "هٰذَانِ اَبْنَایَ وَابْنَا بِنْتِي"۔ یہ دونو میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔

کلمہ "نِسَاءَنَا" کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ بصیغہ جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرزِ عمل نبویؐ سے واضح ہوگیا کہ مُراد سیدۃ النساءؑ جگرپارہ رسولؐ ہیں۔

کلمہ اَنْفُسَنَا" اور اس کی تائید میں حضرتؒ نے متعدد احادیث سے کمالِ اتحاد اور قرابت مابین نفسِ نبویؐ اور نفسِ مرتضویؓ ثابت فرمائی ہے۔ اور حضرت شیخ اکبرؒ کا یہ کشفی بیان مندرجہ فتوحاتِ مکیہ "بیان فرمایا کہ حقیقتِ کُلیہ بعد ورودِ تجلّیِ نوری سے سب سے پہلے قبولِ فیض وانعکاس حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور پھر اُس حقیقت سے سب سے قریب تر حقیقتِ امام اولیاء حضرت علیؓ کی تھی۔ پھر حضرتؒ نے حدیث غدیر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے (جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے) کہ جس طرح مومن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان ومال سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے اُسی طرح حضرت علیؓ کو بھی محبوب جاننا لازمی ہے۔ یہاں حضرتؒ نے ولا اور عداوت کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ اس حدیث شریف میں مولا کے معنی محبوب کے ہیں۔ ۵۶۱

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے "المناقب" میں اہل بیتؓ کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ "تاریخ الخلفا" میں اُن کا یہ قول تحریر ہے کہ جس قدر احادیث حضرت علیؓ کی شان میں ہیں، کسی اور صحابی کی شان میں نہیں۔ "صواعق محرقہ" میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کسی سید زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربیؒ "فتوحاتِ مکیہ" میں آیتِ تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام ساداتِ بنو فاطمہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اور لوگ بھی جو اہلِ بیتؓ میں شمار کیے گئے ہیں، سب بضمن حکمِ مغفرت اس آیت میں داخل ہیں۔ وہ طاہر و مطہر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس عنایت خصوصی کا نتیجہ ہے جو آں حضرتؐ کے حال پر ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ اُن حضرات کی مذمت کرے جن کی پاکیزگی کی اور بُرائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم اُن کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض عنایتِ ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل کرتا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ "لطائف المنن" میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مندرجہ بالا ارشاد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخؒ نے فضائل اہل بیتؓ کرام میں یہ دو اشعار خوب کہے ہیں:۔

فَلَا تَعْدِلْ بِأَهْلِ الْبَيْتِؓ خَلْقًا ۔۔۔ فَأَهْلُ الْبَيْتِؓ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَه

فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ ۔۔۔ حَقِيقِيٌّ وَحُبُّهُمْ عِبَادَه

ترجمہ:- اہلِ بیتِ نبیؐ کے برابر کسی کو مت سمجھو، کیونکہ وُہ اہلِ سیادت ہیں۔ اُنؓ کا بُغض انسان کے لیے حقیقی خسارہ ہے اور اُنؓ کی محبت عبادت ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولادِ رسولؐ کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ اُن کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ بُرے اعمال کی وجہ سے شرفِ نسب میں کمی نہیں ہوتی۔

مزید تفصیل کے لیے بندہ کی تالیف فتنۂ یزیدیت اور کتاب "برکاتِ آلِ رسول" ترجمہ از حضرت مولانا عبدالحکیم شرف صاحب کا مطالعہ ضروری ہے۔ نیز امام احمد بن حنبل کی تصنیف 'المناقب'، امام نسائی کی 'الخصائص'۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی کی 'منقبۃ المطہرین'۔ علامہ محب بجری کی 'ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ'۔ سید ہمدانی کی 'مودۃ القربیٰ'۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی 'مناقب ائمہ اثنا عشر'۔ مولانا جامی کی 'شواہد النبوت'۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی 'سرّ الشہادتین'۔ اور علامہ ابن حجر ہیثمی کی 'صواعق محرقہ' بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔

ان علمی خزائن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ بیتؓ رسولؐ کس شان کے مالک ہیں۔ نیز تاریخِ اسلام اور بزرگانِ دین کے احوال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمالاتِ محمدیہ کا جو خصوصی ظہور آپؐ کی پاک و طیب اولاد کے بعض کاملین سے ہوا ہے، اُس کی مثال دیگر اکابرینِ ملت میں کہیں نظر نہیں آتی، کیونکہ ان حضرات کو کمالاتِ کسبیہ کے علاوہ جو فضائل بطورِ وراثہ وہبی طور پر عطا ہوئے ہیں، اُن میں یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ فضائل درحقیقت وُہی فضائل و کمالاتِ محمدیہ ہیں، جو اس پاک خاندان میں نسلی طور پر اور بطریقِ وراثت جلوہ گر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ پہلے عرض ہو چکا ہے، انبیا علیہم السلام کی وراثت یہی جوہرِ فضل و کمال ہے نہ کہ مال و منالِ دُنیوی۔

اسی وجہ سے حضرت قبلۂ عالم نے اپنے ملفوظات و تحریرات میں وضاحت فرمائی ہے کہ چُونکہ فضائلِ اہلِ بیتِ کرامؓ موہُوبی ہیں، اس لیے کوئی شخص ریاضات و مجاہدات سے، خُونِ نبویؐ کی تاثیر و فیوض و برکات کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ جو کچھ بھی حضراتِ اہلِ بیتؓ کرام کو اس طور پر عطا ہوا وہ اُن کی کوشش کا نہیں بلکہ محض عنایتِ ازلی کا نتیجہ ہے۔ جیساکہ آیۂ تطہیر سے ثابت ہے۔ اور طالب جب تک اس مقام پر نہ پہنچے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے ذوق و شوق سے رُوشناس نہیں ہو سکتا۔ ان حضراتؓ کی رفعتِ شان کے متعلق کچھ اربابِ بصیرت و کشف و شہود اور قلندرانِ اویسیہ ہی بتلا سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کو بھی اللہ تعالےٰ نے اسی وہبی علم سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جس کی تائید حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے بھی یوں کی ہے۔

حضرتؒ کی ایک عظیم الشان کرامت آپ کے علم بیکراں کی وُہ خُداداد دولت تھی جو ہمہ وقت جلو میں دست بستہ حاضر رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرف میں لے آتے۔ جس کے دُرہائے آبدار تصنیفات اور ملفُوظات میں بکثرت بکھرے نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکیؒ مفتیٔ عرب و عجم نے جن کے حضُور میں عیسائی دُنیا کے مشہُور مناظر فنڈر کو آگرہ میں لاجواب ہو کر تحریری شکست نامہ پیش کرنا پڑا تھا حضُور کے اس خزینہ کو علمِ لدنی قرار دیا۔ ۵۷۷

اب پیر صاحب قدس سرہٗ کی علمی فضیلت ملاحظہ ہو:-

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

جیسا کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ ایّامِ طالب علمی سے ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کی شہرت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ برِصغیر کے ہر مکتبِ فکر کے اکابر علمائے کرام مثلاً مولینا فضل حق صاحب رام پوری، اُستاذ العلماء مولینا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور اُن کے شاگرد رشید حضرت مولینا احمد حسن صاحب کانپوری، مولینا شاہ وصی احمد صاحب محدث پیلی بھیتی، شمسُ العلماء مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولینا عبد الباری صاحب فرنگی محلی، مولینا محمد دیدار علی شاہ صاحب لاہوری، مولینا نظام الدین صاحب وزیر آبادی صاحب فتاویٰ "سُلطان الفقہ" مولینا علی گوہر صاحب تونسوی، مولینا سید غلام حسین صاحب مظفر گڑھی، عُلمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الحدیث علامہ انور شاہ صاحب کشمیری اور غیر مقلدین کے پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور کئی دیگر عُلمائے عظام نے، جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں ہند و پنجاب کے کسی اور بڑے درس میں زیرِ تعلیم رہے تھے آپ کی اِس شہرت کی اُس وقت تصدیق کی جب آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر مرجعِ خلائق ہُوئے یا آپ کی تصانیفِ عالیہ کا شہرہ دُنیائے علم میں بلند ہُوا یا پھر جب قادیانی مدّعی نبوّت سے مقابلہ ہُوا۔

بحث کے دوران حضرتؒ کے سوالات کی بندش مُجیب کو متحیّر کر دیتی تھی۔ آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہُوا کرتا تھا۔ اکثر معترض کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اِس طرح لوٹا دیتے تھے کہ وُہ لاجواب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفتا کے جوابات اِس قدر بلیغ اور تسلّی بخش ہوتے کہ سائل اور حاضرینِ مجلس کے دِلوں میں اُتر جاتے۔ مقابل پر اعتراض کی یہ تحیّر خیزی اور سائل پر جواب کی اثر پذیرائی گویا کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کی تفسیر کا حُکم رکھتی تھی۔

جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیقِ حق اور ابطالِ باطل کی گرمجوشی میں تسبیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور آستین چڑھا لیتے۔ پھر کیا تھا، موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ ایسے موقعہ پر فرما دیتے: "ہم نے بھی طالب علمی کی ہُوئی ہے"۔ جس سے آپؒ کی فطری تواضع اور انکسار کا پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہ پاتا۔

حضرتؒ کی عام گفتگو نرم اور دلپسند ہوتی تھی۔ بلند اتنی کہ مجلس کے ہر گوشہ میں صاف سُنائی دے اور خوشگوار اتنی گویا چاندی کی گھنٹی بج رہی ہو۔ سُنّتِ پاک کی تعمیل میں اِس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ایک ایک لفظ الگ الگ کیا جا سکتا تھا دوران گفتگو کسی وقت قدرے مسکراہٹ اور کسی وقت آہ سرد کا سوز و ساز، تقریر کی لذّت کو دوبالا کر دیتا تھا۔ دلالتِ کلام، استفہام، استعجاب اور دیگر نکات کی ادائیگی میں کسی وقت دستِ مُبارک بڑے لطیف اور دلکش پیرایے میں خفیف سی حرکت میں آ جاتا اور یہ اشارات بے حد پیارے اور بھلے معلوم ہوتے۔ اِس چیز کو بالعموم حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے کمالاتِ لدُنّیہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپؒ کی مجلس سے ہر سائل مطمئن اور ہر مناظر ساکت اور صامت ہو کر لوٹتا تھا۔

ایک روز آپ انجمن نعمانیہ لاہور کی مسجد میں مشغولِ وظائف تھے کہ مدرسۂ نعمانیہ کے دو طالب علموں نے وہاں آکر اپنا سبق دُہرانا شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے "کافیہ" کی یہ عبارت پڑھی :-

اَلْمَرْفُوْعَاتُ هُوَمَا اشْتَمَلَ عَلیٰ عَلَمِ الْفَاعِلِيَّةِ فَمِنْهُ الْفَاعِلُ

مرفوع وُہ اِسم ہے جو علامتِ فاعل پر مشتمل ہو۔ اِن میں سے ایک چیز فاعل ہے۔

اِن طالب علموں نے فَمِنْهُ الْفَاعِلُ کے مِنْ کو بعضیہ قرار دیا۔ حضرتؒ کے گوشِ مُبارک پر یہ آواز پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ یہاں مِنْ کو بعضیہ تم خود کہہ رہے ہو یا تمہارے اُستادِ محترم نے اس طرح پڑھایا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پڑھایا ہی اسی طرح گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ تم سمجھے اور نہ تمہارے اُستادِ محترم، اُنہوں نے پُوچھا یہاں مِنْ تبعیضیہ نہیں تو کیا ہے۔ فرمایا تمہارے اُستاد ہوتے تو بات کرتا۔ وُہ لڑکے اُسی وقت اپنے اُستاد کو بُلا لائے۔ جنہوں نے آتے ہی پُوچھا: میاں کیا آپ نے مِنْ بعضیہ کو غلط کہا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اُستاد صاحب نے وجہ پُوچھی تو فرمایا "مِنْ تبعیضیہ کا مدخول کل ذوالابعاض ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مُفرد ہے کُل نہیں"۔

مولوی صاحب نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہُوئی کیونکہ ضمیروں کا معنیٰ ان کا مرجع ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں مرجع مرفوع ہے جو کہ المرفوعات سے معلوم ہو رہا ہے اور وُہ کُلی ہے۔ حضرت نے فرمایا بے شک وُہ کُلی ہے مگر مِنْ کا مدخول کل ہوا کرتا ہے نہ کُلی۔ کُل اور کُلی کے درمیان فرق بیّن موجود ہے یعنی مِنْ بعضیہ کا مدخول کُل ذوالابعاض ہوتا ہے نہ کہ کُلی ذوالافراد۔

مولوی صاحب اِس مسئلہ پر تو خاموش ہو گئے مگر شاگردوں کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے مناظرانہ گفتگو شروع کر دی اور پُوچھا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں هُمْ کی حیثیت کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا یہ ضمیرِ فصل ہے۔ مولوی صاحب نے دُوسرا سوال کیا کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (اگر اللہ کے
۱۰۵
سوا اور معبود ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی) میں لفظ اٰلِهَةٌ جمع ہے اور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو اس آیہ کریمہ سے تین یا تین سے زیادہ معبُودوں کی نفی تو ہو گئی مگر دو کی نفی تو نہ ہُوئی۔ پھر یہ آیت مثبت توحید کیوں کر ہُوئی؟

آپؒ نے جواب دیا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ میں ثبوت توحید کی مدار ترتّب تالی یعنی کلام کے آخری حصہ لَفَسَدَتَا پر ہے۔ اور ترتّبِ تالی جس طرح تین یا زائد پر ہوتا ہے اُسی طرح دو پر بھی ہوتا ہے۔ پس لزوم فساد جس طرح تین یا زائد سے ہوتا ہے اُسی طرح دو سے بھی ہوگا۔ لہٰذا استدلال تام ہے۔

حضرتؒ نے یہ جواب دے کر مولوی صاحب سے فرمایا۔ اب آپ فرمائیں کہ اثباتِ توحید کے لیے یہاں اقل درجہ اِلٰهَيْن (دو معبُودوں) کا ذکر چھوڑ کر جمع لانے میں کیا حکمت ہے۔ اس پر مولوی صاحب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

دُوسرے روز انجمن کے صدر اور اراکین نے مولوی صاحب کے ہمراہ آکر حضرتؒ کو مدرسہ کی صدارتِ اساتذہ کے منصب کی پیش کش کی مگر آپ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔
۱۰۶

سنہ ۱۳۰۷ھ میں ایک روز اچانک حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مولٰینا محبُوب عالم فرماتے تھے کہ لاہور کے ایک صاحب ہدایت اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ شوقیہ اور فراقیہ اشعار شائع کیے تھے جو حضرتؒ کی نظر سے گزرے۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اچانک اُٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے۔

لاہور پہنچ کو اپنے دیرینہ عقیدت مند اور پیر بھائی حافظ محمد دین سے فرمایا کہ
حج کا ارادہ ہے۔ اُنہوں نے اُسی روز اپنی اہلیہ کے زیورات رہن رکھے اور ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ بمبئی سے جہاز پر
سوار ہوئے جو کراچی اور کامران ہوتا ہوا جدہ پہنچا۔ ۱۱۶ ۱۷

درود مستغاث پر گفتگو

جہاز میں ایک صاحب درود مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ اَلْمُسْتَغَاثُ اِلٰی حَضْرَتِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بار بار آتا ہے۔ یہ درود شریف اکثر بزرگانِ دین اور خصوصاً حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ اور اُن کے متوسلین کے معمولات سے ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ہرگز ناغہ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں عجیب وغریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے مؤلف کے متعلق اس نواح میں طبع شدہ نسخوں میں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں مجھے رجب ہندی کی دکان واقع مدینہ عالیہ پر اس کا ایک نسخہ مطبوعہ قسطنطنیہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب دہندہ کا نام سید احمد کبیر رفاعیؒ تحریر تھا جو مشاہیر عراق میں سے ہوئے ہیں اور حضرت غوث الاعظمؓ کے ہم عصر اور اُن سے مستفیض تھے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ البرہان المؤید کے نام سے موسوم ہے جس کا اُردو ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے بھائی مولوی ظفر احمد تھانوی نے کیا ہے اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس پر تقریظ تحریر کی ہے۔ اگر درود مستغاث شریف حضرت احمد رفاعیؒ کی ترتیب ہے تو ندائے غائبانہ کے جواز پر ایک اور بہت بڑے بزرگ کا عمل بھی دلیل بن جاتا ہے جس کی ولایت پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ بہرحال جہاز میں ایک مکرانی عالم نے ندائے غائبانہ پر اعتراض کیا۔ نظام المشائخ دہلی کے مطابق جن وظیفہ خوان حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا۔ وہ خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی (ہزاروی) تھے۔ انہوں نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ جب مکرانی مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جواز میں ثبوت مانگا۔ آپ نے فرمایا حدیث بخاری۔ وہ کہنے لگے۔ حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی تیس برس سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں اور ایسی ندائے غائبانہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی ہماری طرح ہی ایک انسان ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا اُن کے سامنے آپ یہ فقرہ کہہ دیں گے۔ فرمایا ہاں کہہ دُوں گا۔

اُن دنوں حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی مدرسہ صولتیہ کی صدارت پر متمکن تھے اور یہ آپ کی عمر شریف کا آخری سال تھا کیونکہ اگلے سال ہی یعنی ۱۳۰۹ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ جہاز میں حضرتؒ کے درودِ مستغاث شریف پر گفتگو کرنے والے مولوی صاحب مدرسہ صولتیہ کے طالب علم تھے اور وطن سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ اُنہوں نے مکہ شریف پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ وہ صاحب ملیں تو اُنہیں لے آیئے گا۔ اُن کے دلائل سنیں گے۔ مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس جناب مولینا محمد غازی جوش میں آ گئے۔ اور اُنہوں نے حضرتؒ کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو لاجواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیئے۔

مولینا محمد غازی موچی کڑی علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔ مولینا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی۔ اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کرکے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہوگئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تامہ تھی۔ جب حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ سے ملاقات ہوئی تو محبت و شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہوگئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے مستعفی ہوکر گولڑہ شریف آگئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گذار دی۔ حضرت اجی صاحبؒ کے پہلو میں دفن ہیں۔ ردِ وہابیت میں عجالہ آپ کی تحریری یادگار ہے۔

حضرت بابوجی مدظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام معین الدین المعروف جناب لالہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاد محمد غازی فرماتے تھے کہ ابتداءً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا چرچا ہوا۔ کہ ایک پنجابی سید بڑا عالم و فاضل اس سال حج کے لیے آیا ہے۔ اور اُس مکرانی طالب علم سے دُرود مستغاث پر جہاز میں گفتگو کا حال بھی معلوم ہوا۔ تو انہیں دیکھنے کا بیحد اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دُوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پُوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبدالرحمٰن چھوروی (ہزاروی) کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا۔ جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جُونہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہوگئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔ میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آنسو چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا۔ کس شیخی سے آیا تھا اور کیسے رو رہا ہے۔ مگر جب میں نے بالآخر اُس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے ہم سے حال دریافت فرمایا مگر مجھ سے بات نہ ہوسکتی تھی۔ آخر کار میں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لیے عرض کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہُوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میرے لیے یہی جگہ اچھی ہے۔ لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا دیں ٹھہ جاؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کے لیے سہولت ہوگی۔ یہاں بہ پاسِ ادب بہت دُور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولینا محمد غازی فرماتے تھے کہ اُن دنوں حضرتؒ پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہوجاتی۔ عموماً حرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یادِ خدا میں مستغرق رہتے۔ بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاذبیت اور کشش ہوتی۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا۔ مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا تقاضہ ہے۔ کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی کہ فنِ قرأت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں۔ سند لے کر انشاءاللہ حاضر ہوجاؤں گا۔ آپ نے فرمایا، مولوی صاحب کیا ہوا۔ ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا۔ بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہوگیا۔ مغربی اُستاد محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھتا جاتا ہُوں۔ آپ سُنتے جائیں تاکہ اس طرح فنِ قرأت کی تکمیل ہوجائے۔ لہذا اس طور سے تکمیل کی۔

١١٨

مولینا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیہ میں قیام کے دوران ایک روز مولینا رحمت اللہ صاحب نے آپ سے ملاقات پر پُوچھا کہ جہاز میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہُوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہُوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے۔ بطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے۔ مولینا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جائز سمجھتا

ہُوں ۔ مولینا نے دلیل طلب کرتے ہُوئے کہا کہ "یارسُولَ اللّٰہ" کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں ۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نکیرین مُردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے ۔ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ (تم اِس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے) ھٰذَا موضوع ہے محسوس مُبصر قریب کے لیے اور الرجل موضوع ہے مذکر مُفرد کے لیے جو بنی آدم سے ہو ۔ لہٰذا وہاں قبر میں محسُوس مُبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے ۔ اور وُہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں ۔ غیر وضعی معانی لینا خلاف اصل ہے ۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسب مضمون حدیث مذکور ، ہر جگہ رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہُوا تو کیا بعید ہے کہ رُوئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں ۔

اِس تقریر کا یہ اثر ہُوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علمِ لدُنی ہے ۔ ہم سالہا سال سے بُخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں ۔
حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور مُنصف مزاج عالم تھے اِس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آجانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمالیا ۔ اسی مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و ملفوظات میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا ایک مفصّل مکتوب بھی قابل دید ہے ۔ آپ کی کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علمِ غیب 119
وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے نیز مسئلہ حاضر ناظر پہ ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں ۔ مُہر منیر ص ۲۵۵

رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدِہ العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر ناظر ہونا ۔ تو یہ امر مختلف فیہ ہے ۔ فَقَائِلٌ وَّ مُنْکِرٌ وَّ لِکُلٍّ وَّجْھَۃٌ " میرے خیال میں ظہور و سریانِ حقیقتِ احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے ۔ اِس کو حقیقت الحقائق کہتے اور لکھتے ہیں ۔ فَھُوَ نُوْرُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلًا ۔ جو بصورتِ معنویہ قلب تقی نقی اور جسدِ شریفِ عنصری کے ظاہر ہُوا ۔ ظہورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورت مثالیہ شریفہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیثِ صحیحہ میں ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے ۔ کمافی حدیث البخاری فی کتاب الایمان ۔ اہلِ تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کرتا نا مرتا نا اتفاق ہوتا رہتا ہے ۔ البتہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہلِ مشاہدہ سے ملتا ہے اور بلحاظِ واقعہ معراج شریف و خصائص و لوازم مختصہ جسد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد بھی نہیں ۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ ۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حضرتؒ کی تقریر و حاجی صاحبؒ کی طرف سے عطائے سلسلۂ صابریہ

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوئے ۔ حاجی صاحب اس وقت مثنوی مولینا رُومؒ کا سبق دے رہے تھے ۔ اثنائے سبق ایک ایسا شعر آیا جس میں آرزوئے وصل کی شدّت کا اظہار تھا ۔ جناب لالہ جی صاحبزادہ غلام مُعین الدین مدظلّہ العالی اپنے سفرنامہ ممالکِ عربیہ و رُوم سنہ ۱۹۴۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک معمر سید بزرگ اُنہیں ملے تھے جو اس واقعہ کے وقت درس میں حاضر تھے ۔ وُہ کہتے تھے کہ شعر یہ تھا ۔

ہر کسے کو دُور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

ایک شاگرد نے سوال کیا کہ مولینائے رُومؒ تو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ جہاں دُوئی کا تصور ہی نہیں۔ پھر یہ وصل کی تمنا چہ معنی دارد؟ حضرت حاجی صاحبؒ نے جواب میں کچھ فرمایا مگر دریافت کرنے والے کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے پھر سوال کو دُہرایا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے عرض کیا کہ یہ طالب علم اپنے سوال کا مفہوم پُوری طرح ادا نہیں کر پا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے سوال کا منشا عرض کروں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے؟ جب حضرتؒ نے سوال کی وضاحت فرمائی کہ وصل ایک امرِ اضافی ہے جو دُوئی کا متقاضی ہے۔ حالانکہ وحدت الوجُود اس کے منافی ہے تو حضرت حاجی صاحبؒ کی طبیعت بھر آئی اور فرمایا کہ اچھا اب اس کا جواب بھی آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرتؒ نے عرض کیا وصل کے معنی ہستی موہومہ کو مٹانا ہے۔ غیریت کی نفی نفس الامر میں ہے اور حقیقت میں محبوبِ حقیقی کے بغیر کوئی غیر موجود نہیں۔ مگر وہم کے غلبہ سے تغائر پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک فنائے کامل حاصل نہیں ہوتی۔ طلب اور عشق کے تمام منازل میں ایک وہمی غیریت باقی رہتی ہے۔ اس لیے فراق بھی ہوتا ہے اور وصال کی طلب بھی ہوتی ہے۔

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وہ باطل ہُوں میں

حضرتؒ نے اپنی جوابی تقریر کو خواجہ حافظؒ، مولینائے رُومؒ اور دیگر عرفاء کے کلام از قسم

تو مباش اصلاً کمال این است و بس
رُو در وگم شو وصال این است و بس

اور حضرت شیخ اکبرؒ کے برجستہ ارشادات سے مُزیّن و مرصّع کر کے کچھ ایسے پُرکیف انداز میں ادا فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ وجد میں آ گئے اور آپ کو بے حد رِقّت ہُوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو کمرہ کے اندر تشریف لے گئے اور اپنا سلسلۂ چشتیہ صابریہ لا کر حضرتؒ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں۔ مگر میں چاہتا ہُوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرتؒ فرماتے تھے میں نے عرض کیا آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا میں بھی تقریباً تیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مُبتلا ہُوں۔ جناب بابُوجی مدظلہٗ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے اس کیفیت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ جس شخص کا مطمحِ نظر ذات ہو وہ آثار و افعال اور صفات کی طرف ۱۲۸
متوجہ نہیں ہوتا ہے۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کے تقاضا پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے وظائف اُنہیں تلقین کیے۔ اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہُوئی۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اُسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ مگر حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس کا سدِّباب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی عُلمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے۔ اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا۔ جیسا کہ آپ کی تصانیف و ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مُراد قادیانیت تھی۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکیؒ اور آپ کا مسلک

حضرت حاجی امداد اللہؒ ۱۲۲۳ھ ہجری یعنی ۶-۱۸۰۵ عیسوی میں بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز حکومت کے خلاف ہندوستان میں جہاد میں حصہ لیا۔ ۱۲۷۶ھ یعنی ۵۹-۱۸۵۸ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں رحلت فرما کر اپنے دیرینہ رفیق اور دینی و سیاسی معاون حاجی رحمت اللہ مہاجر مکیؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ بلادِ عرب میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے موسوم تھے۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے اکثر و بیشتر علماء کو آپ سے ارادت ہے۔ گو بعض مسائل میں انہیں حاجی صاحب سے اختلاف بھی رہا۔ مگر مولانا احمد حسن کانپوریؒ، مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ، مولانا محمد حسینؒ الٰہ آبادی اور بہت سے دیگر آپ کے متوسلین علمائے کرام آپ کے مسلک کے پوری طرح پابند رہے ۱۲۹

۱۳۱ وادیٔ حمرا کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ کی قلمی تحریر کا ترجمہ

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادیٔ حمرا ڈاکوؤں کے حملے کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتیہ میں شغلِ تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسنِ ظن کی بناء پر بغرضِ خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیبِ تن فرمائے تشریف لا کر اپنے جمال باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ دو زانو بیٹھا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالمِ مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یا رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال باکمال کے متعلق کیا کہوں کس ذوق و مستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر ہیچ مدان۔ البتہ بادہ خوارانِ عشق و محبت کے حلق میں ان ابیات سے ایک جرعہ اور اس نافۂ مشک سے ایک نفحہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے:۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی یہ تحریر اور ابیات اس وقت کی سعادت عظمیٰ کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مراتب علیا اور فنا و بقا کے مقامات جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہوئے تھے جو اہل اللہ کا انتہائے مقصود ہے۔ ان کیفیات کا انعکاس آپ کی اس مشہور پنجابی نعت میں بھی صاف نظر آتا ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اور جو آپ نے اس موقعہ پر وادیٔ حمرا اور مدینہ منورہ کے درمیان موزوں فرمائی تھی۔ ایسی ہی کراماتِ عنایات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صمدیہ میں بضمن جواب سوال چہارم تحریر فرماتے ہیں: اس گروہ پاک میں سے اب بھی وہ لوگ ملتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب تفاوت مدینہ طیبہ سے دور رہتے ہوئے بھی کسی وقت میں ان انعامات سے ممتاز و مشرف فرماتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام　　عاشقِ شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
مُبتلائے حیرتم جاں گوئمت یا جانِ جاں　　اِصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام
شوقِ مُوسیٰؑ در ظہور آورد نارِ طُور را　　در نہادِ شمع آتش مے زند پروانہ ام
باجمالِ ذاتِ حسن دگر در کار شُد　　چشمِ اُورا ئیسرمہ ام یا زُلفِ اورا شانہ ام
غافل از خود ماند از صُورت چو پُر شد آئینہ
تا تُرا بشناختم جاناں زخُود بیگانہ ام

ایضاً

نخُستیں بادہ کاندر جام کردند　　مزاجش عکسِ آں گلفام کردند
ہویدا شُد در امکاں صُورتِ حق　　باں صُورت جہاں را رام کردند
ہے باتست تفصیلے ازاں رُوئے　　مکارم را باں اتمام کردند ۱۳۲

تردیدِ مرزائیت

آنجنابؒ نے ایک لادینی حکومت کی اِلحاد پرور فضا میں ایک مدّعیِ نبوّت کے خلاف کامیاب قلمی اور لسانی جہاد کیا۔ حتیٰ کہ اِس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائد تسلیم کیے گئے اور آپ کی تصانیف تردیدِ مرزائیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ اِن تصانیف کو مشعلِ راہ بنا کر، تقریر و تحریر کے مجاہدین کا ایک جمِ غفیر کمر بستہ ہو کر میدان میں اُتر آیا۔ اور اُن کی مساعی فی سبیل اللہ کی بدولت آج دُنیائے اِسلام کا ایک عام اِنسان بھی ختمِ رسالت کی قادیانی تاویل کو کفر سمجھتا ہے۔ اور قادیانیت اِس ملک میں ایک علیحدہ، بے اثر اور لاتعلق اقلیت بن کر رہ گئی ہے۔

اِنسدادِ چکڑالویت

حضرتؒ کے زمانہ میں قادیانیت کے علاوہ افراط و تفریط کی شکار اور بھی کئی مذہبی اور سیاسی تحریکیں اُبھرنے لگیں۔ مگر آپ کے وجُودِ مسعُود کے باعث پروان نہ چڑھ سکیں۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی نے حدیث کی حُجّت سے اِنکار کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ اہلِ قرآن کھڑا کر دیا۔ اِس کے مقابلہ میں آپ نے علمِ حدیث کی تدریس پر زور دے کر جابجا دورۂ حدیث کے درس جاری کرائے۔ چنانچہ ضلع ہزارہ کی مشہور درس گاہ بفہ میں آپ کے مخلص شاگرد مولینا عثمان نے اُس نواح میں پہلی مرتبہ درسِ حدیث شروع کیا۔ اگلہ علاقہ سوات میں آپ کے اُستاد مولینا سُلطان محمُود خود حضرتؒ سے سند لے کر درسِ حدیث پر کمربستہ ہو گئے۔ اسی طرح مولینا حافظ مہر محمد شیخ الحدیث جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور اور مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور بھی حضرتؒ کے حسبِ فرمان تدریسِ حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

ردِ نیچریت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے نیچریت کی تردید میں بھی جو ملک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی۔ مولوی محرم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے مخلصین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری توسّل سے تعلیمی مضامین شائع کرائے۔ تاہم سر سید احمد خاں کے مخالف عُلماء کے اِن نظریات کو بھی ناواجب قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں جُمعہ کی نماز جائز نہیں۔ حضرتؒ نے شہروں میں نمازِ جُمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صُوبہ سرحد میں از سرِ نو جمعہ کی نماز جاری کرائی۔ البتہ برطانیہ کی ایسی ملازمت کو جس میں اِسلام اور مُسلمانوں کے خلاف اقدام لازم آتا ہو، ناجائز قرار دیا۔ اور اِس امر کا اعلان آپ اُس زمانہ میں فرماتے رہے جب کہ پہلی جنگِ عظیم زوروں پر تھی اور انگریزوں کا ستارہ عرُوج پر تھا۔ ۱۴۰

بریلوی اور دیوبندی

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتیبِ فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن قیمؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبحر عالم اور خادمِ اسلام ہونے میں کلام نہیں، مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایتِ توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کے مسلکِ توحیدِ وجُودی کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بُری مثال قائم کی ہے۔ گویا اگر ہزار میں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔ حضرتؒ نے امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کو محال۔ علمِ غیب عطائی اور سماعِ موتیٰ کو برحق اور ندائے یا رسُولؐ اللہ، زیارتِ قبور، توسّل و استمداد انبیاءؑ و اولیاءِ علیہم السّلام اور ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا۔ معبُودانِ باطلہ اور اصنام کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء علیہم السّلام پر منطبق کرنے کو تحریف و تخریب سے تعبیر فرما کر مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے استدلال کی تردید فرمائی۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی صحیح تفسیر

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے معانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جیسے اکابر کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ نیاز میں ذبح ہونے والے جانور پر اگر کسی وقت بھی اصحابِ نیاز یعنی انبیاء و اولیاء کا نام لے لیا گیا۔ تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ مگر حضرتؒ نے اعلاء کلمۃ اللہ، تصنیف فرما کر قرآن و حدیث اور فقہ و لُغت سے ثابت فرما دیا کہ اِس آیۂ شریف کی مُراد صرف اُسی ذبیحہ سے ہوگی جس پر چُھری چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرْ" کی بجائے غیر اللہ کا نام پکارا جائے گا یا غرض ایصالِ ثواب اور کھانے کھلانے کی بجائے، محض غیر اللہ کے لیے خُون گرانے کی ہوگی، جیسے کہ بعض ممالک میں بادشاہوں کی تعظیم کے سلسلہ میں رسُوم ہیں یا اہلِ ہنود میں بھوگ کا طریقہ رائج ہے۔

غیر مقلّدین

طاعون زدہ آبادی سے دُوسری آبادی کی طرف موت سے فرار کی نیت سے نقلِ مکانی کو حضرتؒ نے گناہ کہا۔ لیکن علاج کے لیے کھلے میدانوں اَور باغوں میں چلے جانے کو مباح فرمایا۔ اِس پر غیر مقلّدین کے ساتھ تحریری مناظرات چل نکلے مگر میدان بفضلہٖ آپ کے ہاتھ رہا۔ اَور تمام اُمّت میں آپ ہی کا فتویٰ جاری ہُوا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے بھی اِس فتویٰ میں آپ کی تائید کی۔

تحریکِ خلافت اور تحریکِ ہجرت

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے کانگریس میں مُسلمانوں کی شمولیت اَور کانگرسی جمعیت العلماءِ ہند کی برپا کردہ تحریکاتِ خلافت وہجرت سے اِختلاف کرتے ہُوئے اُن کی تردید فرمائی۔ آپ کا اِرشاد تھا کہ خلافتِ راشدہ حقّہ صرف تیس برس قائم رہی۔ بعد میں سلطنت اَور مُلوکیت کا دَور دَورہ ہو گیا تھا۔ اگر خلافتِ اسلامیہ کو جاریہ قرار دیا جائے تو یزید علیہ مایستحقہٗ کو بھی خلیفۂ برحق ماننا پڑے گا۔ البتّہ تُرکوں کے محاربات طرابلس وبلقان میں گھر کے زیورات اَور لنگر کے گھوڑے تک چندہ میں دے دیئے تھے۔ کانگریس اَور خلافت کمیٹی کے گٹھ جوڑ کے ایام میں جن مسلمان کانگریسی اَور خلافتی اخبارات نے آپ کے خلاف لکھا وُہ آخر کار ایک ایک کر کے کانگریس کے مخالف محاذ پر آ گئے۔ اور جن لوگوں نے ہجرت کی وہ

تحریکِ خلافت کے اسباب

اسلامی دُنیا میں سُلطانِ ترکی کو مقاماتِ مقدّسہ کے خادم اَور ایک بڑی اِسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے "خلیفۃ المُسلمین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جب یوروپ اَور امریکہ کا بزعمِ خود اِس مردِ بیمار کو عملاً ختم کر دینے کا منصوبہ مکمّل ہو گیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو جو اپنی حکومت تو کھو چکے تھے مگر سلطنتِ عثمانیہ کو اِسلامی شوکت کی آخری یادگار سمجھتے تھے اِنتہائی صدمہ ہُوا۔ چنانچہ عوام اَور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اَور سیال شریف وغیرہ کے دینی اَور رُوحانی مراکز کے عُلماء اَور مشائخ بھی خلافتِ اِسلامیہ" کے تحفظ پر کمربستہ ہو گئے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولٰینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پُور۔ مولٰینا برکت علی پروفیسر اِسلامیہ کالج پشاور۔ حکیم شمس الدین وزیر آبادی اَور سیّد عطاءاللہ شاہ بُخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اِس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

اِسلامی خلافت کے متعلّق عُلمائے راسخین کا مسلک

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اَور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً احمد رضا۔ سیّد دیدار علی شاہ لاہوری، جناب مولوی محمد علیؒ مونگھیری صُوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم اِن حضرات کی مکمّل ہمدردی اُس وقت تک تُرکوں کے ساتھ رہی جب تک اُن کی اِنقلاب پسند جماعت نے برسرِ اِقتدار آ کر اِس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ مثلاً جنگِ طرابلس اَور جنگِ بلقان میں حضرت قبلۂ

عالم قدس سرہٗ نے گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے تک بیچ کر ترکوں کی امداد کے لیے چندہ دیا تھا طرابلس کی جنگ کے زمانے میں کئی بار غازی انور پاشا جو اُن دنوں انور بے کہلاتے تھے کا ذکر عزت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا اور اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی حتیٰ کہ تحریک خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے اُن مخلصین کو جو اس میں عملی حصہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا۔ ۲۶۸

تحریک خلافت اور ہندو مسلم تعاون کے خلاف حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مسلک کی صحت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ خود مولوی ظفر علی خان کے قلم سے اُس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، وقت کے ولی سے کام لے کر اُمت میں اپنی پاک منشا جاری فرماتے ہیں۔ یعنی ولی کی روحانیت اُور نبوت سے توجہات اور اشارات حاصل کر کے رائے عامہ میں منشائے الٰہی کے مطابق انقلاب پیدا کرتی ہے۔ گویا یہاں الٰہی پروگرام کچھ اور ہی تھا یعنی ہندو کے ساتھ اتحاد میں نہیں بلکہ مخالفت میں پاکستان کی داغ بیل پڑنا تھی۔ ۲۷۹

تحریکِ وہابیّت کا مقابلہ

اُس زمانہ میں مملکتِ ہند میں وہابیت نے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا اور تصوف و اہلِ تصوف کو ہدف بنا رکھا تھا اس تحریک کو مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبد اللہ غزنوی ثم الامرتسری کی تعلیمات سے، غیر مقلدین کے وجود اور خود اہلِ سنت میں سے کئی سرگرم داعی مل جانے کے باعث تقویت ہوئی۔ یہ لوگ تاویلوں کے جال پھیلائے ہوئے بزرگانِ دین کے اعراس پر جا پہنچتے اور زائرین کو قبر پرستی اور حدیث شد رحال جس کا ذکر نیچے آئے گا، کے طعنے دے کر پھنسانے کی کوشش کرتے۔ جس کی وجہ سے اکثر سادہ لوح عقیدت مندان ان کی باتوں میں آکر بھٹک جاتے۔

پاک پتن شریف میں حضرت گنج شکرؒ کا سالانہ عُرس اس گروہ کی معاندانہ اور مخالفانہ کوششوں کا خصوصی مرکز بنا ہوا تھا۔ لہٰذا حضرت ثانی سیالوی کے ایماء پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کئی سال تک اس تقریب میں شمولیت فرماتے رہے۔ اور امرتسر، قصور و ریاست بہاولپور کے غیر مقلد علماء کے ساتھ توحید، شرک، سُنت، بدعت، زیارتِ قبور، بہشتی دروازہ، نذر و نیاز اور پیری مریدی وغیرہ مسائل پر کئی اہم مذاکرات میں شرکت فرمائی۔ جن کی تفصیل اس کتاب کے "مناظرات" و "تصانیف" کے ابواب میں دی گئی ہے نتیجۃً کئی مناظرین نے اپنے مسلک سے توبہ کی اور متعدد آپ سے بیعت بھی ہوئے۔

حدیثِ شدِ رحال

حدیثِ بخاری:۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ (سفر کا اہتمام تین مساجد مسجد الحرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے سوا اور طرف نہ کیا کرو) کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا تھا کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کسی طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر سفر ممنوع ہے بلکہ ہمیشہ یہی معنی لیے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علیٰ فرقِ مراتب زیادہ ملتا ہے اور دُنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ چنانچہ اس مفہوم کی تائید مُسند امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو بہ الفاظ ذیل ہے:۔

لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَشُدَّ رِحَالَہٗ اِلٰی مَسْجِدٍ یَبْتَغِیْ فِیْہِ الصَّلٰوۃَ غَیْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ (یعنی کسی نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی طرف ادائے نماز کی نیت سے سفر کرے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصٰی اور میری مسجد کے) تفصیل کے لیے فتح الباری اور عینی شروح بخاری، کتاب التہجد باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ ومدینہ ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کے امتناعی احکام کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے زیارت روضہ رسولؐ کے خلاف استعمال کیا۔ بعد کے دور میں عبدالوہاب نجدی اور اُن کے ہم مسلک اس نرالے استدلال سے کام لیتے رہے۔ اِن کے علاوہ تمام اُمّتِ مُسلمہ نے ۲۵۹
خیر القرون سے آج تک اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں لیا۔

زیارتِ روضہ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی تائیدی احادیث

مندرجہ ذیل احادیث سے زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ظاہر ہے۔ مخالف حضرات اِن سب احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تک ضعفِ روایت کا تعلق ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر معتبر اور عبداللہ بن نافع کو مجروح کہا گیا ہے۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ — جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ — جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت جائز ہوگئی

۳۔ مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ — جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ ۲۶۰

۴۔ مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ — جس نے بیت اللہ کی حج کی اور میری زیارت کے لیے نہ آیا تو بے شک اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵۔ مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَّا تَحْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ — جو کوئی میری زیارت کے لیے آیا۔ اور اُس میں میری زیارت کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں رکھتا تو مجھ پر واجب ہے کہ روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

احادیث مندرجہ بالا میں نمبر ۱ و ۲ کے متعلق امام ابن حجر مکی نے صَحَّحَہٗ جَمَاعَۃٌ مِّنْ اَئِمَّۃِ الْحَدِیْثِ کے الفاظ اور نمبر ۳ کے متعلق امام سبکی نے اَجْوَدُ الْاِسْنَادِ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ محقق دہلویؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب جذب القلوب میں احادیث مذکورہ سے استحباب کو ثابت فرمایا ہے۔

زیارتِ قبور

علاوہ ازیں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اپنے عملِ شریف سے بھی اِن احادیث کی تائید و تصدیق ہوتی ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارہا شہدائے اُحد اور جنت البقیع میں مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت فرمائی والدہ ماجدہ کی مزار پر مقامِ ابوا تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ کو اہلِ قبور کی زیارت کی اجازت بخشی اور وہاں کے آداب مقرر فرمائے۔ اولیاء اللہ اور صالحینِ اُمت، سلف سے خلف تک، زیارتِ روضۃ الرسولؐ کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ شیخ ابنِ تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم کی روشنی میں تو اُمتِ مرحومہ کا تیرہ صد سالہ عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ اور تفقہ فی الدین اور استنباطِ مسائل کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اجماعِ اُمت صرف وہی رہ جاتا ہے جس میں مندرجہ بالا دو حضرات کو اختلاف نہ ہو۔

غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات

اکابر عُلمائے اہلِ سُنت کی طرح حضرتؒ نے بھی نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بعض متشددانہ نظریات کو مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف قرار دیا تھا جس کی وجہ سے بعض غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے مناظرانہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے حرمین شریفین اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے عُلماء اہلِ سُنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ وہابیہ کو گمراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب الدرر السنیہ اس پر شاہد ہے۔ اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامی نے بھی حاشیہ درِ مختار باب الخوارج میں فرقہ وہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے اور اُس وقت کے اکثر عُلمائے ہند بھی محمد بن عبدالوہاب کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خان درانی المجددی النقشبندی اپنی کتاب درۃ الدرانی میں لکھتے ہیں کہ مورخ مطبرون نے اپنی کتاب جغرافیہ عمومیہ "مطبوعہ مصر کی تیسری جلد مصریہ رفاعہ بک ناظر مدرسۃ الالسنہ" میں لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ خدا کے رسول اور دوست ہیں مگر اُن کی مدح اور تعظیم از قبیل شرک ہے۔ اور چونکہ لوگوں کا یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا لہٰذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔ ۲۶۱
پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وُہ دوستوں میں سے ہے اور جو میرا حکم نہ مانے گا وُہ عذاب کا مستحق ہے۔ اور اُس کا قتل بلا شبہ واجب ہے۔

عُلمائے مکہ کی طرف ابنِ عبدالوہاب نجدی کا رسالۂ دعوت

محمد بن عبدالوہاب کا جو رسالہ عُلمائے مکہ کی طرف بطورِ دعوت و حُجت بھیجا گیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ جو شخص نبی کو اپنا ولی اور شفیع سمجھتا ہے وُہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں۔ جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا محمد کہتا ہے اگرچہ اُن کے متعلق سب باتوں میں بندۂ عاجز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی مشرک ہو جاتا ہے۔ اور تجھے ان باتوں میں ہمارا شیخ ابنِ تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمدؐ کی قبر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانا شرکِ اکبر ہے۔"

اسی رسالہ میں مزید یہ تحریر تھا:-

أَمَّا السَّابِقُوْنَ فَاللَّاتُ وَالسُّوَاعُ وَالْعُزّٰى وَأَمَّا اللَّاحِقُوْنَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ وَعَبْدُ الْقَادِرِ (معاذاللہ)

پہلے بُت لات اور سُواع اور عُزّیٰ تھے۔ اور پچھلے بت محمدؐ اور علیؓ اور عبدالقادرؒ ہیں۔ (معاذاللہ)

حالانکہ قرآن فرماتا ہے :-

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورہ فتح ۹)

نبیؐ کو قوت دو اور اُن کی تعظیم کرو۔

اور فرماتا ہے :-

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج آیت ۳۲)

شعائراللہ کی تعظیم قلوب کے تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔

اور شعائراللہ کیا ہیں۔ قُربانی کے اُونٹ کو خدا شعائراللہ میں شمار فرماتا ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ پھر قرآن فرماتا ہے :-

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ○ (المائدہ۔ آیت ۵۵)

تمہارا دوست تو اللہ اور اُس کا رسول اور ایمان دار لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

اِسی طرح نبی کریمؐ کو اپنا شفیع سمجھنے کے متعلق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيْمًا ○ (النساء ۶۴)

یارسُول اللہ! اگر ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے اور رسُول (یعنی آپ بھی) ان کے حق میں اللہ سے بخشش مانگتے تو یہ لوگ یقیناً اللہ کو توّاب اور رحیم پاتے۔

اور لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ والی حدیث کی رُو سے مسجدِ نبویؐ کی طرف سفر کے استحباب سے تو آج وہابیوں کو بھی اِنکار نہیں لیکن اِس کے باوجود ابن عبدالوہاب آنجنابؐ کی مساجد اور آثار کی طرف سفر کو بدستور شرک اکبر کہہ رہا ہے۔ پس عرب معاصرین نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ ابن عبدالوہاب نے علم کی کسی صنف میں بھی تکمیل نہیں کی تھی۔ اور طالب علمی کے ایام ۲۶۲
میں محض مُسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی کے سوانحات ہی پڑھتا رہتا تھا۔ نیز علم و ادراک کی طرح قوّتِ اظہار اور اسلوبِ کلام میں بھی ناقص تھا۔ البتہ جوشِ غضب اور اشتعالِ طبع میں منفرد تھا۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی عُمدگیٔ عقائد کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ

تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کو عُمدہ تحریر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک عقیدہ کی براہِ راست زد خود مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیر و مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پر پڑتی ہے۔ جن کا ارشاد ہے :-

شفیعِ عاصیاں ہو تُم وسیلۂ بے کساں ہو تُم
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یارسُول اللہ

کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جرم و عصیاں پر نہ جاؤ یارسول اللہ

نیز فرماتے ہیں ؎

کہے ہے شوقِ نبیؐ یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکت آمد اب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے برادر طریقت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب شیم الحبیب شمّ الطیب میں فرماتے ہیں :

یَا شَفِیْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِیَدِیْ — اَنْتَ فِی الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِیْ
دستگیری کیجئے میری نبیؐ — کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَیْسَ لِیْ مَلْجَاءٌ سِوَاکَ اَغِثْ — مَسَّنِی الضُّرُّ سَیِّدِیْ سَنَدِیْ
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ — فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرْبَ طَیْبَتِکُمْ — فَالْتَثَمْتُ النِّعَالَ ذَاکَ قَدِیْ
کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک — نعل بوسی ہوتی کانی آپ کی ۲۶۳

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی تصنیف اعلاءُ کلمۃ اللہ

ان ہی ایام میں اعلاءُ کلمۃُ اللہ کے نام نامی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں شایع ہوئی جس میں وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر کے علاوہ سماع موتیٰ، مسئلہ حرمت ذبیحہ فوق العقدہ، استمداد از قبور صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعت غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ ان میں بعض مسائل از قسم استمداد، سجدۂ تعظیمی، علم غیب حاضر ناظر وغیرہ پر خود مقلدین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ ان مسائل پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ ملفوظات اور مکتوبات کے باب میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلدین کے ان فرقوں کے درمیان رفع اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔ ۲۶۶

اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیبؐ کا علم

ایک مکتبِ فکر کا یہ مقولہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا کہنا بعید از صواب ہے۔ ارشادِ الٰہی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ اس کی نفی کر رہا ہے۔

دعا بحقِ و بحرمتِ اولیاءاللہ

ایک مرتبہ سوال ہوا کہ صوفیائے کرام اپنے وظائف میں "الٰہی بحقِ فلاں" اور "الٰہی بحرمتِ فلاں" کے کلمات سے کیوں دعا مانگتے ہیں جب کہ خدائے تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے؟ فرمایا۔ بے شک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر از خود کسی کا کچھ حق نہیں۔ لیکن اگر وہ تبارک و تعالیٰ خود از راہِ فضل وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (مومنوں کی نصرت ہم پر حق ہے) (سورہ روم، آیت ۴۷) ارشاد فرما کر کسی کو حق عطا کر دے تو کیا اعتراض باقی رہتا ہے؟ پھر فرمایا۔ اگرچہ مشیتِ حق مخلوق کی آرزوؤں کی پیرو نہیں ہے لیکن مخلوق اپنے خالق کے حضور میں مناجات اور دعائے حاجات کے وقت ایسے الفاظ سے اپنے عجز و الحاح کا اظہار کرتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

نص میں سیّد کی تعظیم کا ثبوت

سوال کیا گیا کہ آیا سیّد کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت ہے؟ فرمایا۔ نسب کا شرف قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (زخرف، آیت ۸۱) (یا رسول اللہ! عیسائیوں سے فرما دیجئے۔ اگر اللہ کا کوئی فرزند ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔ ۴۷۰

حیات النبیؐ پر سوال

ایک غیر مقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحبؐ کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی)۔ حضرتؒ نے اس شخص پر سوال کیا کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ مطلقہ؟ مگر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرتؒ کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ مطلقہ عامہ ہے جس کے صدق کے لیے تین زمانوں میں کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوامِ موت ضروری نہیں۔ کیونکہ مناطقہ کے نزدیک دائمہ مطلقہ وہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو۔ اور مطلقہ عامہ وہ، جس کا ثبوتِ حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط تھوڑے عرصہ کے لیے پوری ہو جائے۔

"یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" پر اعتراض کا جواب

ایک دفعہ اعتراض ہوا کہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگنا چاہیئے کہ یا اللہ مجھے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا صدقہ کچھ عطا فرما۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ سورۂ نساء میں فرماتے ہیں:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ (ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو) حق تعالیٰ نے یہاں اپنے نام کے واسطہ سے سوال کرنے کو اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اس پر اپنا احسان نہ جتاتے بلکہ ایسا کرنے سے منع فرما دیتے۔ لہٰذا جملہ مذکورہ جس کا مفاد اللہ کے نام کے واسطہ سے سوال کرنا ہے درست ہوگا۔

انسانِ کامل کے مقامات کی وُسعت

ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ ملتان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دورانِ درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں:۔ اے فرزند! انسان جب انسانِ کامل کا رُتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اُس پر سے بشری قیود اُٹھ جاتی ہیں"۔ حضرتؒ کے ایک مخلص مصاحب اور شاگرد خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ۴۲۱

گلگت درس میں حاضر تھے۔ آپؒ نے اُنہیں مخاطب کر کے فرمایا: مولوی خان بہادر صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے ہوئے اُس سامنے والی کوٹھڑی میں موجود نہیں ہیں؟ آخر کوئی بشری قید ہی تو ہے جس نے آپ کو مجبور کر رکھا ہے کہ آپ ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوں۔ جب آپ انسانِ کامل بن گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق آپ پر سے یہ بشری قید اُٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں موجود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھڑی میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اجمیر میں بھی اور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسُول اللہ اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنے میں کیا حرج ہے؟"

حدیث مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پر ایک اعتراض

حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی ایک روز حدیث شریف من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا) بیان فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ خواہ وہ شخص فرائض کا منکر ہی کیوں نہ ہو؟ حضرت قبلہ عالم قدس سرّہٗ اس مجلس میں موجود تھے مگر یہ مولوی صاحب آپ سے متعارف نہیں تھے۔ حضرتؒ نے صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے کر جواب دیا کہ یہاں مَنْ قَالَ سے لامحالہ یہ مُراد ہے کہ اُس شخص نے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو حق سمجھ کر پڑھا۔ چونکہ یہ کلمہ حضور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ دُنیا میں لائے ہیں لہٰذا وہ شخص اپنے اس قول سے حضورؐ کی صداقت اور رسُول برحق ہونے کا اقرار کر رہا ہے اور جس نے حضورؐ کی صداقت کا اقرار کیا وہ حضورؐ کے لائے ہوئے فرائض کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ جو منکر ہو گا وہ من قال لا الٰہ الا اللہ کی منشا اور مصداق میں داخل نہ ہوگا"۔

مولوی صاحب تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ایسا فاضل بھی موجود ہے تو یہ اعتراض کر کے شرمندہ نہ ہوتا"۔ ۴۲۳

جنابہ سیدہؓ کے مطالبہ فدک کی ایک حسین توجیہ

واقعہ فدک میں جنابہ سیدہ علیہا السلام کے سوال میراث پر آپ یہ توجیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جنابہ سیدہؓ کے سوال سے اہلِ اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا، کیونکہ اگر آپ یہ تحریک نہ فرماتیں تو صحابہ کرامؓ کے مجمع عام کے سامنے حضرت صدیقؓ یہ حدیث پیش نہ فرماتے۔ جس میں ہے کہ انبیا علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت نہیں چھوڑتے، اُن کی وراثت علم ہے۔ اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرامؓ نے فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔

خلفائے راشدین رض کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج

حضرتؒ فرماتے تھے کہ آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الخ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم الرضوان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے خلیفۂ اول، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت خلیفۂ ثانی رض، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت خلیفۂ ثالث اور تَرٰىهُمْ ۴۲۴ رُكَّعًا سُجَّدًا الیٰ اٰخرہٖ سے حضرت خلیفۂ رابع رض کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت صدیق اکبر رض، کفار پر شدت میں حضرت عمر فاروق رض، حلم و کرم میں حضرت عثمان غنی رض اور عبادت و اخلاص میں حضرت مولائے علی رض خصوصی شان رکھتے تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کا نصِ قرآنی سے ثبوت

ایک شیعہ عالم نے ایک مرتبہ اعتراض پیش کیا کہ خلافت کا حق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی کو پہنچتا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (سورۂ نور آیت ۵۵)

اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ تم میں سے (اے اصحاب رسولؐ) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اچھے عمل کیے ہیں انہیں زمین کے اندر خلافت عطا فرمائے گا۔

لہٰذا اس آیت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسولؐ کو جو اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صالحین کے زمرہ میں موجود تھے خلافت فی الارض کا مستحق قرار دیا ہے اور ان سے اس خلافت کے عطیہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقعات عمل میں آئے۔ اگر شیعہ حضرات امام حسن علیہ السلام کی شش ماہہ خلافت کو بھی شمار کر لیں تو ان کے مسلک کے مطابق خلافت فی الارض (جو قرآن مجید کے محاورہ میں حکومت کو شامل ہے) کا وعدہ الٰہی صرف دو اصحاب رسولؐ تک محدود رہتا ہے یعنی حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام۔ آیت میں لفظ جمع "ھُمْ" کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لیے کم از کم ایک اور خلیفۂ برحق کس شخص کو قرار دیں گے؟

اُس شخص نے کہا حضرت علی رض کے فضائل کے باوجود ان کو آخری خلیفہ کیوں رکھا گیا؟ فرمایا خاتم الخلفا ہونا بھی خود ایک فضیلت ہے جیسا کہ ہمارے حضورؐ خاتم الانبیاء تھے۔

عُلمائے اہل سُنّت کو ثنائے اہلبیتِ کرام رض کی تلقین

ایک مرتبہ بعض علماء نے عرض کیا کہ فلاں مقام پر شیعہ اور سُنّی باہم مناظرہ کرنے والے ہیں۔ شیعہ صاحبان لکھنؤ سے مجتہد

ا۔ سورۂ فتح آخری آیت۔ حضور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو ان کے اصحاب ہیں وہ کافروں پر شدید اور باہم رحیم ہیں۔ آپ انہیں راکع اور ساجد اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا کا طلب گار پائیں گے۔ (فیض)

بلوارہے ہیں۔ اہلِ سُنت کی طرف سے آپ تشریف لے چلیں۔ فرمایا۔ آپ لوگ منبر پر جاکر شاذ و نادر ہی اہلبیت کرام کی توصیف بیان کرتے ہیں جس سے عوام کے اندر خیال پیدا ہوگیا ہے کہ جو عالم اہلِ بیتِ کرام کی تعریف کرے وُہ مائل بہ تشیّع ہوتا ہے اگر میں جاؤں گا تو سب سے پہلے اِن حضرات کی توصیف کا حق ادا کروں گا۔ جس پر شیعہ کو یہ کہنے کا موقعہ مِل جائے گا کہ پیر صاحب شیعہ ہیں تقیہ کرکے سُنّی بنے ہوئے ہیں۔

امریکن پادری کے اِس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذِکر نہیں ہے

ایک امریکن پادری گولڑہ شریف آیا اور مجلس میں داخل ہوتے ہی سوال پیش کیا کہ مُسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے حالانکہ حضرت امام حسینؓ جن کی زندگی میں قرآن چھ برس تک نازل ہوتا رہا اُن کا نام تک قرآن میں موجود ۴۲۶
نہیں حضرت امام حسینؓ نے اسلام کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ایسے خادمِ اسلام کا ذکر تو قرآن میں ضرور ہونا چاہیے تھا"۔

حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ "پادری صاحب! کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟" کہنے لگا میں نے قرآن پڑھا ہے! اور اس وقت بھی میری جیب میں موجود ہے۔ فرمائیے کہاں سے پڑھوں؟" آپؒ نے اپنے عُلماء کی طرف دیکھا اور مُسکرا کر فرمایا: "سُبحان اللہ! پادری صاحب کو بھی قرآن دانی کا دعویٰ ہے۔ یہاں ع عُمر گذری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں۔ مگر اِس دعوے کی مجال نہیں"۔ پھر پادری سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ "اچھا پادری صاحب! قرآن پڑھیئے۔ کہیں سے پڑھ دیجیئے"۔ وُہ مؤدب ہوکر بیٹھ گیا اور عربی لہجے میں ترتیل سے پڑھنے لگا۔ "اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اشارے سے روک کر فرمایا کہ بس۔ اَعُوذُ تو قرآن کا حصّہ نہیں۔ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" ہے۔ اور بقاعدۂ ابجد اِس کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ اب ذرا لکھیئے :-

امام حسینؓ	—	عدد ہیں	۲۱۰	
سِنِ پیدائش	—	″ ″	۴	ہجری
سِنِ شہادت	—	″ ″	۶۱	ہجری
کرب و بلا	—	″ ″	۲۶۱	
امام حسنؓ	—	″ ″	۲۰۰	
سِنِ شہادت	—	″ ″	۵۰	
		میزان	۷۸۶	

حضرتؒ نے فرمایا۔ پادری صاحب! قرآن مجید کی جو پہلی آیت آپ نے پڑھی۔ اس میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام، سِنِ پیدائش، سِنِ شہادت، مقامِ شہادت، اُن کے بھائی صاحب کا نام اور سِنِ شہادت اور دونوں بھائیوں کے امام ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ آگے چلیئے تو شاید اِن کی زندگی کے کئی واقعات بھی مِل جائیں"۔

اس پر اُس امریکی پادری نے کہا: "عربوں کے علمِ ہندسہ اور جفر وغیرہ کا ذکر مُستشرقینِ یورپ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں نے اِن علوم کے اندر اتنی گہری ریسرچ (تحقیق) کی ہوئی ہے"۔ ۴۲۶

پاک پتن شریف کے بہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

حضرتؒ تقریباً ہر سال پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عُرس پر حاضر ہوتے تھے قصور اور ریاست بہاول پور کے غیر مقلد علماء متواتر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ کیا آپ عالم ہو کر اس بات کو دُرست مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحبؒ کے روضہ کے "بہشتی دروازہ" سے گذر جائے وُہ جنت کا سزاوار ہو جاتا ہے، حضرتؒ جواب میں ہر سال نیا استدلال پیش فرماتے۔

مولوی غلام قادر چکوکہ تحصیل منچن آباد نے یہی سوال کیا تو فرمایا: "کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مومن کی قبر روضۃٌ من ریاض الجنۃ ہوتی ہے؟" اُس نے کہا: "صحیح ہے۔" فرمایا۔ "جب لفظ جنت کا اطلاق مومن کی قبر پر صحیح ٹھہرا تو اُس کے دروازے کو بہشتی دروازہ کہنے پر کیا اعتراض ہے؟" مولوی صاحب نے کہا۔ "اس لفظ کا جواز تو درست ہوا مگر یہ فرمائیے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مقبرہ کے اِسی ایک دروازے میں کیا خصوصیت ہے کہ اِسے "بہشتی دروازہ" کہا جائے؟"

آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا اِرشاد ہے کہ میں نے بچشم سر عالم ظاہر میں حضور سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بجسم اطہر بمعہ چہار یار کبار ۶۔ محرم کی درمیانی رات کو اس دروازہ سے گذر کر مقبرہ کے اندر تشریف لے جاتے دیکھا ہے اور حضور کا یہ اِرشاد سُنا ہے کہ مَنْ دَخَلَ ھٰذَا الْبَابَ فَقَدْ اٰمِنَ (جو اس دروازے میں داخل ہوا وُہ امن میں آگیا اور مامون ہوا) مشائخ عظام کا بھی اِس پر اتفاق رہا ہے۔" ۴۳۰

اِس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا۔ کہ زائرین فرید۔ فرید کیوں پکارتے ہیں، اللہ۔ اللہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ عُرس کے موقعہ پر زائرین کا پُورا نعرہ یہ ہوتا ہے:۔

اللہ۔ محمّد۔ چار یار۔ حاجی۔ قطب۔ فرید

وُہ لفظ فرید کو مکرر سہ کرر کہہ دیتے ہیں اور اِس چیز کے جواز میں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے۔" مولوی صاحب نے چونک کر کہا "وُہ کونسی آیت ہے؟" آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ (پارہ ۲۔ بقرہ۔ آیت ۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو۔

اور فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرا ذِکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دم تک اللہ کا ذکر کیا۔ اب اللہ اپنی مخلوق کی زبان سے اپنے پیارے بندے فرید کا ذِکر کر رہا ہے۔ آج سات سو سال سے اَذْكُرْكُمْ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ یُونہی ہوتا رہے گا کہ ہر سال ہزاروں ہزار مخلوق یہاں جمع ہو کر فرید۔ فرید کے نعرے لگاتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ جسم اور مکان سے پاک ہے اور یہ اُس کے ذِکر کرنے کی ایک صُورت ہے۔"

قصور کے ایک مولوی صاحب سے بھی قبلہ عالمؒ نے یہی فرمایا تھا کہ میں تو یہاں (یعنی پاک پتن شریف میں) فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کا لطف دیکھنے آتا ہوں۔ ایک اور موقعہ پر آپؒ نے اُس حدیثِ پاک سے اِستدلال فرمایا جس میں اِرشاد ہے کہ مجمع ذاکرین پر ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی کسی دُنیوی غرض کے لیے اِس مجمع میں شامل ہو گیا ہو، اُسے بھی ثواب اور مغفرت میں داخل کر لیا جائے کیونکہ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (اِن لوگوں کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں ہوتے) اِس موضوع پر ہو سالہ [illegible] کے نظریہ کو حضرت مولانا محمد غازی صاحب نے تفصیل [illegible]

لعنِ یزید پر آپ کا مسلک

ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لعن بر یزید کے جواز کا فتوے دیتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ موصوف شیفتۂ محبتِ بنو فاطمہؓ ہیں۔ پس اُن کو ایذا پہنچانے والے کے حق میں پُورے طور پر مجوزِ لعنت ہیں۔ لیکن بعض اہلِ علم نے اِس میں تامل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں۔ ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔ علامہ تفتازانی نے اس کے رد میں خوب فرمایا ہے کہ قتلِ ذرّیتِ طیبہ اور اُن کی اہانت بطورِ یقین اور امرِ مشہود ہے اور توبہ امرِ محتمل پس احتمال وظن یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے دیگر محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ ہمارے مخلصوں میں سے ایک شخص کو دمشق کی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ سارے شہر کی آلودگیاں اور خاکروبہ یزید کی قبر کے پاس ڈالتے ہیں۔ وُہ جگہ آبادی سے بہت دُور ہے۔ ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے کہ بحکم عام فرمودہ حق تعالٰے فلعنۃ اللہ علی الظالمین پر کفایت کی جاے۔ بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔ **ملفوظ ۔ ۱۶۴**

لعن یزید کے جواز پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا مسلک آپ کے مندرجہ ذیل خط سے واضح ہوتا ہے:-

۷۸۶

حامداً و مصلیاً و مُبسملاً

بعد سلام آنکہ آیۃ (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۱) اور نیز آیت (فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ ۲) اور نیز متفق علیہ حدیث (فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ، الیٰ آخرہ (یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا) اور نیز حدیث (مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ) اور نیز حدیث (حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا) اور نیز حدیث (اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا یَعْنِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِاَرْضٍ مِّنْ اَرْضِ الْعِرَاقِ یُقَالُ لَھَا کَرْبَلَا فَمَنْ شَھِدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَنْصُرْہٗ) سب آیات و احادیثِ صحیحہ یزید شقی اور اُس کے تابعان کے مستحق لعنت ہونے پر شاہد ہیں۔ کوئی اہلِ ایمان اس گروہِ اشقیاء کی غیر ملعونیت کا قائل نہیں۔ جن لوگوں نے لعن یزید سے منع کیا ہے۔ یزید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ بجائے اس کے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّحَسَنٍ وَّحُسَیْنٍ وَّفَاطِمَۃَ پڑھنا بہتر ہے۔ شیطان کو اگر کوئی رات دن لعن کرے بجائے اِس کے تلاوت، ذکر اور درود پڑھنا مفید ہے۔

آیۃ استخلاف (وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الیٰ آخرہا) کا آخری جملہ (وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ) اور نیز یزید شقی کا بعد شہادت سیدالشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں آکر یہ کہنا کہ آج ہم نے آلِ محمدؐ سے روزِ بدر کا انتقام اور بدلہ لے لیا۔ کما قال ؎

ولست من جندب اِن لم تنتقم — من بنی احمد ماکان قد فعل

یزید کے کُفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض یزید کے مستحق لعن ہونے میں بہ تصریح ثقات کوئی شک نہیں اگرچہ بے سُود امر ہے مگر اہلِ ایمان بمقتضائے (الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان) اِن گروہِ اشقیاء پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہٖ ہم بوجہ اعتقادِ حقیت خلافتِ خلفائے اربعہ علیہم الرضوان و محبت اہلِ بیت

---

۱ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسُول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے اُنہیں دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے ۲ پس کیا تم قریب ہو کہ اگر

(باقی حاشیہ صـ ۱۱۳ پر)

علیہم السلام روافض یا خوارج سے علیحدہ ہیں۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام منہ باطناً علیہ و ظاھراً و آلہٖ و صحبہٖ۔

مولوی حسین علی صاحب (واں بھچراں) کے ساتھ مناظرہ

مولوی حسین علی صاحب واں بھچراں کے مناظرہ کی کیفیت حضرت شیخ الجامعہ صاحب بہاولپوری کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی۔ وُہ خود اس موقعہ پر حاضر تھے۔ بلکہ اِس مناظرہ کے لیے ایک فریق شمار کیے گئے تھے، لکھتے ہیں :-

میانوالی میں ایک موضع ہے واں بھچراں، وہاں ایک مولوی صاحب گذرے ہیں جن کا نام حسین علی صاحب تھا۔ وُہ مولانا سلطان احمد صاحب تھیروی کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کے یہاں جاکر تحصیل تمام کی اور حدیث کا دورہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں کیا۔ اور پھر وطن واپس آکر درس تدریس شروع کی۔ حضرت عمدۃ الواصلین خلیفہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے۔ مگر اعتقادات غیر مقلدانہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور ندا کے سخت منکر تھے اور اس کو کفر و شرک قرار دیتے تھے ایسے ہی یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کی ندا کو کفر و شرک کہتے تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ کے سخت مخالف تھے۔

ہمارے حضرتؒ کی عادت مبارک تھی کہ سال میں دو دفعہ سفر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شیخ الطریقت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک کی حاضری کے لیے اور دوسری دفعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف کے لیے ایک مرتبہ آپ پاک پتن شریف جانے کے لیے تیار تھے۔ کہ ملک مظفر خان فرزند ملک محمد امیر خان ساکن واں بھچراں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس دفعہ واں بھچراں میں ہماری دعوت قبول فرمائی جائے۔ آپ نے بوجہ اس کے کہ ملک محمد امیر حضرتؒ کا پیر بھائی تھا دعوت قبول فرمائی اور جب آپ پاک پتن شریف پہنچے تو مولوی حسین علی صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں ایک جسٹری لفافہ بھیجا کہ اگر آپ واں بھچراں میں ملک صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تو آپ کو میرے ساتھ مناظرہ کرنا ہوگا۔ اور مناظرہ علم غیب کے مسئلہ میں ہوگا۔ اور ندائے یا رسول اللہ، یا شیخ عبد القادر جیلانی پر اور سماع موتیٰ پر ہوگا۔ حضرتؒ نے وُہ خط محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔

اعراض کرو تو زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی کرو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور اُنہیں بہرا کر دیا اور آنکھیں اندھی کردیں۔

؎ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

؎ جس نے حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی۔ جس نے اُن سے دشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی۔

؎ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جو حسینؓ کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔

؎ میرا بیٹا حسینؓ زمین عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اُس موقعہ کو پائے اُس کی مدد کرے۔

؎ جس نے اس کے بعد ناشکری کی وہ لوگ فاسق ہیں۔

جب حضرتؒ مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر تشریف لائے تو آپؒ نے مجھے فرمایا کہ غلام محمد، واں بھچراں میں کوئی مولوی صاحب ہیں۔ وہ مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تم بھی مولوی ہو وہ بھی مولوی ہیں۔ مناظرہ کر کے ہمیں بھی واقف کر دینا تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔ یہاں آپ نے ایسے لفظ انکسار کے فرمائے کہ جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے۔

حضرتؒ وہاں سے شاہ عالم تشریف لے گئے۔ شاہ عالم کے قریب حضرتؒ کا ایک مخلص مولوی نور محمد ڈورا (بھرا) سکونت پذیر تھا۔ حضرتؒ کو اُس کے حال پر بہت توجہ تھی۔ اُس کی خاطر شاہ عالم سٹیشن پر چوبیس گھنٹے قیام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ عالم سے روانہ ہو کر آپؒ میانوالی کے بعض مخلصین کے عرض کرنے پر میانوالی تشریف لے گئے۔

مولوی حُسین علی صاحب یہیں آدھمکے اور یہیں مناظرہ کے طالب ہُوئے۔ حضرتؒ نے اس کے حواریوں سے فرمایا کہ میں اپنے اشغال میں مصروف ہوں اور واں بھچراں تک دو گھنٹے بچا سکوں گا۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو حسب تحریر اور حسب وعدہ واں بھچراں میں اس کا انتظار کریں اور یہاں میرے وقت کو ضائع نہ کریں۔

ایک بجے کے قریب گاڑی میانوالی سے واں بھچراں کو روانہ ہُوئی۔ حضرتؒ وہاں تشریف فرما ہُوئے۔ ملک مظفر خاں کے بنگلہ میں نزولِ اجلال فرمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ مولوی حسین علی کے مُریدوں نے حضرتؒ کے رُفقائے سفر کے ڈیروں پر چکّر لگانا شروع کر دیا اور سماع موتیٰ کے انکار اور عذاب قبر کے متعلق تقریریں شروع کر دیں۔ حضرتؒ کے رفقاء نے بھانپ لیا کہ مقصود ان کا فساد کرنا ہے۔ اُنہوں نے نہایت حوصلہ اور حلم سے کام لیا تا آنکہ جب رات کے بارہ بجے کا وقت ہُوا تو معلوم ہُوا کہ مولوی حُسین علی صاحب مُنادی کرا رہے ہیں کہ صُبح تمام قصبہ کے لوگ میرے مناظرہ میں شریک ہوں جو میں (حضرتؒ) پیر صاحب سے کرنے والا ہُوں۔ اور اپنے دُنیوی کاموں کو اگلے دن پر چھوڑ رکھیں۔ حضرتؒ کا ارادہ پہلے بذاتِ خود مناظرہ کرنے کا نہ تھا بلکہ آپؒ نے مجھے صراحۃً فرمایا تھا کہ مناظرہ تم کرنا مگر اب آپؒ کا ارادہ بدل گیا اور فرمایا کہ بہت متکبّر ہے۔ اس کا تکبّر دُور کرنا ضروری ہے۔

صبح ۹ بجے مولوی حُسین علی صاحب کے ایک مشہور شاگرد[۱] جو اب تک زندہ ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے مولوی حُسین علی صاحب نے شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ۔ اُس نے کہا کہ مناظر تمہاری طرف سے کون ہوگا؟ میں نے کہا کہ احقر غلام محمد گھوٹوی۔ پہلے تو اُس نے انکار کیا اور کہا کہ مناظر (حضرتؒ) پیر صاحب ہوں گے لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ مان گیا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا منشا شروع سے ہی یہی ہے۔ دُوسری شرط یہ تھی کہ مسئلہ علمِ غیب پر دلائل محض فقہ حنفی کی کتابیں ہوں گی قرآن شریف اور حدیث شریف کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں نے انکار کیا اور کہا کیا قرآن شریف اور حدیث شریف اب منسوخ ہو گئے ہیں؟ نیز فقہائے حنفیہ، فقہ کی کتابوں میں قرآن شریف کی آیات اور حدیث شریف سے استناد کرتے ہیں تو فقہِ حنفی اور قرآن و حدیث کا انفکاک ہی مقصود نہیں۔

---

[۱] یعنی مولوی فضل کریم صاحب بندیالوی۔ (فیض)

ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور تقریباً دس ساڑھے دس کا وقت تھا کہ حضرتؒ کی طرف سے پیغام آیا کہ مجھ سے کسی صاحب نے اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی اور بات کرنی ہو تو ملک مظفر خان کے بنگلہ پر چلے آئیں۔ یہ سُن کر تمام مجمع بنگلہ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں حضرتؒ ایک مصلّے پر تشریف فرما تھے۔ تمام حاضرین کے لیے قالینیں بچھی ہوئی تھیں۔ حضرتؒ کا رُوئے مُبارک بنگلہ کے دروازہ کے محاذ جنوب کی طرف تھا۔ یہ احقر حضرتؒ کے متصل بائیں جانب بیٹھا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کا انتظار تھا۔ مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ بنگلہ ملک صاحبان کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو میری ہتکِ عزت کی جائے گی۔ حضرتؒ نے ملک محمد امیر صاحب کو فرمایا کہ تم خود جاؤ اور میری ذاتی ضمانت پیش کرو کہ اگر آپ کا بال بھی بیکا ہوا تو میں ذمہ دار ہوں گا۔

ملک محمد امیر خان بصد اعزاز مولوی صاحب کو لے آئے۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل کریم صاحب حضرتؒ سے جنوب مغرب کے گوشہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے مولوی صاحب کا اکرام فرمایا اور پھر مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان مولوی صاحب کے ساتھ کس بارہ میں نزاع ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب سماعِ موتیٰ کے مُنکر ہیں اور میں قائل ہُوں۔ مولوی حسین علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہُوا کہ میں سماعِ موتیٰ کا مُنکر ہُوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تین چار دن سے لکّی گئے ہُوئے تھے۔ وہاں سے ایک رسالہ انکارِ سماعِ موتیٰ لکھ کر آپ نے فلاں طالب العلم کو دیا تاکہ مولوی فضل کریم صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ وُہ طالب العلم کل رات مولوی اکبر علی صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ میں نے اُس سے وُہ رسالہ لے کر نقل کر لیا ہے اور نقل میرے پاس موجود ہے۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم مولوی حسین علی صاحب کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد اُن کے پاس جا بیٹھا۔ مولوی حسین علی صاحب کے دائیں جانب مولوی فضل کریم صاحب اور بائیں جانب میں تھا۔

حضرتؒ نے مولوی صاحب کی طرف مُنہ مبارک پھیر کر فرمایا: مولوی صاحب آیتِ مُبارکہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ[1] پر آپ کا ایمان ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا جی ہاں! آپؒ نے فرمایا۔ ایمان نام ہے تصدیق بما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور تصدیق کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مقبول ہے اور پانچ مردود۔ وُہ کیا کیا ہیں؟ اس کے بعد حضرتؒ نے اسی موضوع پر مختصر تقریر فرمائی۔

جواب دینے کی بجائے مولوی صاحب سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے اِس پر میں نے اور مولوی فضل کریم نے کہا کہ آپ خاموش ہیں اور میدانِ مناظرہ گرم ہے۔ کچھ مُنہ سے بولیئے۔ چُپ کا وقت نہیں۔ مولوی صاحب نے سر اُٹھایا۔ حضرتؒ نے پھر تقریر شروع فرمائی۔ مولوی صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ حضرتؒ نے تقریر ذرا بسط سے فرمائی مگر مولوی صاحب کو جیسے سانپ سُونگھ گیا ہو۔ آخر ہم دونوں نے پھر اُنہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تو مولوی صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں

---

[1] ترجمہ آیت (النمل: ۶۵) کہہ دیجیے نہیں جانتا کوئی آسمانوں اور زمین میں غیب کو مگر اللہ۔

عرض کیا کہ میں معمولی مُلاّ ہُوں۔ موٹے موٹے مسائل جانتا ہُوں۔ اِن باریکیوں کو میں نہیں جانتا"۔ اَور یہ کہتے ہُوئے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ مَیں نے اَور حافظ فضل کریم نے بٹھانا چاہا۔ مگر مولوی صاحب نہ رُکے اَور تیزی سے باہر نِکل گئے۔[1]

حضرتؒ کے مُریدین میں سے ایک مشہُور اَور محقق عالم مولینا غلام محمُود صاحب (پپلاں ضلع میانوالی) نے مسائل علم غیب اَور ندائے یارسُول اللّٰہ وغیرہ پر ایک رسالہ "نجم الرحمٰن" تحریر فرمایا تھا جس میں مولوی حسین علی صاحب کے مسلک کی نہایت مدلّل تردید کی تھی اس رسالہ کی ابتدا میں اُنہوں نے آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے عِلم کے متعلق تین مذاہب کا ذِکر کیا ہے جن میں سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم جس طرح افضل الخلق ہیں اسی طرح اعلم الخلق بھی ہیں یعنی ساری مخلُوقات سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ حضرتؒ علمِ غیب ذاتی ومحیط کی نفی کے ساتھ قائلین علم ماکان ومایکون کی تکفیر اَور تشنیع کے سخت خلاف تھے اَور مولوی حسین علی صاحب سے مناظرہ کا مقصد بھی اِسی تشدّد کی تردید تھی۔ چُونکہ اِس واقعہ کو مولوی صاحب کی پارٹی نے بعض رسائل اَور کتابوں میں توڑ موڑ کر بیان کیا ہے اِس لیے یہاں قدرے تفصیل کی ضرورت محسُوس کی گئی۔ ویسے بھی یہ واقعہ مشہُورِ عام ہے اَور اب بھی بہت سے افراد ایسے موجُود ہیں جنہوں نے بچشمِ خُود اِس کا مشاہدہ کیا۔ مسائل مذکُورہ پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا مسلک آئندہ ابواب میں تفصیلاً پیش کیا جائے گا۔

تاویلِ قرآن پر اِعتراض کا جواب

وزیرآباد کے ایک غیر مقلد مولوی صاحب جو نابینا تھے اَور علم کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے زیارت مولینا نظامُ الدین صاحب راولپنڈی پر بغرضِ مُلاقات حضرتؒ کی مجلس میں حاضر ہُوئے اَور کہنے لگے "پیر صاحبؒ! میرے چند سوال ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جواب

---

[1] حضرتؒ کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے علمِ ماکان ومایکون کے قائلین آپ کے نزدیک اگر مُسلمان ہیں تو نزاع ہی نہیں اَور اگر کافر ہیں تو کُفر ایمان کی ضد ہے اَور ایمان تصدیق ہے اَور تصدیق چھ قسم کی ہے جن میں سے ایمان شرعی میں فقط ایک قسم مقبول ہے اَور باقی مردُود ہیں۔ اِن اقسام کی تفصیل بیان کرتے ہُوئے بتائیں کہ قائلینِ علمِ ماکان ومایکون میں کونسی قسم نہیں پائی جاتی۔ اَور آپ میں وُہ قسم موجُود ہے جس کی بنا پر آپ اُنہیں کافر کہتے ہیں؟ حضرتؒ نے آیتِ مندرجہ بالا قُلْ لَّا یَعْلَمُ اِلَی اٰخِرِہٖ اَور اس کے معارض آیات عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ وغیرہ بھی تلاوت فرمائیں۔

جامعہ غوثیہ کے سابق صدر مدرّس مولینا مُحبُّ النّبی صاحب کا بیان ہے کہ تصدیق کے اقسام ستّہ بعد میں بعض متوسّلین کی درخواست پر آپ نے حسبِ ذیل بیان فرمائے تھے جن کا ماخذ حضرت شیخ اکبرؒ کی تصنیفات "فتُوحات مکّیہ" وغیرہ ہیں:

(۱) تصدیق بذاتہٖ یعنی کسی صفت یا دلیل کے بغیر مان لینا (۲) تصدیق بنعت ذاتہٖ: مثلاً وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ میں نعتِ خلق کی وجہ سے تصدیق ہُوئی (۳) تصدیق بحالہٖ: مثلاً ایک تکلیف پیش آئی جو خُدا کے نام لینے سے ٹل گئی۔ یہ ایک حال پیدا ہو گیا جس میں دل خُود بخُود اپنے اس حال کی وجہ سے تصدیق کرنے لگا۔ (۴) تصدیق بربّہٖ: عالم کی پرورش اور رُبوبیتِ عامہ کو دیکھ کر تصدیق (۵) تصدیق بنعت ربّہٖ: اُس کی رُبوبیتِ خاصہ کو دیکھ کر تصدیق، ذاتی احسان کا خیال یا احسان کے زیرِ تجربہ آنے پر تصدیق (۶) تصدیق بامرِ ربّہٖ: اللّٰہ کے حکم کی وجہ سے تصدیق۔ یہی تصدیق مقبُول ہے۔ پہلی پانچوں جبری ہیں فقط چھٹی اختیاری ہے اَور ایمان اختیاری ہی مقبُول ہے۔ (فیض، ۴۴۰)

دیتے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہ لیں۔ کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ آپ آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔"
حضرتؒ نے فرمایا۔ "مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اپنی اس شرط پر قائم رہیں۔" اور فرمایا۔ "پہلے ذرا اس آیت کے معنی بیان کر دیں:-

مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۲)

(ترجمہ) جو اس دُنیا میں اندھا ہے وُہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور سخت گمراہ۔

حافظ صاحب چُپ چاپ اُٹھ گئے اور اُس روز سے اس نواح میں اُن کا نام ہی حافظ اعمٰی پڑ گیا۔ ۲۴۱

سیاست سے پرہیز

آپ نے کبھی سیاست میں حصّہ نہ لیا بعض مخلصین نے اسمبلیوں کے انتخاب میں امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ اس وقت ان چیزوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا میں ان کاموں میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت جسٹس دلیپ سنگھ نے ملعون راجپال شاتم رسولؐ کو اپیل پر ہائیکورٹ میں بری کیا اور مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا تو آپ نے وائسرائے ہند کو بذریعہ تار شدید احتجاج فرماتے ہوئے لکھا کہ مسلمان قوم ہزار اختلافات کے باوجود ناموس رسولؐ کے محاذ پر یک جان ہو کر لڑے گی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ ۱۴۴

شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت کی دعوت سے انکار پر انگریز حکومت نے آپ کو اپنا مخالف سمجھ کر ایذا رسانی کی جانب میلان کیا مگر کچھ بگاڑ نہ سکی۔ بعد ازاں حکومت نے سینکڑوں مربعہ اراضی بطور جاگیر دینا چاہی مگر حضرتؒ نے قبول نہ فرمائی۔ جو آپ آگے پڑھیں گے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے دورِ مبارک میں برطانیہ کا ستارۂ اقبال عروجِ کمال پر تھا۔ خصوصاً ہندوستان میں برطانوی سطوت پورے زوروں پر تھی۔ اُمراء اور والیانِ ریاست انگریز کا دم بھرتے تھے بلکہ اکابرینِ اُمّت بھی اس کے دربار میں باریابی کو مسلمانوں کے لیے معاشی بہبودی اور سیاسی اقتدار کا باعث سمجھتے تھے۔ بایں ہمہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے کبھی بھی اس غیر مسلم حکومتِ وقت کی طرف داری اور تملق سے اپنے دامنِ تقدس کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی تحریکات میں بھی شرکت سے احتراز فرمایا جن کا منشور کتاب و سُنّت کے خلاف تھا۔

انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار میں شمولیت کے لیے مذہبی پیشواؤں کی سلک میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ

کو بھی دعوت نامہ موصول ہُوا تو آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے۔ حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے۔ کیونکہ آپ صرف ہند و پنجاب کے ہی مذہبی پیشوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیر و مُرشد تھے۔ کمشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان مجسٹریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکنہ ٹھٹہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اُنہوں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے لیے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کرا دیا جائے گا۔ اور صرف ایک دن کے لیے جب کہ شہنشاہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے آپ کو دربار میں جا کر اُس کے حق میں دُعا کرنا ہوگی۔ مگر حضرتؒ رضامند نہ ہُوئے اور کمشنر کی روبکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہُوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں۔

دربار کے منعقد ہو جانے کے بعد اُس سال جب آپ حسبِ معمول پاک پتن شریف کے عُرس پر گئے تو ایک روز سرِ مجلس دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف سے فرمایا کہ آپ کا دہلی دربار میں شامل ہونا اس وجہ سے درست تھا کہ آپ کی ایک حیثیت جاگیردار ہونے کی بھی تھی۔ جو اسلامی حکومتوں کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ دہلی اور علی گڑھ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ ضرور آئیں کیونکہ اس میں اسلام کی عزت ہے مگر میں نے جواب دیا کہ یہ میرے نزدیک ذلت ہے۔ اس پر جناب دیوان صاحب نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا ارشاد بجا ہے کیونکہ بڑے ادب سے جُھک کر بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کا منظر ایک باعزت مسلمان کے لیے حقیقتاً ناقابلِ برداشت تھا۔ ۲۸۳

اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا ردِ عمل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے منصرمِ خط و کتابت ملک سُلطان محمود خان بیان کرتے تھے کہ جب دہلی دربار کے کوائف "ٹائمز آف لنڈن" میں شائع ہُوئے تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے انکارِ شمولیت کے ساتھ تحریر تھا کہ آپ سرحدی پٹھانوں اور قبائیلیوں کے پیر ہیں۔ اور اس انکار کے وجوہ ان لوگوں کی حکومت سے سرکشی کی بناء پر سیاسی قسم کے ہیں جن پر حکومت کو نظر رکھنا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر لُوئی ڈین نے اپنی کونسل کے اجلاس بمقام شملہ میں کہا کہ میری گورنمنٹ پیر آف گولڑہ کے اس انکار کی اصلی وجہ معلوم کرے گی اور تحقیقات کے بعد مُناسب اقدام کرے گی۔ چنانچہ راولپنڈی کے کمشنر نے ڈپٹی مظفر خان مجسٹریٹ کے ذریعے آپ کو بُلوا بھیجا۔ خان صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کی مُلاقات سے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا اور بذریعہ ریل گاڑی آمد و رفت پر صرف تین گھنٹے صرف ہوں گے۔ اور اگر عصر کے بعد حسبِ معمول سواری کے دوران "ٹوپی رکھ" جاتے ہُوئے کمشنر صاحب سے مِل لیں تو اور بھی کم وقت لگے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں تین منٹ کے لیے بھی اس مسجد کو چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں۔ کمشنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ وُہ یہاں آ جائیں۔

سرحد اور پنجاب میں اس خبر سے ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بعض ذی اثر لوگ لیفٹیننٹ گورنر سے بھی ملے۔ اور انتظامیہ کی طرف سے بھی اس بے اطمینانی و ہیجان کی خُفیہ اطلاعات گورنمنٹ کو پہنچیں۔ اُدھر گورنمنٹ کے قانونی مشیر (لیگل ریممبرنسر) نے رائے دی کہ جو شخص گورنمنٹ کا ملازم یا وظیفہ خوار نہیں اُس کی طرف سے دہلی دربار میں شمولیت یا کی تحقیقات میں حاضری سے انکار کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر راولپنڈی سے کہا

کسی روز خود جا کر پیر صاحب سے ملیں تاکہ اُن کے وسیع حلقۂ اثر میں بے چینی اور کشیدگی ختم ہو۔ چنانچہ ایک روز کمشنر صاحب خود ڈپٹی مظفر خان اور پشاور کے میاں کریم بخش سیٹھی کی معیت میں گولڑہ شریف پہنچے۔ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے مل کر اس کشیدگی کو رفع کیا۔ ۲۸۴

انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش

یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الجامعہؒ لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر حکومتِ برطانیہ نے چار سو مربع نہری زمین کی جاگیر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس ضمن میں گورنمنٹ کا جو افسر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے اِس جاگیر کے بے ضرر بلکہ قانوناً اور اخلاقاً جائز ہونے کے یہ دلایل پیش کیے کہ حکومت پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی تعلیمی بہبود کے لیے مالی امداد دیتی رہے۔ چنانچہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی جا رہی ہے۔ یہ خانقاہ بھی ایک تعلیمی ادارے کا حکم رکھتی ہے جہاں رعیت کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم اور رُوحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے۔ پس یہ گرانٹ انہی لوگوں کی امداد کے لیے ہے۔ ہم سے پہلے مغل اور پٹھان حکومتیں بھی رعایا کے ہندو، مُسلم، جینی اور سکھ طبقوں کو ایسی جاگیریں دیتی چلی آئی ہیں جو ہم نے بدستور قایم رکھی ہوئی ہیں۔ ہر نئی حکومت کو ایسی چیزیں ورثے میں ملتی ہیں۔ اور وُہ ان کے قیام کے لیے بین الاقوامی دستور کے ماتحت ذمہ دار ہوتی ہے۔

اس افسر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو اس اراضی کے اِنتظام میں کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑے گی۔ بلکہ آپ چاہیں تو ضلع کا کلکٹر بطور کورٹ آف وارڈز اس کا اِنتظام کرائے گا اور ہر فصل پر اس کی آمدنی نقدی کی صُورت میں خانقاہ میں داخل کرا دی جایا کرے گی۔

حضرتؒ نے یہ تقریر سُن کر فرمایا کہ جو حکومت ہم پر اتنا بڑا احسان روا رکھے تو بطورِ انسان ہم پر بھی یہ فرض عائد ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ اور اگر عملاً اور کچھ نہ کر سکیں تو از راہِ شکر گذاری کبھی کبھار اس حکومت کے بڑے بڑے کارپردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام ہی کر آیا کریں۔ لیکن میں تو اتنا کرنے سے بھی معذور ہُوں۔ جو لوگ یہاں آتے ہیں یا کچھ عرصہ یہاں رہ کر دینی تعلیم یا رُوحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے اخراجات اور ضرُوریات کی کسی نہ کسی صُورت میں بہتر کفالت فرما دیتے ہیں۔

اِس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد شیخ الجامعہ تعجب کا اِظہار فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے متعلق قِسم قِسم کے اِلزامات تراشے گئے۔ اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے مقبول بندے کی رائے کو سچا ثابت کر دیا۔ مہاتما گاندھی نے آنکھیں پھیر لیں۔ مُسلمانوں کے خلاف شُدھی کی تحریک شرُوع کر دی گئی۔ خلافت کمیٹی نے ایک مرتبہ سوامی شردھانند دُشمنِ اسلام کو دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر بٹھلا کر تقریر کروائی تھی۔ جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یُو پی کے طول و عرض میں پھیل گئے اور دُور اُفتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مُسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لیے بیٹھے ہیں کہ تمام مُسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مُسلمان اسلام سے مُنحرف ہو گئے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ خود ہنود بھی محارب فی الدین تھا۔ غرض حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اسلام کی اصلی روش پر قائم رہے۔ اور کوہِ وقار ثابت ہُوئے۔ اور دُوسرے اکثر لوگ صراطِ مُستقیم چھوڑ کر بالآخر کفِ افسوس ملتے ہُوئے حضرتؒ کی روش کے قایل ہُوئے۔ ان مؤخر الذکر قِسم کے حضرات میں خُود شیخ الجامعہ کی ذاتِ گرامی بھی تھی جو حسبِ تحریرِ خود کسی زمانہ میں مُلتان اور نواحی اضلاع کے عُلمائے دین میں تحریکِ خلافت کے رُوحِ رواں تھے۔ ۲۷۵

پیر صاحب قدس سرّہٗ اپنے وقت کے فضائے صدق و اخلاص کے بلند پرواز شہباز اور دریائے عشق و محبت کے غواص ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مفکّرِ اسلام، محقق مجتہدانہ بصیرت کے حامل، فقیہ، زبردست مناظر، بہترین محدث اور اعلیٰ ترین مصنّف بھی تھے۔

تصانیف

"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت قبلۂ عالم کی پہلی معرکۃ الآرا تصنیف "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اپنے لطیف مسائل، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

لکھنؤ میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام گرامی مولانا عبدالرحمٰن تھا۔ وہ نہ صرف علوم ظاہر کے جید عالم تھے بلکہ تصوف میں بھی دسترس رکھتے تھے اور توحید وجودی پر ایمان رکھنے والے صاحب حال مرد تھے۔ اپنے سفر ارتقائے روحانی کے دوران انہوں نے غایت وثوق اور انہماک توحید وجودی کی بناء پر اپنی تصنیف "کلمۃ الحق" میں اصنام (معبودانِ باطلہ) کو عین اللہ قرار دے دیا اور کلمۂ طیبہ کے معانی اپنے زعم کے مطابق اور خلافِ قانونِ ادبِ عربی کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کلمۂ توحید میں الٰہ سے مراد اصنام ہیں اور خبر محذوف غیر ہے لہٰذا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہیں لَا شَیْءَ مِنَ الْاَصْنَامِ غَیْرُ اللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ "نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ مگر اللہ یعنی ہر صنم عین اللہ ہے۔" پھر اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس بات پر بھی مُصر ہوئے کہ تمام اُمت پر لازم ہے کہ وہ ان کے بیان کردہ مطلب کو صحیح سمجھے اور تمام علماء سلف جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور وہ جو آئندہ ایسا نہیں کریں گے سب گمراہ ہوں گے۔

---

[1] محاورہ قرآن کریم میں لفظ الٰہ کا در حالت اتصاف بالوحدۃ مثل اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کے اور ایسا ہی وقت اضافت کے موحدین کی طرف مثل اِلٰـھُکُمْ وَاِلٰہُ اٰبَآئِکُمْ مراد اس سے معبود حقیقی ہوتا ہے۔ اور وقت استغراق کے مثل وَمَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ، اور جمعیت کے وقت مثل وَلَوْ کَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَۃً مَّا وَرَدُوْھَا اور ایسا ہی وقت اضافت کے مشرکین کی طرف، مراد اس سے معبودات ممکنہ مثل اصنام وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

بناءً علیہ لفظ الٰہ جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں واقع ہے مراد اس سے الٰہ ممکنہ ہوں گے اور نیز تقریب بھی اسی صورت میں تام ہوتی ہے۔ کیونکہ براہین خمسہ میں مراد الٰہ سے اصنام ہی ہیں۔ مثلاً لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔

بعد تعیین ارادہ اصنام کے الٰہ سے کلمۂ طیبہ میں، تقدیر امکان یا وجود کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو (العیاذ باللہ) اہلِ اسلام میں جو کلمۂ طیبہ ہے کیونکہ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ کوئی فرد افراد معبودات ممکنہ سے، یعنی اصنام و کواکب وغیرہ ممکن نہیں یا موجود نہیں۔ اور استیلاء صفاتی بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ جیسا کہ منافی للوجوب بر تقدیر وحدۃ وجوب نہیں ایسا ہی بر تقدیر تعدد بھی نہ ہوگا۔

بناءً علیہ اگر ارادہ استحقاق للعبادۃ کا حقیقی طور پر، جو مساوق للوجوب ہے، عنوان موضوعی یا محمولی سے بھی کیا جائے تو مستلزم لَمَا کَانَتَا یا لَفَسَدَتَا کو نہیں ہو سکتا۔ اور ازلیتِ امکان چونکہ مستلزم ہے امکانِ ازلیت کو مادۂ وجوب میں، لہٰذا ممکنہ عامہ موجبہ جزئیہ، جو نقیض ہے ضروریہ سالبہ کلیہ کی، یعنی لَا اِلٰہَ مَوْجُوْدٌ بِالضَّرُوْرَۃِ کی، (العیاذ باللہ) صادق ہوگا۔

الغرض تقدیر ممکن یا موجود یا مستحق زعمی کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو مدعی میں۔ اور ارادہ استحقاق واقعی کا مقتضی ہے بطلانِ براہین کو۔

اس تقریر سے ناظر کی پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جواب تفتازانی اور شیخ اکبر وغیرہ علماء کا دفع اشکال مذکور میں مفید نہیں۔ جواب اس کا حسب محاورہ قرآنیہ چاہیے۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ فرق کرنا تساوق فیما بین الذوات اور تساوق فیما بین الصفات میں بعد اشتراک فی الوجوب کے مفید نہ ہوگا جیسا کہ وجوب بالذات اور بالغیر میں۔ کیونکہ یہ مجوز ہے سلب صفات کو ذات واجبیت فی مرتبۃ من المراتب۔ ایسی مخصوص سے خود نمائی کی بو آئے شان عبدیت کو ہرگز شایاں نہیں۔

اِس موقع پر حضرت قدس سرّہٗ نے اپنا قلم مُبارک اُٹھایا اور یہ کتاب "تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" تحریر فرمائی جس میں مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کے مسلک کی نہایت قوی اور مفصل براہین اور دلائل کے ساتھ تردید فرمائی اور یہ ثابت فرمایا کہ کلمۂ توحید کا وُہ معنیٰ جس پر زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہلِ اسلام مُتفق چلے آئے ہیں، ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے کافی ہے۔ مگر دیگر علمائے ظاہر کی طرح حضرتؒ نے مولانا کو مستوجب تکفیر و تعزیر نہیں ٹھہرایا بلکہ بوجہ اُن کے غلبۂ حال کے اُنہیں معذور سمجھا۔

کتاب کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ اوّلاً بیان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں یہ ثابت کیا ہے کہ اِلٰہ سے معنی کُلّی مستحق للعبادۃ مراد ہے نہ کہ اصنام (معبودانِ باطلہ) اور خبر غیر محذوف نہیں بلکہ موجود محذوف ہے پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہوں گے نہیں کوئی مستحقِ عبادت موجود مگر اللہ۔ ثانیاً بیانِ توحیدِ حضۂ عرفائے کرام یعنی توحیدِ وجودی کی تشریح اور اُس کے حصول کا طریقہ۔ بعدہٗ بیانِ سیرتِ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۂ ثانی کی دوسری جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی مختصر شرح ہے اور آخر میں تبرّکاً احادیثِ مخصوصہ کشفیہ کا بیان ہے۔ ۱۴ ھ

شمسُ الہدایۃ فی اثباتِ حیاتُ المسیح

(۱۳۱۷ھ مطابق سنہ ۱۹۰۰ء)

وجہِ تالیف

"تحقیقُ الحق" کی تصنیف کے تقریباً دو سال بعد حضرتؒ نے قادیانی تحریک کی تردید میں کتاب "شمسُ الہدایت" تالیف فرمائی۔ اِس سے قبل باب مسندِ ارشاد میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرتؒ نے اِس تحریک کے ابطال میں معرکۃ الآرا کردار ادا فرمایا۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس تحریک کے بانی اپنی اوائل عمر میں وُہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوائے نبوت تک پہنچنے کے لیے اُنہوں نے کئی مدارج طے کیے۔ اپنے ابتدائی دور میں اُنہوں نے آریہ سماجیوں اور نصاریٰ کے خلاف دینِ اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اُس وقت کے اہلِ علم کافی متاثر ہوئے سب سے پہلا قدم جو اُنہوں نے اپنے دعوائے نبوت کے ارتقاء کی طرف اُٹھایا وُہ اپنے آپ کو مجدد ظاہر کرنے کا تھا۔ اس پر عامۃ المسلمین کا ایک طبقہ مشوش تو ہوا مگر اس خیال سے خاموش رہا کہ یہ شخص اہلِ ہنود و نصاریٰ کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہے اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو القابات سے مرصّع کرنا چاہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا دوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعود کہلانے کا تھا۔ یہ قدم اُٹھانے سے پہلے اُنہوں نے اس عقیدۂ اجماعیہ اہلِ اسلام کی نفی کی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سُولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو بجسدِ عنصری اُوپر اُٹھا لیا جہاں وُہ اُس وقت تک رہیں گے جب وُہ قیامت سے پہلے دوبارہ اس زمین پر اُتارے جائیں گے۔ اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھایا مگر اُن کی موت واقع نہ ہوئی بلکہ اُن کے حواریوں نے اُنہیں وہاں سے اُتار کر چھپا دیا اور وُہ اپنی عمرِ طبعی گزار کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے تھے۔ ۲۳

رفع و نزول و حیاتِ مسیح پر دلائل

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ نے اس کتاب میں دینِ مرزائیت کے بنیادی مسئلہ وفاتِ مسیح کی تردید کر کے حضرت عیسے علیہ السلام کے آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ اُٹھائے جانے اور قیامت کے قریب زمین پر دوبارہ نزول فرما کر اسلام کی نصرت کا باعث بننے کو قرآن و حدیث سے نہایت زبردست دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور اسے اُمّتِ اسلامیہ کے متفق علیہ عقائد سے قرار دیا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ اُن کی موت اور اُن کے مثیل کے دُنیا میں بطور مسیح موعُود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ کتاب سوالات اور جوابات کے رنگ میں ہے جس سے مسئلہ زیرِ بحث نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔
حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے حضرت مسیح ابنِ مریم (علیہما السلام) کے بجسدِ عنصری رفع الی السما اور نزول من السما پر چالیس کے قریب احادیث اور آثارِ صحابہ کی تخریج فرمائی ہے جن میں اکثر کے اندر لفظ سما موجود ہے اور جو بائیس صفحاتِ کتاب پر پھیلی ہوئی ہیں جنہیں بخاری۔ مُسلم۔ مسند امام احمد۔ تفسیر ابن جریر۔ ابن کثیر۔ دُرِّ منثور اور کنز العمال جیسی مُستند کتابوں میں ذکر کیا گیا اور جن کی روایت مندرجہ ذیل اٹھارہ صحابہ کبار وغیرہم نے فرمائی۔

حضرت عائشہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابُوہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن عمرو۔ عثمان بن ابی العاص۔ ابی امامہ۔ جابر۔ سمرہ بن جندب۔ عمرو بن عوف۔ حذیفہ بن اسید۔ حذیفہ بن یمان۔ عمران بن حصین۔ کیسان۔ ابی شریحہ۔ نواس ابن سمعان اور مجمع بن جاریہ (رضی اللہ تعالی عنہم)

اس کے علاوہ حضرتؒ نے مزید آٹھ وجوہات سے مرزائیوں کے اس دعویٰ کا ابطال کیا کہ رفع رُوحانی تھا جسمانی نہ تھا۔ اور بلاشک اِن وجوہات کی تشریح کی جائے تو آٹھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اس تاویل کو کہ نزولِ مسیح سے میرا ظہور مراد ہے جو مثیلِ مسیح ہُوں بدلائل اس قدر مضحکہ خیز ثابت کیا ہے کہ قادیانیت کی تلبیس کا پردہ یکسر چاک ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہی حشر اس زعمِ باطل کا ہوا کہ دجال ایک شخص معین نہیں بلکہ پادری دجال ہے جنہیں میرے دلائل نے قتل کر دیا ہے۔ اور کہ (نعوذ باللہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دجالِ شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ غلطی پر قیام نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ میں توفّی کو موت کے معنی میں لینے کا ابطال صحابہ اور تابعین کی تفاسیر سے کماحقہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر توفّی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متوفّی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل ہوگا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دُوں گا۔ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہل اسلام اس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قربِ قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسے علیہ السلام کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں اس طرح آیت سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ کے معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنّتِ الٰہی مر چکی ہے اور اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں کی طرف جاتے تھے تو مر جاتے تھے۔

اِن دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پُورا لطف اس کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے جو اپنے نقش اوّل پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتی ہے۔ ۵۲۸

سیفِ چشتیائی

(۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۲ء)

وجہِ تالیف

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بانیٔ مرزائیت اپنے دعوائے نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلانِ نبوت کی تھی جو انہوں نے ۱۹۰۱ء میں طے کی۔ حضرتؒ نے اپنی تصنیف "شمس الہدایت" میں (جس کا بیان اُوپر گزر چکا ہے) جہاں اُن کے دعوائے مسیح موعود ہونے کو نہایت حتمی طور پر قوی دلائل اور براہان کے ساتھ باطل قرار دیا تھا، وہاں اُن سے چند سوالات بھی کیے تھے اور ساتھ ہی کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔ قریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد احسن صاحب نے "شمس الہدایت" کا جواب "شمس بازغہ" کے نام سے شائع کیا اور خود بانیٔ مرزائیت نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر "اعجازِ مسیح" تالیف کی اور اُسے الہامی اعجاز قرار دیتے ہوئے دعوٰی کیا کہ اس کا جواب طاقتِ بشری سے باہر ہے۔

اِن دو کتب کے لکھنے سے پہلے بانیٔ مرزائیت کی طرف سے حضرتؒ کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اُن کی ہزیمت کی تفصیل حصۂ اوّل میں بیان کی جا چکی ہے۔ اِن دونوں کتابوں کے جواب میں حضرتؒ نے اپنی تیسری شہرۂ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تحریر فرمائی، جس کی وجہ تالیف بھی بہ تفصیل صفحہ ۳۰۲ میں دی جا چکی ہے۔ اِس میں "اعجازِ مسیح" پر پورے ایک سو اعتراضات اور اشکال وارد فرما کر آپ نے یہ آشکار فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف لغت اور صرف و نحو کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ اِن اغلاط کی تفصیل بھی بیانِ ارشاد میں گزر چکی ہے۔ مرزائیوں کی دُوسری کتاب "شمسِ بازغہ" میں مؤلف نے کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرتؒ کی تصنیف "شمس الہدایت" پر مختلف اعتراضات کیے تھے۔ کلمۂ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں انہوں نے حضرتؒ کی کتاب "تحقیق الحق" سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر بوجہ اپنی کم فہمی کے اُس کا صحیح استعمال نہ کر سکے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ حضرتؒ نے نہ صرف اُن کی اِس ناکام کوشش کو عیاں کر دیا بلکہ انہیں کلمۂ طیبہ کا صحیح مطلب بھی "سیفِ چشتیائی" میں سمجھایا اور "شمس الہدایت" کے خلاف تمام اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا۔ اس کتاب کو علمائے عصر نے تحریراً اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعراء نے اِس کی شان میں قصیدے لکھے اور مثنویاں موزوں کیں۔

اِس کتاب کی اشاعت کے بعد عُلماء کے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قطعاً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی۔ اور ہزاروں مذبذبین اہلِ اسلام عقیدۂ حقہ پر مضبوط ہو گئے۔ بلکہ کئی مرزائی اِس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ ۵۲؎

اعلاءُ کلمۃُ اللّٰہ فی بیانِ مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۵۳۶

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴-۵ء)

وجہِ تالیف

حضرتؒ نے وجہ تالیف تصریحاً اس کتاب کے خطبہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ بزرگان دین کے نام پر نذر مانے ہوئے جانور کی حلت و حرمت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور ہر دو فریقین کے وہ متبعین جو سخن فہمی اور دیانت و تقوٰی سے پوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر رہے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ ایسے جانوروں کو جو بغرض ایصالِ ثواب اور فاتحہ بزرگانِ دین اُن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یا اُس طعام کو جو (اسی غرضِ ایصالِ ثواب سے) اُن کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے مطلقاً حرام اور آیت مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل گردانتے ہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح اُن پر خدائے تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اور ذابح کا مقصد بجز ایصالِ ثواب اور کچھ بھی نہ ہو۔ اور بعض دیگر اصحاب اس قسم کی اشیاء کو مطلقاً حلال کہتے ہیں گو ذابح کا مقصد غیر اللہ کا تقرب ہی کیوں نہ ہو۔ بنابریں یہ رسالہ تحریر کیا گیا کہ اہل اسلام افراط و تفریط کا راستہ ترک کر کے صراط مستقیم پر قائم رہیں۔ اور برادرانِ اہلِ انصاف وساوس و اوہام سے محفوظ رہ کر شرِ شیطان سے بچیں حضرت کی یہ تصنیف فارسی زبان میں شائع ہوئی جس میں وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر کے علاوہ سماعِ موتیٰ، مسئلہ حرمت ذبیحہ فوق العقدہ، استمداد از قبور صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعت غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ ان میں بعض مسائل از قسم استمداد و سجدۂ تعظیمی علم غیب حاضر ناظر وغیرہ پر خود مقلدین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ ان مسائل پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ ملفوظات اور مکتوبات کے باب میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلدین کے ان فرقوں کے درمیان رفع اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔

اہلال کے معنی

باب اوّل میں آیت وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا معنٰی اور اُس کی تفسیر کے تمام متعلقہ امور سوالات و جوابات کی صورت میں بیان فرمائے ہیں۔ اور نقول معتبرہ سے ثابت فرمایا ہے کہ اہلال کا معنٰی آیتِ شریفہ میں یہ ہرگز نہیں کہ کسی جانور کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کر دیا جائے یا اُس کے نام پر مشہور کر دیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح جو لوگ مطلقاً حلت کے قائل ہیں اگرچہ ذابح کا مقصد تقرب لغیر اللہ بھی ہو۔ اور جو آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کیا جائے وہ بھی حلال ہے وہ غلطی پر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اہلال بمعنی ذبح اور لغیر اللہ معنی باسم غیر اللہ لینا تحریف قرآن کے مترادف ہے آنجنابؒ کا یہ محاکمہ قابلِ دید ہے جسے پڑھ کر ہر دو فریق کے اربابِ انصاف داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے

ذبح کے شرائط اور اقسام

باب دوم میں ذبح کے شرائط اور اُس کے اقسام بیان فرمائے ہیں اور مولانا عبدالحکیم ملتانی اور مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مابین مسئلہ مذکورہ کے متعلقہ اختلافات پر تبصرہ فرمایا ہے اور آخر میں تذئیل کے عنوان سے مسئلہ ذبح فوق العقدہ پر نہایت محققانہ بحث فرمائی ہے اور اُس کی حرمت کو ازروئے دلائل ثابت فرمایا ہے۔

باب سوم میں نذر کے معنی اور اُس کے متعلقات کی تشریح فرما کر مسئلہ ندائے غائبانہ۔ توسل اور استعانت از اولیاء اللہ اور سماع موتیٰ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور منکرین استمداد اور سماع موتیٰ وغیرہ کے دلائل کے نہایت اطمینان بخش جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ان مسائل اختلافیہ پر اس اعتدال اور انصاف سے آج تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہوگا۔ خصوصاً مسئلہ علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ فریقین کا اختلاف ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس منصفانہ تحقیق کے بعد کسی قسم کے نزاع کی گنجائش ہی نہیں رہتی ۵۲۷

نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان

اس کے بعد حضرت نے منذور کی تخصیص پر کتاب بوارق محمدیہ میں مندرج استفتائے مولوی رفیع الدین۔ وصیت نامہ مولانا عبداللہ گجراتی بمعہ شیخ عبدالحق سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو لکھتے ہیں کہ فاتحہ دلوانا اور طعام کھلوانا بلاشبہ امر مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اُس کے کھانے والوں کا مخصص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے۔ پس یہ تخصیص امر مستحب کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی اور یہ تخصیصات رسم ورواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتداءً ان کی کسی خاص مصلحت اور مخفی منشاء کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں۔ صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اُس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بزرگان طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے۔ اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعیین نیک رسوم اور عادات حسنہ کی قبیل سے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ تخصیصات اور تعینات اُن مشائخ عظام اور اولیائے کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

چند سوالات دربارہ استعانت و امداد ارواح کاملین

اس استفتاء میں چونکہ صاحب قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اُس سے مدد طلب کی گئی ہے لہٰذا اگر استمداد کے مسئلہ اور اُس کے مالہٗ وما علیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو ناظرین کے لیے باعث آسانی ہوگا۔

سوال۔ چونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز کو سنتے ہیں، ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور اس سننے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کو کسی کے توسل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب

کرنا، چاہے وُہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنی بات ہے اور مشکلات اور حاجات میں بزرگوں کو اُن کے نام سے پکارنا، جیسے اے میرے پیر میری مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر، سراسر بے معنی چیز ہے۔ بلکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات :-

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں :-

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۔ یہاں عبادت اور استعانت کو اپنی ذات میں حصر فرما دیا ہے۔

۲۔ وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا وَّأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهٖ أَحَدًا ؕ

(ترجمہ) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوا بندہ خدا کا اُس کی عبادت کے لیے تو یہ کافر لوگ اُس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۔ إِنْ يَّدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ إِلَّا إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُونَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيدًا ؕ

(ترجمہ) وُہ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر مؤنثات (لات و منات) کو۔ وُہ لوگ درحقیقت شیطان مردود کو پکارتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُونَ

(ترجمہ۔ اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوائے کسی اور کو پکارتا ہے جو روزِ قیامت تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا اور جو ان کی پکار سے محض بے خبر ہیں)

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِينَ ۝

(ترجمہ۔ اور اللہ کے سوائے کسی اور کو نہ پکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر تُو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

احادیث شریف :-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ ذَنْبٍ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ (بخاری و مسلم) ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تُو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک پکارے۔ اور حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا جانیں سختی میں پڑ گئی ہیں۔ عیال مصیبت میں مبتلا ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگیے۔ ہم اللہ کو آپ پر شفیع لاتے ہیں اور آپ کو اللہ پر شفیع لاتے ہیں۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ اور بڑی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے یہاں تک کہ اپنے صحابہؓ کے چہروں کی طرف دیکھا پھر فرمایا افسوس تجھ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اعظم ہے اس بات سے تجھ پر افسوس۔ کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ اُس کا عرش اُس کے آسمانوں کے اوپر ہے۔

یہ الفاظ تجھ پر افسوس اللہ کو کسی پر شفیع نہیں بنایا جا سکتا۔ ان سے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ ابنِ عباس رضہ سے روایت ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ پس فرمایا اے لڑکے تُو اللہ تعالٰی کے حقوق کی حفاظت کرتا رہ وُہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اُسے پہنچ وُہ تجھے پہنچے گا۔ اور جب کسی چیز کا سوال کر تو اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب مدد مانگ تو اللہ ہی سے مدد مانگ (مشکوۃ باب توکل۔ ترمذی)

ان سوالات کے جوابات

آیات (۱) اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا معنی اور مدلول صرف یہ ہے کہ مدد طلب کرنا اس طرح کہ مُستعان منہ کو خالق عون و مدد یقین کیا جائے جو صرف جناب باری تعالیٰ شانہٗ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امُورِ دینی میں ہو خواہ امُورِ دُنیوی میں۔ اور اگر استعانت کے یہ معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اس امر کے کہ مُستعان منہ کو مظہر عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ جل شانہٗ کے کارخانۂ حکمت و اسباب میں یہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہمیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے (مثلاً پانی پیاس بجھانے کے لیے۔ روٹی بھوک کے دفع کرنے کے لیے۔ آگ روٹی پکانے کے لیے، زمین کھیتی باڑی کے لیے۔ ادویہ کو دفع امراض کا سبب بنایا ہے۔ طبیب اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کا صریح ارشاد ہے) پس کارخانۂ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا مقتضی ہے۔ لہٰذا یہ طلب مدد مخلوق سے ممنوع نہیں اور نہ یہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی اور مدلول کے مخالف ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دُوسرے کی مدد کیا کرو۔ پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے صحیح نہیں۔

خاتم المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں اِیَّاکَ کا نَسْتَعِیْنُ پر مقدم کرنا حصر کا فائدہ بخشتا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امُورِ دُنیا و دین میں۔ اگر خاص ہے ۵۴۱ تو راز اس میں یہ ہے کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب اور اپنا اختیاری فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں پس عبادت میں استعانت ثابت ہو گئی اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص دُوسرے کی امداد اور اعانت کرتا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کے دل میں اُس دُوسرے کی امداد کرنے کے دواعی ڈالے جاتے ہیں۔ اور یہ اسباب اعانت کسی کے دل میں ڈالنا فعل باری تعالیٰ ہے پس گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کا کوئی غیر میری مدد نہیں کر سکتا۔ اور اس سے اعانت کا امکان بھی نہیں۔ لیکن اگر آپ اُس کے دل میں میری امداد و اعانت کا داعیہ ڈالیں اور اُس کی امداد فرمائیں کہ وُہ میری اعانت کے اسباب جمع کرے تب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں۔

اب اللہ تعالیٰ کے قول مُبارک اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو بھی دیکھئے۔ اگر اس کے متعلق یہ زعم اور خیال ہو کہ یہ مطلق استعانت پر حصر ہے تو مناقض ہو جائے گا آیۂ شریف تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کے اس واسطے کہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ نیکی اور تقوٰی پر ایک دُوسرے کی اعانت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا جب یہ معنی

خیال میں رکھا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دُوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں اور کسی کام میں بھی کسی دُوسرے کی ضرورت نہیں تو یہ آیت شریف مناقض ہو جائے گی۔ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ کی جہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر گنہ گار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مُعافی مانگیں اور آپ بھی اُن کے حق میں اِستغفار کریں تو وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توّاب اور رحیم پائیں گے۔

چونکہ اِنَّ الْقُرْاٰنَ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا (قرآن مجید کی بعض آیات دُوسری بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) وارد ہوا ہے اور یہ ساری قرآن مجید ہی کی آیات ہیں لہٰذا تمام آیات کی رعایت اور ہر ایک کے اپنے موقعہ اور مرتبہ کی نگہداشت ملحوظ رہنی چاہیئے۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جناب الٰہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور سمیع و بصیر ہونا اس چیز کے منافی نہیں کہ محبوبانِ حق میں سے کسی محبُوب کی طرف اِلتجاء جائی جائے یا اُن سے اپنی حاجات میں توسّل اختیار کیا جائے۔ اس واسطے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے باوجود اپنے کافی ہونے اور سمیع و بصیر بلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کی مغفرت کو بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر حضورؐ سے مغفرت طلبی پر موقوف اور وابستہ فرمایا۔

"بدرگاہش بیا و ہر چہ مے خواہی تمنّا کُن"

ربیعہ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں رات کو حضُور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضُورؐ کے لیے وضُو کا پانی اور دیگر ضروریات لایا تو حضُورؐ نے فرمایا جو چاہے مجھ سے مانگ لے۔ میں نے سوال کیا کہ بہشت میں آپؐ کی رفاقت مانگتا ہُوں۔ حضُورؐ نے فرمایا اس کے سوائے کچھ مانگ۔ میں نے عرض کیا صرف یہی چیز مانگتا ہوں۔ فرمایا پھر کثرتِ سجُود سے میری اعانت کر (مسلم)۔ اس حدیث میں کلمہ سل (سوال کر) اَو سَا اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ (اس کے سوا کوئی اور سوال کر) کو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ "سل" کا مفعول اور اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئول اور مطلُوب میں کمال وُسعت اور اطلاق ہے۔ حضرت شیخ عبد الحقؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "سل" کو مُطلق فرمایا ہے۔ اور مسئُول کو معین نہیں فرمایا اور مطلُوب کو خاص نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ کے دستِ ہمت و کرامت سے وابستہ ہیں کہ جو کچھ چاہیں اور جس کو چاہیں باذنِ پروردگار تقدس و تعالیٰ عطا فرمائیں۔

ع
فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ۔۔۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
اگر خیریتِ دُنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ مے خواہی تمنّا کُن

لہ حضرتؒ کا یہ ارشاد بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ اس واسطے کہ قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیات وارد ہیں۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ حضرت ذُوالقرنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد اَعِيْنُوْنِيْ (الآیہ) حضرت یُوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ارشاد وَاذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ۔

آیت اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں میں حصر ہے اور تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى یعنی نیکی اور تقویٰ پر ایک دُوسرے سے تعاون کرو میں تعاون کا حکم ہے۔ ایسے ہی صبر و صلوٰۃ سے استعانت اور حضرت ذوالقرنین کے مدد طلب کرنے سے غیر اللہ سے مدد لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے گو مجازی سہی۔

(دُنیا و آخرت آپ کے جُود و سخا کے اجزاء ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصّہ ہیں۔
اگر دُنیا و عقبیٰ کی خیریت کی آرزو ہے تو حضورؐ کی درگاہ میں حاضر ہو اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔)

اسی موضوع پر مُلّا علی قاری لکھتے ہیں "سَل" کا معنٰے ہے مجھ سے اپنی حاجت طلب کر لے۔ اور ابن حجرؒ اس کا مطلب فرماتے ہیں تُو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پُورا کروں گا۔ اس واسطے کہ ارباب کرم کا یہی طریقہ ہے۔ اور آپ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ آپ کے امرِ سوال کو مُطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزائن میں تصرّف کا حق آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اور جو چیز کسی کو عطا فرمانا چاہیں اُس کا آپ کو اختیار دے رکھا ہے۔

ابن سبعؒ نے خصائص میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کی زمین آپ کو بطور جاگیر عطا فرما دی ہے جسے چاہیں جتنی عطا فرما دیں۔ (احقاق الحق)

۲۔ آیت دوم میں لَا تَدْعُوا اور یَدْعُوا اور اُدْعُوْ سے مُراد پکارنے اور بُلانے اور ندا کرنے کے معانی میں نہیں لہ بلکہ عبادت مُراد ہے۔ بیضاوی۔ مدارک۔ معالم وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں۔ پس عبادتِ غیر اللہ حرام اور شرک ہوئی نہ کہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی یَدْعُوْنَ سے مُراد دعوت بطریق عبادت ہے اور اناث سے مُراد اصنام ہیں۔

۴۔ اور چوتھی آیت میں بھی یَدْعُوْ کے معنی یَعْبُدُ کے ہیں وَمَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ سے مُراد بُت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ آیت پنجم میں بھی لَا تَدْعُ سے مُراد لَا تَعْبُدْ ہے معالم وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی اتقان میں

لہ آج کل بعض تشدد پسند حضرات ان آیات میں لفظ دُعا کے لفظی معنی پکارنا لے کر تحریف کرتے ہیں حالانکہ ان آیات میں لغوی معنی مُراد نہیں جیسے قرآن مجید میں لفظ صلوٰۃ عموماً بمعنی لغوی نہیں ہے۔ یہاں بھی دُعا بمعنی شرعی اور اصطلاحی مُراد ہے۔ یعنی کسی ذات کو نافع و ضار مُستقل یا شفیع غالب و قاضی الحاجات علی الاطلاق سمجھ کر اُس کی طرف متوجہ ہونا اور استعانت طلب کرنا جو بلاشبہ عبادت ہے۔ اگر دُعا بمعنی لغوی ہر جگہ مُراد ہو تو پھر جس وقت مُشرکین بغیر پکارنے کے فقط دل سے غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ ان آیات کے دائرہ سے نکل جائیں گے جو ہرگز مقصود نہیں۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آیت "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللہِ" کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو غیر اللہ سے دُعا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر اللہ سے اس اصطلاحی معنی میں دُعا کرنا شرک فی العبادت ہے جس سے اہلِ سُنّت کا دامن پاک ہے کیونکہ وہ اہل اللہ سے دُعا نہیں کرتے بلکہ دُعا اللہ سے ہی کرتے ہیں اور اہل اللہ کو وسیلہ لاتے ہیں یا اُن سے سوال اور عرض کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ سے دُعا کریں جو بلاشبہ جائز ہے البتہ جہاں دُعا بمعنی لغوی ممکن ہو وہاں لغوی معنی ہی مُراد ہو گا جیسے حضرت نُوح علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ الخ (اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو پُکارا اور بُلایا)۔

غائبانہ: کسی مقبول ہستی سے توسّل کرنے کا محتاط طریقہ بھی یہی ہے کہ دُعا اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور اہل اللہ کے ساتھ محبت و تعلق کو وسیلہ بنایا جائے جو ایک عمدہ اور نیک عمل ہے اور سلف میں مروّج ہے لیکن اگر کسی نے اس عقیدہ سے غائبانہ ندا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مقبولین کو میری طرف متوجہ فرما دے تو اس کے شرعاً حرام ہونے پر کوئی نص نہیں جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حدیثِ عثمان بن حنیف میں جملہ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ کی توجیہ میں خود تصریح کر دی ہے اور حدیث اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللہِ مندرجہ حصن حصین اس پر شاہد ہے۔ (مؤلف عفی عنہ)

فرماتے ہیں لفظ دُعا کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی عبادت کے بھی ہیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَایَنْفَعُكَ۔

احادیث

۱۔ اَنْ تَدْعُوا لِلّٰہِ نِدًّا سے مُراد ہے اَنْ تَجْعَلَ لَہٗ نِدًّا (یہ کہ تو اُس کے لیے کسی کو شریک بنائے) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں "بنائے تو پروردگار کا کوئی شریک اور مُساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے" مُلا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہُوئے لکھا ہے اَنْ تَدْعُوا اَیْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ قسطلانی نے لَایَدْعُوْنَ کی شرح میں لکھا ہے اَیْ لَایَعْبُدُوْنَ۔

۲۔ اس حدیث میں نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰہِ عَلَیْكَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود ذات جل جلالہٗ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جملہ بایں معنی مذکور مستلزم ہے اس امر کو کہ جناب باری تعالیٰ جو یہاں شفیع بنائے گئے ہیں جناب رسالتمآب سے جو مشفوع بنائے گئے ہیں کم مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ معنی کفر ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فَشَانُ اللّٰہِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِكَ فرمایا ہے اور جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وُہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں شفیع بنا رہے ہیں اور حضرت شیخ کو مشفوع۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے نام مُبارک کی حُرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں بلکہ یہ چیز قرآن اور حدیث کی رُو سے ثابت ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (ڈرو اس اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے سوال کرتے ہو) تفسیر کبیر۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ۔ رواہ نسائی وغیرہ (جو اللہ تعالیٰ کے نام کے واسطہ سے پناہ مانگے اُسے پناہ دو اور جو اُس کے واسطہ سے سوال کرے اُسے عطا کرو) اس مضمون پر احادیث کثیرہ موجود ہیں مگر بخیال طوالت نقل نہیں کی جاتیں۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود بیان توکل ہے جو بہت بلند مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے پس خواص کے لیے اسباب کی طرف توجہ اور انہماک مُوجب تنزل ہے چنانچہ وارد ہوا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور اس سے یہ مقصود نہیں کہ بنی نوع سے مدد مانگنا اور انبیاء و اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور اسباب کے ساتھ توسل مُطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ نہایہ میں ہے۔ ھٰذَا مِنْ صِفَاتِ الْاَوْلِیَآءِ الْمُعْرِضِیْنَ عَنْ اَسْبَابِ الدُّنْیَا وَعَوَائِقِھَا الَّذِیْنَ لَایَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِّنْ عَلَائِقِھَا وَتِلْكَ دَرَجَۃُ الْخَوَاصِ لَایَبْلُغُھَا غَیْرُھُمْ وَاَمَّا الْعَوَامُ فَرُخِّصَ لَھُمْ فِی التَّدَاوِیْ وَالْمُعَالَجَاتِ (یہ اولیاء اللہ کی صفات ہیں جو اسباب دُنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دُنیوی علائق کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہ خواص کا درجہ ہے دُوسروں کا وہاں گذر نہیں۔ عوام کے لیے دوا و معالجہ اور اسباب و ذرائع اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

٥٤٣

عقیدۂ شفاعت

سوال۔ مشرکین بھی اپنے بتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے بلکہ وہ بتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ[1]۔ پس مومنین جو انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مشرکین جو اصنام (بت) کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ اس واسطے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب ماسوی اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو بیان کرو۔

جواب۔ فرق واضح ہے مشرکین اپنے اصنام (بتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے بطور حکایت فرمایا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[2]۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان کا رد کیا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو خاص خدمت کے بدلے میں کوئی ملک یا شہر دے دیتے ہیں اور اس ملک یا شہر کی تدبیر اسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ خادم اس ملک یا شہر کا مستقل بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے اور اس ملک یا شہر کے لوگ اس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ اصنام ہیں۔ حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ مشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارہ میں مومنین کے موافق ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امور میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ۵۴۶

عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں الوہیت دی اور وہ تمام مخلوق کے لیے مستحق عبادت ٹھہرے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کہ اس کا غلام اس کی خدمت کرتا ہے اور اچھی خدمت کرتا ہے پس بادشاہ اسے بادشاہی کی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے۔ پس اس شہر کے باشندے اس کے احکام کو سن کر اطاعت کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز مشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے جب کہ اس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی مل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت علو اور بلندی میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے تقرب کے لیے بالکل مفید نہیں بلکہ ان صالحین کی عبادت ضروری ہے اور یہ صالحین اب بھی سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں سے پتھروں کو کھڑا کر دیا اور صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان کی اولاد ہوئی جنہوں نے ان بتوں اور ان صالحین کے درمیان جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے تھے کوئی فرق نہ کیا اور انہیں بتوں کو بعینہ معبود یقین کر لیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مختلف طور پر رد فرمایا کبھی فرمایا کہ حکم اور ملک خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کبھی فرمایا کہ یہ بت بے دست و پا

---

[1] اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیں گے اللہ نے۔

[2] ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

ہیں نہ ان کے پاؤں ہیں کہ چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں کہ پکڑ سکیں، نہ آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں، نہ کان ہیں کہ سن سکیں:

انبیاء کرام اور اولیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو منصب شفاعت باذن الٰہی ثابت ہے۔ اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (کون ہے جو اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ (حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے شفاعت کا مرتبہ اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلَاثَۃٌ اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَآءُ (رواہ ابن ماجہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

سماعِ موتیٰ

سوال۔ مُردوں کا کچھ نہ سُننا قرآن مجید سے ثابت ہے: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا اور نہ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور اسی آیت سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ کی تاویل کی ہے جیسا کہ بُخاری شریف میں ہے پس مُردوں سے مدد مانگنا بے فائدہ ہے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں جس سماعت کی نفی کی گئی ہے اُسی کو اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا (آپ نہیں سُناتے مگر ان لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں) میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور اثبات بطریق حصر کیا گیا ہے۔

(مترجم۔ یعنی قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اور اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا۔ ان آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسماع کی نفی کی گئی ہے۔ مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے مَنْ ۵۴۷
یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا میں، تو معلوم ہوا کہ جو اسماع منفی ہے وُہی مثبت ہے اگرچہ اسماع کے متعلقین ہر دو جگہ مختلف ہیں مگر اسماع ایک ہی ہے)

ظاہر ہے کہ جس اسماع کا اثبات مؤمنین کے لیے کیا گیا ہے وُہ اسماع اجابت ہے نہ مُطلق۔

(مترجم۔ کفار سے نفی بھی اسماع اجابت کی ہوگی۔ پس اگر مَوْتٰی سے اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے ان کے حقیقی معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مُردے حالت کفر میں مرے ہیں وُہ اب آپ کے کلام کو سُن کر اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وُہ دارِ تکلیف سے نکل چکے ہیں۔ ان کا کفر اب زائل نہیں ہو سکتا یعنی ان کو اب کوئی نفع نہیں ہو سکتا پس اس لحاظ سے مَنْ یُّؤْمِنُ سے مومن مُردے بھی مُراد لیے جائیں گے یعنی ان کو آپ کا کلام سُننے سے نفع ہوتا ہے۔ اور اگر مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے موتیٰ قلب ہیں یعنی زندہ کافر جو اصرار کفر پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ کفار مُصر ہیں آپ کا کلام سُن کر اجابت نہیں کریں گے اور اسلام نہ لائیں گے۔ ہاں مؤمن جو ایمان لانا چاہتے ہیں اور ایمان میں پختگی چاہتے ہیں وُہ آپ کا کلام سُن کر ضرور قبول کریں گے اور اگر مراد مطلق اسماع ہو تو اُس کی نفی غیر ممکن ہے۔ اس واسطے کہ اگر کفار مصرین نے آپ کا کلام مُبارک مُطلق سُنا ہی نہیں تو کفر کیسا؟ کفر کہتے ہیں انکار کو۔ جب کوئی کلام ایک شخص سُنتا ہی نہیں تو وُہ اس کا انکار کیسے کریگا؟

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں آیت شریف ماغن فیہ خارج ہوگئی اور پہلی صورت میں بھی سماعِ نافع کی نفی ہوئی نہ مطلق سماع کی۔

قبور پر دُعائے مغفرت

اس سوال کے جواب میں کہ قبور پر دُعائے مغفرت اہلِ قبور کے لیے جانا مسنون ہے نہ کہ استمداد کی غرض سے، فرماتے ہیں کہ ہاں مسنون یہی ہے جیسا کہ سوال کیا گیا۔ لیکن اِس سے ارواحِ کاملین کی جانب میں استعانت کا عدمِ جواز قائم نہ ہُوا۔ آیت: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (نیکی اور تقویٰ کے اُمور میں اعانت کرو) کی رُو سے احیا اور اموات دونوں سے استعانت کی اجازت ہے۔ چُنانچہ احیا سے استعانت تو ظاہر اور واضح ہے لیکن اموات سے استعانت کے معاملہ میں یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ارواح زندہ ہیں۔ موت اور زوالِ حیات اُن کے ابدان پر واقع ہوتی ہے۔ ہاں ارواح پر موت کا اثر فقط اِسی قدر ہے کہ وُہ ابدان سے جُدا ہو جاتی ہیں اور یہ چیز اُن کے خُداداد قویٰ اور تصرّفات کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ اس مقصد کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّثؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ" اور حضرت شیخ اکبرؒ کی فتوحات" کے حوالہ جات قلمبند فرما کر آخر میں لکھتے ہیں:-

"حاصل کلام یہ کہ خُود ساختہ اصنام اور تماثیل اور ارواحِ کاملین کے درمیان فرقِ بیّن اور امتیازِ غالب ہے۔ لہٰذا اصنام کے بارہ میں نازل شدہ آیات کو انبیائے عظام اور اولیائے کرام کی ذواتِ مُبارکہ پر چسپاں کرنا، جیسا کہ تقویۃ الایمان" میں ہے، تحریفِ قبیح اور تخریبِ شنیع کا حُکم رکھتا ہے"۔

کتاب کے آخر میں ذبح فوق العقدہ اور لزومِ کفر اور التزامِ کفر کے درمیان فرق پر محققانہ تبصرہ ہے اور اربابِ تحقیق کے لیے قابلِ دید ہے۔

۶۴۹.

خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء

شاہِ کون و مکاں خاتم الانبیاء | سیّدِ انس و جاں خاتم الانبیاء
سرورِ کن فکاں خاتم الانبیاء | پیشوائے جہاں خاتم الانبیاء
غمزدوں بے نواؤں یتیموں کی جاں | مونسِ بیکساں خاتم الانبیاء
انبیاءؑ، اولیاءؒ، اصفیاء سب کے سب | ہیں ترے مدح خواں خاتم الانبیاء
آپ کی ذات پر ہوں ہزاروں سلام | ہر گھڑی ہر زماں خاتم الانبیاء
شبِ اسریٰ گئے عرش پر بالیقیں | خسروِ لامکاں خاتم الانبیاء!
جن کی عظمت کا شہرہ سمک تا سما | صاحبِ عزّ و شاں خاتم الانبیاء
مٹ گئیں ظلمتیں، بڑھ گئیں رفعتیں | خاتمِ مرسلاں خاتم الانبیاء
لو مدینہ بلا سن لہ تابش کی آہ
مشفقِ غمزداں خاتم الانبیاء

الفتوحات الصمدیہ

۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸-۱۹۰۷ء

وجہ تالیف

حضرتؒ کی یہ تصنیف غیر مقلدین کے اُن دس سوالات کے جوابات سے متعلق ہے جو اُنہوں نے مدرسہ دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے ایک طالب علم قائم علی چشتی کے ساتھ تحریری بحث کے دوران کیے تھے۔ اس کا ذکر باب ارشاد میں بھی آ چکا ہے۔ اگرچہ اُن کا روئے سخن اُس طالب علم کی طرف تھا مگر چونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس بحث کے درپردہ اُس طالب علم کے راہنما حضرتؒ تھے اس لیے اپنی تحریر میں اُنہوں نے حضرتؒ کو بھی مخاطب بنایا۔ اُن کے سوالات کے جوابات مدرسہ نعمانیہ کے اساتذہ تیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر حضرتؒ کے ایک نیاز مند نے ایک عریضہ کے ذریعے استدعا کی کہ چونکہ مخالفین نے آپؒ کا نام نامی بھی اس بحث میں شامل کیا ہے اس لیے بہت مناسب ہوگا کہ جواب آپؒ ہی تحریر فرمائیں۔ جس وقت یہ خط حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا آپؒ پشاور تشریف لے جا رہے تھے۔ دوران سفر ہی آپؒ نے ان سوالات کے جواب بغیر کسی کتاب سے استفادہ کیے لکھوا دیئے۔ یہ سوالات مختصراً نیچے تحریر کیے جائیں گے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مخالفین نے اُن کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا تھا نہایت ادق ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف اُن موضوعات سے متعلق تھے جو آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے مختلف مکاتیبِ فکر معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، جہمیہ وغیرہ کے درمیان متنازعہ فیہ رہ چکے تھے مثلاً الٰہیات، کلام باری تعالےٰ وغیرہ بلکہ ایسے موضوعات بھی شامل کیے گئے تھے جیسے علم ہیئت، فلسفہ، اقلیدس اور بعض مشہور الغاز۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضرتؒ کی وسعتِ علمی کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ہی شخص اتنے مختلف النوع مضامین میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ ان سب سوالات کا جواب دے سکے مگر جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حضرتؒ کو قدرت نے علم لدنی سے نوازا تھا چنانچہ آپؒ نے تمام سوالات کے نہایت مفصل جوابات دیئے۔ مخالفین نے اپنے سوالات کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان کا جواب دینے والوں کو ہم پر بھی سوال کرنے کا حق ہوگا۔ اس لیے جوابات لکھوانے کے ساتھ ہی حضرتؒ نے اپنی طرف سے ۱۲ سوالات اُنہی اور دیگر مضامین کے متعلق مخالفین پر کیے جن کا جواب آج اتنی مدت گزر جانے پر بھی اُن سے نہیں بن آیا۔

غیر مقلدین کے سوالات

مخالفین کے سوالات مختصراً یہ تھے:-

۱۔ علم لغت:- صاحب قاموس شیخ مجد الدین فیروز آبادی کے اشکالات جو اُنہوں نے ابو نصر اسمٰعیل بن حماد جوہری صاحب

صحاحؔ پر وارد کیے، اُن کی تشریح مانگی گئی۔

۲۔ علمِ التصریف والادب:۔ عویصہ ابن الکمال کے اقوال متعلقہ "اعلال لاتخشون" پر اشکال اور اُس کا جواب مانگا گیا۔

۳۔ علم الحروف والھیئۃ:۔ علامہ رشید الدین الفارقی کی منظوم لغز (پہیلی) درج کر کے اُس کا حل دریافت کیا۔

۴۔ علمِ فقہ:۔ صاحبِ وقایہ کی عبارت مندرجہ کتاب البیوع پر علامہ فناری کے اشکال کا حل طلب کیا۔

۵۔ علم الکلام:۔ کلامِ الٰہی کے بارے میں سوالات جن کی تفصیل نیچے علیحدہ دی جائے گی۔

۶۔ علمِ فلسفہ:۔ دریافت کیا کہ تسلسل اور دور کے کتنے اقسام ہیں۔ کون سا ممتنع، کون سا جائز اور کون سا مختلف فیہ

۷۔ علمِ تفسیر:۔ تاویل کے معنی اور تاویل صحیح جائز اور تاویل فاسد غیر صحیح کے مابین فرق دریافت کیا ہے۔

۸۔ علمِ فلسفہ:۔ امکان وحدوثِ ذاتی و مکانی کی حد اور تعریف اور اس تقسیم کا مُوجد کون تھا؟ نیز تقسیم صحیح ہے یا باطل؟

۹۔ علمِ اقلیدس:۔ نظام جو طفرہ کا قائل ہے اُس کے متعلق سوال اور جواباً جیومیٹری کی شکل بنا کر توضیح مانگی ہے۔

۱۰۔ علمِ منطق:۔ اصطلاحِ کلّی ذاتی اور کلّی عرضی کے درمیان فرق دریافت کیا ہے نیز یہ کہ باوجود متساوی الاقدام ہونے کے بحسب اللزوم ایک ذاتی اور دوسری عرضی کیوں قرار دی گئی۔

حضرتؒ نے جوابات کے شروع میں ذاتِ حق کی تنزیہہ و تقدیس کے متعلق ایک خطبہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وُہ ذاتِ پاک مخلوق کے فہم و وہم و ادراک سے بالاتر ہے اور معرفتِ الٰہی میں حضراتِ صُوفیائے کرام کا مسلک ہی اکمل ہے۔ کیونکہ وُہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُس کی اساس محض عقل اور علومِ ظاہرہ پر نہیں بلکہ کشفِ صحیح اور علومِ لدُنّیہ پر ہوتی ہے۔ اور وُہ حسبِ ارشادِ نبویؐ "خُدا کے ساتھ دیکھتے، سُنتے، بولتے اور پکڑتے ہیں"۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو ساری عمر علومِ ظاہر ہی میں محدود رہے اور کشف و عیان کے میدانِ وسیع میں قدم نہ رکھا۔ اگر یہ حضرات بھی انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے وارثین کاملِ اولیائے کرام کے ساتھ حُسنِ ظن رکھتے تو یقیناً اُن کی ارواحِ طیبہ کی توجہ اور برکت سے اُنہیں بھی اُن کے حسبِ استعداد علومِ لدُنّیہ سے بہرہ وری ہوتی۔ اولیائے کرام کے مکشوفات اور مسئلہ توحیدِ وجُودی پر شیخ ابن تیمیہ اور اُن کے متبعین کے اعتراضات پر حضرتؒ نے سخت افسوس ظاہر فرمایا کیونکہ اُنہوں نے ان دقیق مسائل کو محض اس لیے اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا کہ وُہ اُن کے ادراک و فہم سے بالاتر تھے۔ حالانکہ جب تک کوئی چیز نصِ شرعی کے خلاف نہ ہو، ایسا کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمام ایسے علومِ غیبیہ کے متعلق ہمیں حکم ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور حقیقت خُدا کی طرف تفویض کریں۔

غیر مقلدین کا سوالِ پنجم

سوال نمبر پانچ بہت طویل تھا اور اُس کی کئی شقیں تھیں اس لیے حضرتؒ نے سب سے پہلے اسی کا جواب لکھوایا۔ سوال کی اجمالاً تفصیل یوں ہے:۔

کلامِ الٰہی قدرت اور مشیت کے نیچے داخل ہے یا نہیں؟ اور خُدائے عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے یا قائم نہیں بلکہ خارج و منفصل ہے؟ اگر کلامِ نفسی ہے تو حروف و اصوات کس کے ساتھ قائم ہوئے اور اولاً کس سے خارج صادر ہُوئے؟ یہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ قدیم ہیں یا حادث؟ اور حکایت ہیں یا عبارت؟ حادث و مخلوق کے درمیان نسبِ اربعہ میں سے کون سی نسبت ہے؟ اگر قدیم ہیں تو کس طرح؟ تسلسل آثار آپ کے نزدیک ماضی و مستقبل دونوں میں جائز و ممکن ہے یا

دونوں ممتنع و محال ہے؟ حجتِ امتناع کیا ہے؟ تمام افعالِ باری تعالیٰ کیا لازمی طور تساوی الاقدام ہیں؟..... آخر میں کہا ہے کہ اپنا مذہب و مشرب کلامِ باری تعالیٰ کے بارہ میں بیان کر کے اُس پر برہان قائم کریں اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتا ہے اُس کا جواب دیں"۔

سوالِ پنجم کے جواب کا خلاصہ

جیسا کہ ظاہر ہے اس طویل سوال کا جواب بھی ویسا ہی طویل ہوگا اور اُس کا پُورے طور پر نقل کرنا یہاں ممکن نہیں حضرتؒ نے اپنے جواب میں اس موضوع پر مختلف مکاتیبِ خیال کا مسلک تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور اُن کے مابین وجہ اختلاف اور اعتراضات و اشکال کو بڑی وضاحت سے سامنے رکھا ہے جس سے صرف اہلِ علم حضرات ہی کتاب سے مطالعہ کر کے محظوظ ہو سکتے ہیں اپنے مشرب کے متعلق جو بیان فرمایا وہ مختصراً یُوں ہے :-

"میں چونکہ اہلِ حق صُوفیائے کرام خصوصاً سیدی و سندی و شیخی و شیخ الکل فی زمانہ حضرت خواجہ محمد شمس الدین صاحبؒ چشتی نظامی فخری سُلیمانی (سیالوی) قدست اسرارہم کا اور حضرت جدی و شیخی فی القادریہ پیر فضل الدینؒ صاحب الحسنی الگیلانی کا دامن گرفتہ ہُوں میرا مذہب آپ اہلِ حق کے کلماتِ ذیل سے معلوم کر سکتے ہیں :-

۱- حضرت شیخ علی خواصؒ فرماتے ہیں :-

ایاك ان تؤول اخبار الصفات فان فی ذالك دسیسة من الشیطان لیفوت المؤمن الایمان بعین ما انزل الله - قال تعالےٰ "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" وَهٰذا المؤول ما اٰمن حقیقةً اِلَّا بما اوله بعقله ففاته الایمان بعین ما انزل الله تعالیٰ فلیتأمّل - انتهٰی -

خبردار، آیات و اخبار صفات (الٰہیہ) میں تاویل نہ کرنا کیونکہ اس میں شیطان کا خُفیہ فریب ہے۔ تاکہ عین ما انزل اللہ کے ساتھ مومن کا ایمان فوت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "رسُول اور ایمان لانے والے ایمان لائے اُس کے ساتھ جو رسُول کی طرف اُس کے رب سے نازل کیا گیا۔" لہٰذا تاویل کرنے والا حقیقت میں اپنی عقلی تاویل پر ایمان رکھتا ہے نہ بعینہٖ اُس چیز پر جو خُدا نے نازل فرمائی۔

۲- اُستاد ابو اسحاق اسفرائنیؒ فرماتے ہیں۔ توحید کے بارہ میں متکلمین کا سب ذخیرہ اہلِ حق نے صرف دو کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ الاولیٰ اعتقاد ان کلما تصور فی الاوھام فالله بخلافه (پہلا یہ اعتقاد کہ جو کچھ اوہام و تصورات میں آئے اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے) الثّانیه اعتقاد ان ذاته تعالےٰ لیست مُشبهة بذات ولا معطلة عن الصفات وقد اکد ذالك تعالیٰ بقوله "وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ" (دُوسرا یہ اعتقاد کہ خدا کی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معرا ہے۔ ارشادِ الٰہی "وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ" اس کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی کوئی چیز اُس کے برابر نہیں (کُفُوًا)

۳- اس کے بعد حضرت شیخ اکبرؒ کے چند اقوال از راہ برہان بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :-

قال الشیخ الاکبر رضی الله تعالیٰ عنه مدار صحة العقائد علی حصول الجزم بها حتی ان من اخذ ایمانه تقلیداً جزماً للشارع کان اعصم و

صحتِ عقائد کا مدار حصُول جزم (یقین) پر ہے۔ لہٰذا جس شخص نے شارع علیہ السّلام سے تقلیدی طور پر ایمان حاصل کر کے یقین کر لیا وُہ اس سے زیادہ مضبوط ہے جو

اوثق ممن یاخذ ایمانه عن الادلة وذالك لما یتطرق الیها اذا کان حاذقا فطنا من الحیرة والدخیل فی ادلته وایراد الشبه علیها فلا یثبت له قدم ولا یستقر بعده علیه فیخاف علیه الهلاك۔

دلائل سے ایمان حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس کے دلائل میں شکوک وشبہات راہ پکڑ سکتے ہیں جن کی وجہ سے اس کے رسوخ و استحکام کے زوال اور ہلاکت کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

ان اقوال کے بعد میں حضرتؒ فرماتے ہیں:۔

"پس ہمارے بے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الشوریٰ: ۱۱) وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص: ۴) وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (النساء: ۱۶۴) وامثال ذالک کلام الٰہی سے بس ہیں جس سے یقیناً معلوم ہوسکتا ہے کہ القرآن کلامُ الٰہی اور مقالات صحابہ کرام کے بموجب القرآن کلامُ الٰہی غیر مخلوق"۔

غیر مقلدین پر حضرتؒ کے بارہ سوالات

مخالفین سے جو سوالات حضرتؒ نے استفسار فرمائے وہ مختصراً یوں تھے:۔

۱۔ علم الحروف:۔ سیدنا محمد بن علی کا قول متعلقہ حروفِ تہجی بیان فرما کر اُس کا مطلب نیز حروفِ تہجی کی ترتیب کذائی کی وجہ دریافت فرمائی ہے۔

۲۔ علمِ ہیئت:۔ عویصہ ابن الکمال کا قول بیان فرما کر اُس کی توجیہہ دریافت فرمائی ہے۔

۳۔ علمِ ریاضی: صاحب بی بی رضی اللہ عنہما کی لغز (پہیلی) کا مطلب دریافت فرمایا ہے۔ مخالفین کی لغز کے برعکس یہ نہایت ہی مختصر لغز ہے اور مندرج ذیل ہے:۔

"ما الاسم الذی مرکب عن عشرین وثلثین بینهما حسا ومعنی وقد یترکب حسالا معنی من ثمانیة وثمانین ومأتین وستة عددا فاذا جمعتهما علی وجه مخصوص من غیر اسقاط الستة کان اسما مرکبا وان اسقطت الستة کان اسما غیر مرکب۔

۴۔ علمِ فقہ:۔ یہ سوال بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں ہے:۔

"فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبارتِ ذیل (بلوغ ظل کل شیٔ مثلیه سوی فییٔ الزوال) میں استثنا کا ماخذ اور لمیت بیان فرماویں۔

۵۔ علمُ الکلام:۔ کلامِ الٰہی اور حروف واصوات کے متعلق اشعری، ابن کلاب، ہشام بن الحکم، ابن سینا وغیرہ کے اقوال بیان فرما کر اُن میں سے کسی ایک قول کی صحت وحقیقت کو محققانہ طور پر ثابت کرنے کو کہا ہے۔ نیز یہ استفسار فرمایا ہے کہ "آپ صفاتِ باری تعالیٰ عزاسمہٗ کو عین ذات مانتے ہیں یا لاعین اور بر تقدیر ثانی مسئلہ کی کئی مختلف شقوں میں سے کسی ایک شق کو لے کر مطلق صفت کا ثبوت مدلل طور پر دیں"۔

۶۔ علمِ اقلیدس:۔ یہ بھی مختصر سوال ہے اور ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ اقلیدس میں کون سی شکل ہے جس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور وہ کون سی جس سے قائل بالتثلیث بزعمِ خود متمسک ہوتا ہے۔ اور پھر اقلیدس ہی کی رُو سے اُس کی تردید بھی کی جاسکتی ہے۔ اور نیز آپ تین دائرے بنائیں جن کے نصف قطر تین دیئے

ہوئے خطوں کے برابر ہوں اور اُن تین سے ایک اندر کی طرف اور دو باہر کی طرف مس کریں۔ بتائیے کہ نصف قطروں میں کیا نسبت ہونی چاہیئے کہ حل ممکن ہو۔

۷۔ علم فلسفہ:۔ اشاعرہ کی دلیل حدوثِ عالم پر بیان فرما کر اُسے غیر صحیح قرار دیا ہے اور استفسار فرمایا ہے کہ اگر صحیح ہے تو کس طرح؟

۸۔ علم الحدیث:۔ حدیثِ بخاری پر ایک اشکال۔ یہ سوال بھی ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ "بخاری کی حدیث (تحول فی الصور) بظاہر لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ فان المتصور بصورۃ مثل لہ اذا کان فی صورۃ اخریٰ معہ صحت الحمل بینہ وبین المتحول۔ ان میں تطبیق چاہیئے بتائیں کہ اس حدیث میں اہلِ انکار کتنے ہیں اور کیوں؟ کیا قبل از تجلی ہذا دنیا میں بھی اُن کو کسی صورت میں مشاہدہ ہوا تھا یا نہ؟ اگر ہوا ہے تو کونسی صورت میں۔ اگر نہیں تو پھر انکار اور تسلیم کے کیا معنے۔ آیت اور حدیث سے ثبوت چاہیئے اور نیز حدیث معراج میں بالخصوص موسٰے علیہ السلام ہی کو نماز کے بارہ میں فہمائش کی کیا وجہ تھی؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالک علومِ اولین و آخرین تھے۔ نیز ہر ایک نبی کی فلک مخصوص سے وجہِ خصوصیت کیا ہے؟"

۹۔ علم الکلام:۔ قرآنِ کریم میں خضر علیہ السلام کا کلام "فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا" اور "فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا" میں افراد اور جمعیتِ ضمیر کی وجہِ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۰۔ علم التفسیر:۔ آیت "وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" میں حضرت شیخ اکبرؒ کی تفسیر کی شرح اور اُس کے متعلقہ امور دریافت فرمائے ہیں۔

۱۱۔ علم الافلاک:۔ چند آیاتِ قرآنیہ جن کا تعلق اجرامِ فلکیہ سے ہے اُن کی تشریح اور منازلِ قمر کے اٹھائیس ۲۸ ہونے کی وجہِ تخصیص دریافت فرمائی ہے۔

۱۲۔ علم ریاضی:۔ علم الافلاک و ریاضی کے متعلق چند متناقضہ عبارات کی تطبیق دریافت فرمائی ہے۔

حضرتؒ کی یہ کتاب علومِ اسلامیہ کے چند نہایت مشکل امور سے تعلق رکھتی ہے۔ جس سے حضرتؒ کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح لطف صرف اہلِ علم حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ پیر صاحب قدس سرہٗ کی تالیفات پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہ رہیں گے کہ آپ نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ جبکہ سوائے اہلِ سنت کے تمام فرقے افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ خاص طور پر روافض اور خوارج یعنی روافض نے خلفائے راشدہ ثلاثہ کی خلافت کو ناجائز قرار دیا تو اس کے جواب میں خوارج نے سرے ہی سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا انکار کر دیا۔ بلکہ آپ کی علمی فضیلت جو آپ کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عطا ہوئی۔ اس کا بھی انکار کر دیا اور یہ سلسلہ یہاں تک طول پکڑ گیا کہ روافض نے صحابہ کبار کی شانِ اقدس میں سب و شتم کا سلسلہ جاری کر دیا تو اس کے جواب میں خوارج نے تمام آلِ رسول کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ صراطِ مستقیم پر صرف اور صرف اہلِ سنت و جماعت ہی ہیں جو صحابہ کبار کے بھی غلام ہیں اور آلِ اطہار کے بھی۔

تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ

یہ حضرتؒ کی آخری تصنیف ہے جو آپؒ کچھ عرصہ خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کو لکھواتے رہے مگر یہ سلسلہ بوجہ اولاً آپؒ کی علالت کے اور بعدہٗ حالتِ استغراق کے منقطع ہوگیا۔ بیماری کے دوران ایک مرتبہ اس کی اشاعت کے متعلق آپؒ سے اجازت طلب کی گئی مگر فرمایا۔ "فی الحال رہنے دو۔" یہ مسودہ جو ۱۴۲ فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے ابھی غیر مطبوعہ ہے اور کتب خانہ دربارِ عالیہ میں موجود ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد اسے طبع کروا کر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُمیدِ واثق ہے کہ شیعہ سُنّی مباحث کے اہم موضوع پر دائمی اعتدال و انصاف ثابت ہوگا جس سے سلیم الطبع حضرات پر راہِ صداقت و حقیقت واضح ہو جائے گی۔

تقریبِ تالیف

اِس تصنیفِ لطیف کی وجہ تالیف حضرتؒ نے بعد توصیف و درود مختصراً یُوں بیان فرمائی ہے :-

"تخالفِ مذہبی مابین سُنّی و شیعہ کوئی نیا اِختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے عُلماء سے التجا کریں۔ اِس سے قبل سلف صالحین علیہم الرضوان حسب تدبیرِ الٰہیہ وقتاً فوقتاً اہلِ بیت کرام سے محبت رکھنے کے وجوب اور خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہارِ خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رُجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہلِ سُنّت والجماعت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اہلِ بیت کرام کے خلاف بُغض اور بنی اُمیہ کے ساتھ محبت رکھے۔ حالانکہ اہلِ سُنّت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور اُن کے عقائد میں رسُولِ پاکؐ کے خاندان سے دوستی و مودّت مدارِ ایمان اور فرض مانی گئی ہے۔ اِس نئے رُجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے عُلمائے کرام نے بمقابلہ اہلِ تشیع اپنے مواعظ و نصائح کی مجالس میں صرف دفع مطاعن و مطاعن کی طرف ہی رُخ کیا۔ اور اہلِ بیت علیہم السّلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی

جن اُمورات پر ارشاداتِ عالیہ قلمبند ہوئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) اثباتِ خلافتِ راشدہ بہ آیتِ استخلاف و دیگر آیاتِ قرآنی (۲) مسئلہ قرطاس (۳) حدیثِ خم غدیر (۴) باغِ فدک (۵) آیتِ مباہلہ (۶) آیتِ تطہیر (۷) آیتِ مودّت (۸) حدیثِ ثقلین (۹) فضائل سیّدنا علیؓ اور بحث حدیث "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ" اور اُس کے متعلق ابن تیمیہ اور ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات۔

پیر صاحبؒ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے علمی کمالات اور آپ کے شاگردوں کی علمی خدمات کے سلسلہ میں کئی روایات نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:-

"ان روایات منقولہ بالا سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ کا یہ قول کہ مکّہ اور مدینہ اور بصرہ و شام میں علم غیر علیؓ سے پہنچا تھا اور علیؓ کا علم کوفہ تک محدود تھا وہ بھی قلیل، کس قدر خلافِ واقع اور مخالف اپنے تصریحات کے ہے۔ سب اہلِ سُنّت مثل ابن حجر وغیرہ اس پر متفق ہیں کہ علم مرتضویؓ کے بیان سے عبارات قاصر ہیں کیوں نہ ہو وہ علیؓ ہی تھے جو کوفہ کے منبر پر سلونی قبل ان تفقدونی الخ فرماتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ اے لوگو! میرے انتقال سے پہلے جس امر کی دریافت کرنی چاہو کر لو میرے اندر بہت علم ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا لُعاب ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے یہ علم عطا کیا ہے میری طرف وحی نہیں آیا۔ قسم بخدا اگر مجھے ایک مسند پر بٹھا کر دریافت کیا جائے تو اہلِ تورات کو تورات اور اہلِ انجیل کو انجیل

کے مطابق فتویٰ دوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تورات اور انجیل کو گویا کرے تو وہ کہیں کہ علیؓ نے سچ کہا ہے اور تم کو مطابق اس کے دیا ہے کہ جو کچھ ہم میں اُتارا گیا ہے (وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (سورہ بقرہ - ۴۴) حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پس کیوں نہیں جانتے

وُہ علیؓ ہی ہیں جنھوں نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ اس جگہ (سینہ) میں بہت علوم ہیں۔ کاش کہ میں ان کے لینے والا کوئی پاتا۔ اور اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر اتنی بڑی لکھوں جس کو ستر (۷۰) اونٹ اٹھائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ساری دُنیا آپ کے علم کو سکھتی تو بھی ختم ہونے میں نہ آتا۔ آپ کے علم کی بکثرت اشاعت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ کیونکہ خلفائے ثلثہؓ اور باقی اصحابؓ کا ہر مشکل میں آپ کی طرف رجوع ہوتا تھا اور اپنے اعلیٰ درجہ کے شاگردوں کی تعلیم مثل حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ وغیرہم اور اپنے قریبی رشتہ داروں مثل عبداللہ بن عباس اور قرۃ العینین رسول الثقلین وجگر پارہ بتول زہرا سیدۃ النساء وہ وریحان مصطفیٰ سیدنا حسنؓ وسیدنا حسینؓ کو افاضہ علوم اسرار کی تعلیم بوجہ فراغت مدینہ منورہ ہی میں ہوئی تھی۔ کوفہ میں تو آپ ناکثین، قاسطین و مارقین کے قتال میں بکثرت مصروف رہے۔ آپ نے بہت سی آیات قرآنی سے بالترتیب خلافتِ راشدہ اور فضیلت خلفائے راشدہ کو ثابت کیا ہے۔ یہاں صرف ایک آیت کریمہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے۔

اثبات خلافت راشدہ بہ آیات قرآنیہ

خلافت راشدہ کی حیثیت کذائی کی حقیقت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت حضرتؒ نے آیت استخلاف سے دیا ہے۔ اور اُس کی تائید میں جو بیس دیگر آیات قرآنی اور متعدد احادیث و مسلمہ واقعات مندرجہ کتب سیر کو پیش فرمایا ہے۔ اور منکرین خلافت کے اعتراضات اور دلائل کو سوال وجواب کی صورت میں قائم فرما کر پورے ستر صفحات پر ایسی مدلل بحث فرمائی ہے کہ فکرِ سلیم کے لیے اس عنوان پر کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ آیت استخلاف کے بعد حضرتؒ نے وُہ آیات بیان فرمائی ہیں جن میں حضرات خلفائے اربعہ کی فضیلت بیان ہے جس سے اُن کا استحقاق برائے منصب خلافت ثابت ہوتا ہے۔ حضرتؒ کی بحث کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

آیتِ استخلاف:-

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (نور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تُم میں سے اُن لوگوں کو جو باایمان اور عمل صالح کے مرتکب ہیں کہ البتہ وُہ اُن کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ اُن کے لیے اُن کا دین جو اُنہیں پسندیدہ ہے محکم کرے گا۔ اور البتہ اُن کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔ وُہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وُہ لوگ فاسق ہیں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ استخلاف کے معنی ولی امر اور خلیفہ بنانے کے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے یَا دَاؤٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) آیت استخلاف کے مخاطب اور حقدار وُہی لوگ ہیں جو نزول آیت کے وقت باایمان اور صالح تھے یعنی مہاجرین الاولین۔

قارئین کرام! آپ نے پیر صاحب قدس سرہ کی علمی فضیلت اور مسلک حنفیہ کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اور مختلف مکاتیبِ فکر کے اندر جو غلط عقائد شامل ہو گئے اور جس کی وجہ سے امت مختلف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ان کی وضاحت بھی آپ نے بطریق احسن ادا فرمادی۔ اور آپ کی تالیفات کی وجہ تالیف بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اب آخر میں آپ کی وہ تقریر جو آپ نے انجمن نعمانیہ لاہور کے چھبیسویں سالانہ اجلاس میں سنائی، تحریر کی جاتی ہے۔ جس سے آپ کی علمی فضیلت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ پیر صاحب قدس سرہ کچھ عرصہ اس مدرسہ میں تعلیم بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔

تقریر جلسہ انجمن نعمانیہ لاہور

ذیل میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی اُس مشہور تقریر کا خلاصہ دیا جاتا ہے جو آپؒ نے ۱۹۔ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق (دسمبر ۱۹۱۲ء) کو انجمن نعمانیہ لاہور کے چھبیسویں سالانہ جلسہ میں مشاہیر عُلماء و فضلاء اور مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے فرمائی تھی اور جسے منتظمینِ جلسہ نے "کلام الملوک مُلوک الکلام" کے عنوان سے طبع کروا کر مُلک میں نشر کیا تھا۔ اس موقعہ پر اہلسنّت کے مشہور عالم و محدّث مولانا وصی احمد صاحب سُورتی نے فرمایا تھا کہ سُبحان اللہ حضرتؒ نے ابتدا میں ایسی بلند پروازی فرمائی کہ اربابِ علم کو بھی محوِ حیرت کر دیا اور آخر میں اِس قدر عام فہم مسائلِ فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کروا دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحان من ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیءٍ علیم۔ والصلوٰۃ والسلام علی من انزل فیہ عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رحیم وعلیٰ اھل بیتہ وعترتہ المطھرین بتطھیرہٖ واصحابہ واحبابہ الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم الفازۃ منہ بفضلٍ جسیم وعلم عمیم۔ فاولیتہ فی اٰخریتہ واٰخریتہ فی اوّلیتہ کما ان ظھورہ فی بطونہ وبطونہ فی ظھورہ۔ بشیئتنا الثبوتیۃ فی قولہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کُن وموجودیتہ بقولہ فیکون۔ ذواتنا مع مکامن استعدادتھا فی الحضرۃ العلمیۃ خزائنہ وفیضہ الاقدس کما ان وجوداتنا مع لواحقنا فی عرصۃ العین المکتسی کساءً ومانُنزلہٗ اِلّا بقدرٍ معلوم۔ فیضہ المقدس منا علینا لا منہ کما ان منہ لا منا مالنا واوّل ظھوراتہ حین الرّحمٰنُ علی العرش استویٰ ثانی شیوناتہ المبشر بما ارسلناک اِلّا رحمۃ للعالمین کما ان اٰخر اٰخر رحماتہ اذا ما یشفع عندہ الآباذنہ اوّل اذناتہ۔ فھو صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ماخلق اللہ نورہ کما ان اٰخر بخاتم النبیین ظھورہ ومن ھنا امتنع مثلہ ونظیرہ۔ فانّ الاوّل لیس بثان وکما ان الثانی لیس باوّل۔ فامتناع شریک الباری عزاسمہٗ من ذاتہ کما ان عدم امکان نظیرہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث بعض صفاتہ۔ فظاھر ان المقدورات غیر محیطۃ بالمعلومات فاتضح الامر باوضح الدلالات بغیر مدخل مسئالۃ امکان الکذب وامتناعہ اللھم

جمیع علوم کا احاطہ خارج از قدرت عباد و ناممکن ہے۔ لہذا اہم العلوم اور مہتم بالشان علم یعنی علم دین کی طرف توجہ اولاً ضروریات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس اشرف الانواع، مہجور الوطن حضرت انسان کا اپنے اصل تک رسائی کا یہی ذریعہ ہوسکتا ہے نہ علوم عقلیہ محضہ۔ مثلاً مبداء فیاض حق سبحانہ، وتعالیٰ نے اس غریب مسافر سب سے پس ماندہ ومہجور تر کو وطن اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تو اور کہاں ہم۔ کجا ہستی اور کجا نیستی۔ نابود کو کیا مجال ہے کہ بالذات خود کچھ دکھا سکے یا حق مولیٰ ادا کر سکے۔ وہ خود ناچیز ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کے کیا کر سکتا ہے؟ اگر کچھ توفیق خداداد کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرت سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔ کیونکہ ناقص اور ردی متاع بالذات خود در علیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرت سلطان میں پیش کیا جاوے۔ البتہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش کرو۔ یعنی اپنی ردی اور ناقصہ عبادت اور بندگی کو انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغۂ جمع ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو۔

ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناس مختلفہ کو ایک عقد میں بیع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے۔ جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سلطان الکل اور مولی الکل کی شان خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ یہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جاتے۔

حضرات سامعین! یہ ایک تمثیل بطور مشتے نمونہ از خروارے و یکے از ہزار صرف اس غرض کے لیے پیش خدمت کردی گئی ہے کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ بغیر علم دین و تعلیم شارع ایسے راستے کا معلوم کرلینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے یا وطن اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے۔ بغیر علم کے انسان گویا مردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل[1]

وفی الجھل قبل الموت موت لاھلہ فاجسامھم قبل القبور قبور

وان امرء لم یحیی بالعلم میت ولیس لہ حتی النشور نشور

دینی علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ طلب العلم[2] فریضۃ علی کل مسلم۔ قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا نَفَرَ[3] مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ ر ۱۴

عبد اللہ رض ابن عمر رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلس مجلس اہل ذکر و مجلس تعلیم و تعلم کے ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلہ تعلیم والے گروہ کو ذاکرین پر ترجیح دی اور فرمایا کہ انما بعثت معلما میں بہ حیثیت و منصب معلمی مبعوث ہوا ہوں اور گروہ اہل علم کو شرف شمولیت بخشا اور ان کے پاس

---

[1] جہل میں موت سے پہلے موت ہے۔ اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبریں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے اٹھنے تک اس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ [2] ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔ [3] ان مسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر نہیں نکلا تاکہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وہ احتیاط کریں۔

ارنا حقیقۃ الاشیا کما ھی[1]

حمد بے حد اُس ربِ کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرفِ مطالب اور افضلِ مراغب یعنی علم کی وہبات و اظہارِ فضیلت سے بقولہ تعالیٰ (قل ھل[2] یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون) و قولہ تعالیٰ (وما یعقلھا الا العلمون[3]) و قولہ تعالیٰ (انما یخشی[4] اللہ من عبادہ العلماء) و قولہ تعالیٰ فی جوابہ لابراھیم علیہ السلام (حدیثِ قدسی) (انی علیم[5] احب کل علیم) ممتاز فرمایا۔ اور درود بے عد اُس رؤف و رحیم پر کہ جس نے اپنی مجتمہ رحمت اور مکمّلہ عنایت و شفقت سے بقولہ علیہ السلام (فضل العالِم[6] علی العابد کفضلی علیٰ ادناکم رجلاً) عُلما کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اِس میں شک نہیں کہ شرفِ صفت بحسبِ شرفِ موصوف ہوا کرتا ہے اور علم مقابل جہل چونکہ صفاتِ الٰہیہ واجبیہ سے ہے لہٰذا فضیلتِ علمی پر کوئی بُرہان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ حُسن و قبح اشیاء شرعی ہو یا عقلی بہر کیف بیانِ مذکور بنا بر مسلکِ ہر دو فریق اہلِ نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔

---

[1] پاک اور بلند ہے وُہ ذات کہ اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور درود اور سلام اُس ہستی پر جس کی شان میں نازل ہوا۔ "عَزِیزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ" (جو گراں ہے اُس پر وُہ جو تمہارے لیے نُقصان کا باعث ہو اور وُہ نہایت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا۔ رؤف و رحیم ہے مومنوں کے حق میں) اور حضورؐ کی اہل بیت اور عترت پر جو حضورؐ کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپؐ کے اصحاب اور احباب پر جو آپؐ کی معیت سے مشرف ہیں۔ سخت ہیں کُفار پر اور مہربان ہیں باہم حضورؐ کے اِستفادہ سے اور حضورؐ کے فضلِ جسیم اور علمِ عمیم کی بدولت۔ حضورؐ کی اوّلیت آپؐ کی آخریت میں اور آخریت اوّلیت میں مندرج ہے۔ جس طرح آپؐ کا ظہور بطون میں اور بطون ظہور میں مندمج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبوت حق تعالیٰ جل شانہٗ کے قول "کُن" سے اور وجود ارشاد "فیکون" سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالےٰ کے علمِ قدیم میں اپنی مخفی اِستعدادوں کے ساتھ اُس کے غیبی خزائن اور فیضِ اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجود اپنے لوازمات کے ساتھ عالمِ دُنیا کے میدان میں اندازۂ الٰہی کے مُطابق وجود کا لباس پہن کر اُسی کے فیضِ مقدس سے قائم ہیں پس اُس کے فیضِ مقدس کا منشا ہماری اِستعدادیں ہیں جو ہم پر ظہور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اوّلین ظہور استویٰ علی العرش ہے اور اُس کی شانِ ثانی وُہ ہے جس کی بشارت اُس کے ارشاد وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر عالم کے لیے رحمت) میں موجود ہے۔ اور اُس کی آخری رحمت کا ظہور اُس وقت ہوگا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق میں سب سے اوّل ہیں اُسی طرح اذنِ شفاعت میں بھی سب سے اوّل ہوں گے۔ باعتبارِ ظہورِ خارجی آپؐ خاتم النبیین ہیں اور اسی وجہ سے آپؐ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اوّل ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اوّل نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح اللہ تعالےٰ کا شریک ہونا من حیث الذات ممکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی ہونا من حیث الصفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلوم الٰہی تحتِ قدرت نہیں جیسے کہ خود ذات و صفاتِ واجب الوجود۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان و امتناعِ کذب کی مداخلت کے بغیر حضورؐ کی نظیر کا امتناع واضح دلائل سے ثابت ہوا۔ الٰہی ہمیں حقائق اشیاء کما حقہٗ دِکھلا دے۔

[2] فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور وُہ جو علم نہیں رکھتے [3] ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا [4] بے شک خُدا سے علم والے ڈرتے ہیں [5] میں علم والا ہوں اور ہر صاحبِ علم کو دوست رکھتا ہوں [6] عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سے سب سے ادنیٰ پر۔

خلوص فرمایا۔

یُونس رضؓ ابنِ میسرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ الخیر[1] عادۃ والشر لجاجۃ ومن یرد بہ خیرًا یفقھہ فی الدّین۔ وایضًا خیار امّتی علمائھا وخیار علمائھا فقھائھا۔ بہترینِ اُمّت عُلما ہیں اُور عُلماء سے برگزیدہ اہل الفقاہت وفہم ہیں۔ آیتِ مذکُورہ وحدیث ہذا سے ثابت ہوَا کہ اہلِ قرآن واہلِ حدیث میں سے برگزیدہ گروہ اہلِ فقاہت و فقہائے کرام کا ہے یعنی جن کو قرآن وحدیث میں سمجھ اُور فقاہت ہو۔ بخلاف خیال اہلِ زمانہ موجُودہ کے کہ فقہاء کو مقابل اہلِ قرآن وحدیث ٹھہراتے ہیں۔

بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ التفقّہ[2] فی الدّین حقٌّ علی کل مسلمٍ الا بتعلموا وعلّموا وتفقھوا ولا تموتوا جھالًا۔

اُبوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ ماعند[3] اللہ بشیءٍ افضلُ من فقہٍ فی الدّین۔ فقیہٌ واحدٌ اشدُّ علی الشیطانِ من الف عابدٍ۔ ولکلّ شیءٍ عمادٌ وعماد الدّین الفقہ۔ وایضًا العلماءُ ورثۃ الانبیاء۔ وایضًا للانبیاء علی العلماء فضل درجتین وللعلماء علی الشّھدآ فضل درجۃ۔

سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ العلم[4] خیرٌ من المال۔ العلم یحرسک وانت تحرس المال العلم حاکم علیک والمال محکوم علیہ۔ مات خزائن المال وبقی خزائن العلم۔ اعیانھم[5] مفقودۃ واشخاصھم فی القلوب موجودۃ۔

طالبِ علمِ دینی کا شان۔ قولہ[6] علیہ السّلام ان الملٰئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضی بما طلب۔

طلباء کو فنِ کتابت سے کافی حِصّہ حاصِل کرنا ضروری ہے۔ قولہ علیہ السّلام: قیّدوا[7] العلم بالکتابِ وایضًا استعمل یدک۔ کاتب کو اشکالِ حرُوف کی درستی اُور ضبط بالنقطہ محلِ اِشتباہ میں ضروری ہے۔ بروایتِ مختلفہ ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کاتب آدم علیہ السّلام اُور بعد طوُفان اِسمٰعیل علیہ السّلام تھے۔

عروہ ابنِ زبیرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے کاتب متقدّمین میں سے وہ لوگ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:-

ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔

اَشکالِ حرُوف کو معمولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ یہی اَشکال الفاظ پر اُور الفاظ معانی پر اُور معانی امرِ مجمل بسیط باطن پر دال ہے،

---

[1] خیر عادت ہے اُور شر لجاجت اُور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقاہت فی الدّین حاصِل ہوتی ہے۔ میری اُمّت کے خیار عُلماء ہیں اور عُلماء کے خیار فقہاء ہیں۔ [2] فقاہت فی الدّین ہر مُسلمان پر واجب ہے۔ خبردار علم پڑھو اور پڑھاؤ اُور فقہ حاصل کرو اور جاہل ہو کر مت مرو۔ [3] اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقاہت فی الدّین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار ابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستُون ہے اُور دین کا ستُون فقہ ہے۔ عُلماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کے لیے عُلماء پر دو درجے ہیں اُور عُلماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔

[4] علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اُور تُو مال کی۔ علم تجھ پر حاکم ہے اُور مال محکُوم۔ مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔

[5] اہلِ علم کے جسم مفقود ہیں لیکن اُن کے ذوات دلوں میں موجُود ہیں۔ [6] ملائکہ طالب علم کی راہ میں پر بچھاتے ہیں۔ [7] علم کو کتابت میں مقید کرو اپنے ہاتھ سے لکھو۔

اور وُہی امرِ بسیط باطنی معانی بعد ازاں الفاظ بعد ازاں شکل و نقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالمِ نقوش و الفاظ و معانی کثرت میں اسی کا ظہور ہے جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم ہیں بنظرِ اعتبار و تدبر جس عالم کو دیکھا جائے ھو الاوّل۔ ھو الآخر۔ ھو الظاھر۔ ھو الباطن کا درس ہو رہا ہے۔ عارف نے فرمُود ہے

نخستیں بادہ کاندر جام کردند　　مزاجش عکسِ آں گلفام کردند

اس پر از جانبِ فقیر ہے

بہ مہرِ آنکہ غیرش نیست موجُود　　زخُود آغاز و ہم انجام کردند

حضرات طلبا! آپ صاحبان میں سے کسی صاحب کو اگر جذبۂ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیازمند کے پہلے سوال منجملہ سوالات مندرجہ رسالہ فتوحاتِ صمدیہ متعلق لمیۃ ترتیب حروفِ تہجی الف۔ ب۔ ت الخ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جملہ اہلِ اسلام پر بدلیل قولہ تعالیٰ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللّٰہ۔ طلبا علمِ دینی بما یتعلق بہٖ کی خدمت حسبِ توفیق واجب ہے۔

آخری معروض بحضرتِ طلبا، آپ صاحبان نے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خدا نخواستہ فسادِ نیت (جدل مراء) منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عزت و شہرت دو روزہ ہلکہ سے گر جاویں۔ والسلام

حضرتؒ کی اس تقریر کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی امداد کے لیے سابقہ معمول سے بہت زیادہ چندہ جمع ہونے کے علاوہ علم یافتہ لوگ جو نماز میں بدیں خیال سستی کرتے تھے کہ جب ہم کامل نماز نہیں پڑھ سکتے تو ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ علماء سے لے کر عوام تک سب آپؒ کی تقریر سے محظوظ و متاثر ہوئے۔

۲۶۸

حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ پنجابی اور فارسی زبان کے ایک نغز گو سخنور تھے۔ آپ کا کلام جو نعت مُناجات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبۂ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ کئی طویل نظمیں فی البدیہہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے۔ وارداتِ غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ قافیہ و ردیف سے بے نیاز ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ بابُوجی کی طرف ایک مکتوب میں اس قسم کا ایک شعر درج کر کے فرماتے ہیں۔ لسان الوقت کو قافیہ و ردیف سے غرض نہیں، لہٰذا مجنونانہ مضامین پر عقلا کو مواخذہ کا استحقاق نہیں۔ حضرتؒ کی بعض پنجابی نظمیں قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں۔ بالخصوص وُہ نعت جس کا مطلع ہے۔ ”اج سک متراں دی ودھیری اے کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے“ اور دو اور نعتیں ع ”اے بھی اوہ پیاں تو سدیاں سانوں ماہی والیاں تابلیاں“۔ اور ع ”دل لگڑا …… نال“۔ اس مُلک میں قوالی کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ اور اکثر تقاریب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔

کبھی کسی اُستاد کا کلام پسند فرماتے تو طبع عالی پرواز کر کے اپنے بلند مقام سے جواب کہہ جاتی۔ چنانچہ

اس …… میں ہمارے حضرتؒ کا ارشاد ہے:۔

کُن فیکون تاں کل دی گل ہے اساں اگے پریت لگائی
تُوں ہیں حرف نشان نہ آہا جدوں دتی میم گواہی
اجے دی سانوں اوہ پئے دسدے بیلے بُوٹے کاہی
مہر علی …… ہن تھیوں نیڑے جداں سک دوہاں نوں آہی

کُن فیکون تو کل کی بات ہے ہم نے اُس سے بہت پہلے پریت لگائی تھی
میم نے اُس وقت گواہی دی جب تیرا میرا نشان بھی نہ تھا۔
اُس وقت کے آثار ہیں اب بھی نظر آ رہے ہیں۔
اے مہر علی شاہ دونوں کو ایک دُوسرے کی طلب تھی اس لیے مل بیٹھے ہیں۔

حضرتؒ کی مشہور نعت جو اکثر بھیم پلاسی یا اساوری میں گائی جاتی ہے

اَج سِک متراں دی ودھیری اے[1]   کیوں دِلڑی اُداس گھنیری اے؟
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے   اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
اَلطَّیفُ سَریٰ مِنْ طَلْعَتِہٖ   وَالشَّذْ وُبَدیٰ مِنْ وَفْرَتِہٖ
فَسَکَرْتُ ھُنَا مِنْ نَظْرَتِہٖ   نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
مُکھ چند بدر شعشانی اے   متھے چمکے لاٹ نُورانی اے
کالی زُلف تے اکھ مستانی اے   مخمُور اکھیں ہِن مد بھریاں
دو ابرُو قوس مثال دِسّن   جیں توں نوکِ مژہ دے تیر چھُٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعل یمن   چِٹّے دند موتی دیاں ہِن لڑیاں
اِس صُورت نُوں میں جان آکھاں   جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں   جس شان توں شاناں سب بنیاں
ایہہ صُورت ہے بے صُورت تھیں   بے صُورت ظاہر صُورت تھیں
بے رنگ دِسے اِس مُورت تھیں   وِچ وحدت پھُٹیاں جد گھڑیاں
دَسّے صُورت راہ بے صُورت دا   توبہ راہ کی عین حقیقت دا
پر کم نہیں بے سُوجھت دا   کوئی وِرلیاں موتی لے تریاں
ایہا صُورت شالا پیش نظر   رہے وقت نزع تے روزِ حشر
وِچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گُذر   سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں
یُعْطِیْکَ رَبُّکَ داس تُساں   فَتَرْضٰی تھیں پُوری آس اساں
لج پال کریسی پاس اساں   وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ صحیح پڑھیاں
لاہو مُکھ توں مخطّط بُردِ یمن   من بھانوری جھلک دکھاوَ سجن
اوہا مِٹھیاں گالیں الاوَ مِٹھن   جو حمرا وادی سن کریاں
حُجرے توں مسجد آوَ ڈھولن   نُوری جھات دے کارن سارے سکن
دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن   سب اِنس و ملک حُوراں پریاں
اِنہاں سِکدیاں تے کُرلاندیاں تے   لکھ واری صدقے جاندیاں تے
اِنہاں بردیاں مُفت وکاندیاں تے   شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں
سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا اَجْمَلَکَ   مَا اَحْسَنَکَ مَا اَکْمَلَکَ
کِتھے مہر علی کِتھے تیری ثنا   گُستاخ اکھیں کِتّھے جا اَڑیاں

---

[1] خواب میں اُس کی شکل نظر آئی اور زُلفوں سے خُوشبو مہکی جس کے مشاہدہ سے میں مدہوش ہو گیا۔

حضرت قبلۂ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ

کی

تصنیفات

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق یہ کتاب کلمۂ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرت نے لکھنؤ کے مشہور صوفی مولانا سید عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کے جواب میں تحریر فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمۂ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمتِ محمدیہ کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرما دیا تھا۔ حضرت پیر صاحبؒ نے اپنی خداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو اربابِ علم و ذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقۂ سلوک و توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مختصر سیرتِ طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۲۸۸ صفحات پر مشتمل دوسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اُردو ترجمہ اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں۔ ہدیہ صرف ۵۰ روپے

۲۔ شمس الہدایہ یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمائی گئی۔ اور اس میں ختمِ نبوت جیسے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل چوتھا ایڈیشن۔ ہدیہ صرف ۲۵ روپے

۳۔ سیفِ چشتیائی ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت کے موضوع پر اس سے بہتر اور مستند کتاب کبھی نہیں لکھی گئی۔ قوتِ استدلال اور طرزِ بیان بے نظیر ہے۔ علم دوست اصحاب میں بے حد مقبول ہے۔ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل چوتھا ایڈیشن ختم ہونے کے قریب ہے۔ ہدیہ صرف ۴۵ روپے

۴۔ اعلائے کلمۃ اللہ یہ کتاب وما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے۔ جس میں حضرتؒ نے مسائل نذر و نیاز، سماع موتٰے، استمداد اولیائے کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان مسائل میں اہلِ اسلام میں جو اختلافات مدت سے چلے آ رہے ہیں اُنہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۲۲۴ صفحات، چوتھا ایڈیشن، ہدیہ صرف ۳۰ روپے۔

۵۔ مکتوباتِ طیبات یہ کتاب آنجنابؒ کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے۔ ان میں بہت سے مسائل شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔ ۴۰۰ صفحات تیسرا ایڈیشن۔ ہدیہ صرف ۵۰ روپے۔

۶۔ ملفوظاتِ طیبات آپ کے علمی ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ، بار سوم، آفسٹ طباعت، مجلد نیا ایڈیشن، ہدیہ صرف پندرہ روپے (۱۵/-)

۷۔ مرآۃ العرفان آپ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام، مرصع ایڈیشن، دو رنگوں میں آفسٹ طباعت، ہدیہ صرف دس روپے (۱۰/-)

۸۔ فتاوٰی مہریہ حضرتؒ کے قلمی تحریر کردہ اہم مسائل پر علمی فتاوٰی کا مجموعہ جس میں حضرتؒ کی دیگر تصانیف میں شائع شدہ فتاوٰی بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ فارسی فتاوٰی کا خلاصہ اُردو میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اہلِ علم و عقیدت حضرتؒ کے لیے ایک نادر تحفہ۔ ہدیہ صرف -/۱۵ روپے۔

۹۔ مہرِ منیر آنجناب کی شہرۂ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالاتِ زندگی، علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ، تصنیفات کا مختصر خلاصہ۔ قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان نیز آپ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ وصال۔ چوتھا ایڈیشن، ۶۰۰ صفحات، بہترین کاغذ، آفسٹ طباعت، خوبصورت جلد، ہدیہ صرف پچاس روپے (۵۰/-)

[illegible]ہ وظائف (مترجم) چشتیہ از حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ نفیس مائیٹل عمدہ کتابت طباعت [illegible] قیمت ۱۵ روپے

[illegible]ات طیبات ترجمہ اُردو طبع ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ بار سوم نیا ایڈیشن۔ قیمت ۱۵ روپے

الفتوحات الصمدیہ قیمت [illegible] روپے

مجالہ بر دو سالہ قیمت ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ: آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف ۔ ضلع راولپنڈی

خوشخبری

عوام الناس اہل سنت و جماعت کو یہ سن کر بہت خوشی ہوگی کہ مسلکِ حقہ کی اشاعت کیلئے چکوال میں ایک دینی درسگاہ بنام "جامعہ اسلامیہ غوثیہ" عرصہ سے قائم ہے جس میں ہر سال ۲۰ شعبان المکرم سے ۲۷ رمضان المعظم تک دورۂ قرآن مجید بالتفسیر ہوتا ہے اور استاذ العلماء والفضلاء شیخ الحدیث و التفسیر جناب علامہ سید محمد زبیر شاہ صاحب مدظلہ العالی قرآن حکیم کے اسرار و رموز بیان فرماتے ہیں جس طرح قرآنِ حکیم کو ماہ رمضان سے (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) ایک خاص نسبت ہے اسی طرح قرآنِ حکیم کو عترتِ اہل بیت سے خاص نسبت ہے (اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی) اگر ان تینوں کا قران دیکھنا ہو تو ماہِ رمضان میں دورۂ قرآن مجید میں شرکت فرما کر دیکھیں۔ یہ نورانی مجلسیں نہایت پُر کیف و پُر سرور ہوتی ہیں۔ یہاں پر باہر سے تشریف لائے ہوئے حضرات کیلئے رہائش اور خورد و نوش کا بندوبست جامعہ کی طرف سے ہوتا ہے اور ستائیسویں کی شب کو جشنِ دستارِ فضیلت کی تقریب ہوتی ہے جو عجیب پُر کیف سماں پیدا کرتی ہے شوق ہو تو شمولیت فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ والسلام۔

یکے از سگانِ غوثِ اعظم فقیر حاجی نواب الدین عفی اللہ عنہ

گولڑوی۔ لاہوری

اطلاع عام

حضرات! چکوال میں درس نظامی کی معیاری درسگاہ عرصہ سے قائم ہے، جہاں سے سینکڑوں طلباء فارغ التحصیل ہو کر ملک کے کونہ کونہ میں سرگرم عمل ہیں۔ وہاں بی۔ اے کی تیاری بھی کرائی جاتی ہے۔ آپ حضرات اپنے بچوں کو وہاں داخل کرائیں۔ اور جامعہ ہذا کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

ناظم جامعہ اسلامیہ غوثیہ تلہ گنگ روڈ، چکوال

حصّہ سوم

مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیّت
اَور
کفریات

حصّہ سوم

مرزا صاحب کی شخصیت اور اس کے کفریات

بانیِ قادیانیت اور اُن کی ابتدائی زندگی

تحریکِ قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ وُہ برٹش انڈیا میں صوبہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام غلام مرتضےٰ تھا جو سمرقندی مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زمینداری تھا۔ مرزا غلام احمد علوم مروجہ عربی، فارسی اور طب کی تحصیل سے فارغ ہو کر ۱۸٦۴ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہل مد قریباً چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعدہٗ ملازمت چھوڑ کر اپنے والد محترم کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصّہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آباؤ اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔ ۱۸۷۹ء میں اُنہوں نے ایک اشتہار شائع کیا کہ میں ایک کتاب براہینِ احمدیہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور جس میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کی تردید میں قوی اور محکم عقلی دلائل پیش کیے جائیں گے۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں پیشگی قیمت بھیج کر معاونت کی یعنی ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک مرزا صاحب نے اس کتاب کی صرف چار جلدیں شائع کر کے دعوےٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ۱٦۵
بذریعہ الہام اشاعت دین پر مامور فرمایا ہے اور وُہ اس صدی کے مجدد ہیں۔ اس لیے اس کتاب کی مزید اشاعت بند کی جاتی ہے۔

۱۸۸٦ء میں مرزا صاحب نے اپنی دُوسری کتاب سُرمہ چشم آریہ تصنیف کی اور ہوشیار پور میں آریہ سماجیوں کے ساتھ مناظرہ بھی کیا۔ اس طرح ایک مناظرِ اسلام اور مدّعی الہام کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے اُنہوں نے اپنے گرد عقیدت مندوں کا ایک گروہ پیدا کیا جس میں حکیم نور دین شاہی طبیب ریاست جموں و کشمیر جیسے بارسوخ مشیر و معاون شامل تھے۔

مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد

اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سُنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کے بھی اُسی قدر قائل تھے جیسے دیگر مسلمان۔ اپنے اشتہاری اعلان مؤرخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم، میں اُنہوں نے لکھا :۔

"میں اُن تمام اُمور کا قائل ہُوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ اہلِ سُنّت جماعت کا عقیدہ ہے اُن سب باتوں کو مانتا ہُوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلّم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دُوسرے مدّعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہُوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیِ رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہُوئی اور جناب رسُول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ ...... اس میری تحریر پر ہر شخص گواہ رہے۔"

اسی طرح اپنے مکتوب عربی بنام مشائخ ہند مندرجہ "انجامِ آتھم" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

میرا اعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اور میرا کوئی

پیغمبر بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جو خاتم النبیین ہیں جن پر خدا نے بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل کی ہیں اور اُن کے دشمنوں پر لعنت بھیجی ہے۔ گواہ رہ کہ میرا تمسک قرآن شریف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، جو چشمۂ حق و معرفت ہے۔ کی میں پیروی کرتا ہوں اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو کہ اس خیر القرون میں باجماع صحابۂ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ اُن پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ کمی۔ اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہوگا۔ اور جو شخص ذرہ بھر بھی شریعت محمدیہ میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔" (ترجمہ)

اُن ایام میں مرزا صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ جس پر براہین احمدیہ جلد چہارم" میں اُن کے یہ الفاظ شاہد ہیں:-

"یہ آیت هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (فتح - ۲۸) (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے) سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشین گوئی ہے اور جس غلبۂ کاملۂ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبۂ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔۔۔۔۔"

اُس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھو دینے کی وجہ سے مسلمان سخت ذہنی پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو چکے تھے اور اپنے اس اضمحلال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے

ان دنوں انگریزوں کو ایسے غداروں کی اشد ضرورت تھی۔ جو مسلمانوں سے اس جذبہ جہاد اور عشق رسول کو ختم کرنے میں کام کریں۔ جن جذبے نے انگریزوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں دی تھیں۔ اس مقصد کے لیے بھی انگریزوں نے جن شخصیتوں کو استعمال کیا ان میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھے۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کے ایماء پر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور جہاد کو حرام قرار دیا ملاحظہ ہو:-

برطانیہ کی اطاعت "نصف الاسلام"

اپنی کتاب شہادت القرآن" میں حکومت برطانیہ کی اطاعت کو نصف الاسلام قرار دیتے ہوئے مرزا صاحب تریاق القلوب" میں لکھتے ہیں:-

"میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ان کتابوں کو تمام ممالکِ عرب، مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں

ذیل میں مرزا صاحب اور اس کے خاندان کی حکومتِ برطانیہ اور سکھوں سے وابستگی ملاحظہ ہو:-

نونہال سنگھ شیر سنگھ[1]

(یہ دونوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فوجی جرنیل تھے)

دربار لاہور کے دروازہ میں غلام مرتضےٰ (غلام احمد کا والد) ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں جرنل ونچورہ کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا۔ ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمانڈار بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ (یاد رہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ اور ان کے ساتھیوں سے بالاکوٹ کی لڑائی میں سکھوں کی فوج میں شامل ہو کر ان مجاہدوں سے لڑتا رہا) میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو وہ اپنی سرکار (سکھوں) کا وفادار رہا۔ اس طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں (سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۲۱)

[1] اس کی تصدیق "تاریخ محاسبہ قادیانیت" ص ۲۳ تا ۳۳ سے بھی ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے "مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ اور بڑے بھائی مرزا غلام قادر جو رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کی فوج میں ملازم تھے نے سید احمد شہید کے حریت پسندوں کے خلاف بالاکوٹ کے مقام پر رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی قیادت میں لڑے۔ جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اسلام کے نام پر قربان ہو گئی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرزا غلام مرتضیٰ جو اب بوڑھے ہو چکے تھے نے اپنے بیٹے مرزا غلام قادر کو معہ پچاس گھوڑوں کے پیش کیا جنہوں نے انگریزوں کی طرف سے لڑ کر سیالکوٹ کے حریت پسندوں کو تہ تیغ کیا۔ اس وقت یہ ۴۶ انفنٹری میں ملازم تھے جو جنرل نکلسن کی قیادت میں اسی مہم پر مامور تھی۔ فوجی خدمات کے اعتراف میں جنرل مذکور نے انہیں ایک سند بھی دی جس میں لکھا تھا "ان کا خاندان قادیان ضلع سرگودھا کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا ہے۔ اس بات کا اعتراف خود مرزا غلام احمد نے اشتہار "واجب الاظہار" ۳۰ ستمبر ۱۸۹۷ء ص ۳ تا ۶ میں بھی کیا ہے۔

میں نہیں کہتا۔ کہ گورنمنٹ اُن کی اس خدمات کو کبھی نہیں بھولے گی کہ انہوں نے (غلام احمد کے باپ اور بھائی) ۱۸۵۷ء کے نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کر کے گورنمنٹ (برطانیہ) کی امداد کے لئے دئے تھے۔

(سیرت المہدی حصہ اول صد ۱۳۲)

●

اور پھر بھائی مرزا غلام قادر تموّں کی لڑائی میں شریک تھا۔ اور بڑی جانفشانی سے مدد دی۔ غرض اس طرح میرے بزرگوں نے اپنے خون اپنے مال اپنی جان سے اپنی متواتر خدمتوں سے اپنی وفاداری کو گورنمنٹ (برطانیہ) کی نظر میں ثابت کیا۔

(سیرت المہدی حصہ اوّل صد ۱۳۲)

● میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدماتِ سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گذر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا۔ تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں۔

اس سترہ برس کی عمر میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کیں اُن سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی۔ اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت مؤثر تقریریں لکھیں اور قرین مصلحت سمجھ کر اس امر ممانعتِ جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لئے عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں۔ جن کی چھپائی اور اشاعت پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے اور وہ کتابیں۔ عرب اور بلادِ شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کیں۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔

اس قدر بڑی کارروائی اور اس قدر دور دراز مدت تک ایسے انسان سے ممکن ہے۔؟ جو دل میں بغاوت کا ارادہ رکھتا ہو؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظِ امن اور جہادی خیالات کو روکنے کے لئے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا ہے۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے خلاف ہیں کوئی نظیر ہے؟ اگر میں نے یہ اعانت گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیرخواہی سے نہیں کی۔ تو مجھے ایسی کتابیں عرب اور بلادِ شام اور روم وغیرہ۔ بلاد اسلامیہ میں شائع کرنے سے کسی انعام کی توقع تھی؟

یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے۔ ستارۂ قیصرہ صفحہ ۴، ۵، ۶، ۷

(مصنفہ غلام احمد مرزا)

●

اے ملکہ معظمہ تیرے وہ پاک ارادے ہیں جو آسمانی مدد کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور تیری نیک نیتی کی کشش ہے جس سے آسمان رحمت کے ساتھ زمین کی طرف جھکتا جاتا ہے اس لئے تیرے عہد سلطنت کے سوا اور کوئی عہدِ سلطنت ایسا نہیں جو مسیح کے ظہور کے لئے موزوں ہو۔

سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا۔ کیونکہ نور نور کو اپنی طرف کھینچتا اور تاریکی تاریکی کو کھینچتی ہے۔

(ستارہ قیصرہ صفحہ ۶۔ مصنفہ غلام احمد)

●

سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا۔ تیرے ہی وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا ایک نتیجہ ہے۔ خدا نے تیرے عہدِ سلطنت میں دنیا کے دردمندوں کو یاد کیا اور آسمان سے اپنے مسیح (غلام احمد) کو بھیجا۔ اور وہ تیرے ہی ملک میں اور تیری ہی حدود میں پیدا ہوا۔ (ستارۂ قیصرہ صفحہ ۸ مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

اے ملکۂ قیصرِ ہند خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں برکت دے۔ تیرا عہدِ حکومت کیا ہی مبارک ہے۔ کہ آسمان سے خُدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے۔ تیری ہمدردیٔ رعایا اور نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں۔ ستارہ قیصرہ صفحہ ۹

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

شریر ہے وہ انسان جو تیرے عہدِ سلطنت کی قدر نہیں کرتا۔ اور بد ذات ہے وہ نفس جو تیرے احسانوں کا شکر گزار نہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ تحقیق شدہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتا ہے۔ اِس لئے مجھے ضرورت ہے کہ میں اپنی زبان کی نعاظمی سے اس بات کو ظاہر کروں کہ میں آپ سے دلی محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں خاص طور پر آپ کی محبت اور عظمت ہے ہماری دن رات کی دعائیں آپ کے لئے آبِ رواں کی طرح جاری ہیں۔ اور ہم نہ سیاست قہری کے نیچے ہو کر آپ کے مطیع ہیں بلکہ آپ کی انواع و اقسام کی خوبیوں نے ہمارے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

بابرکت قیصرۂ ہند تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ جس پر تیری نگاہیں ہیں۔ خُدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔

(ستارہ قیصرہ صفحہ ۹ مصنفہ غلام احمد)

•

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اپنی گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی۔ اور جن کا ذکر مسٹر گرفن صاحب کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے۔

اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکارِ انگریزی کو مدد دی تھی۔ پچاس سوار اور گھوڑے باہم پہنچا کر زمانۂ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں۔"

(ستارۂ قیصرہ ص۳ و ۴)

•

بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ (برطانیہ) سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ سوال ان کا نہایت ہی حماقت کا ہے۔ کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی کا کام ہے۔

شہادت القرآن ص ۶۹

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

●

جس گورنمنٹ کے زیر سایہ خدا نے ہم کو کر دیا ہے۔ یعنی گورنمنٹ برطانیہ جو ہماری آبرو اور جان و مال کی محافظ ہے۔ اس کی سچی خیرخواہی کرنا اور اسے مخالفِ امن امور سے دور رہنا جو اس کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

(ستارۂ قیصرہ صٓ۱۳ مرزا غلام احمد)

●

خدا کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ایسی محسن گورنمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا۔ اگر ہم کسی اور سلطنت کے زیر سایہ ہوتے تو یہ ظالم تباہ کر کب ہماری جان و آبرو کو چھوڑنا چاہتے۔ (ستارۂ قیصرہ صٓ۲۱ مرزا غلام احمد)

●

یاد رہے کہ مسلمان کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے۔ ایک بڑا امتیازی شان اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ اور نہ اس کا انتظار ہے بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ بظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔ اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے۔ کہ دین کی اشاعت کے لئے لڑائیاں کی جائیں۔

(تریاق القلوب صٓ۳۳۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

اب مرزا صاحب کا مذہبی دور پیشِ خدمت ہے۔ دسمبر ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب کے رفیقِ خاص جو بعد میں اس کے خلیفہ بھی ٹھہرے، حکیم نوردین نے اُسے مثیلِ مسیح بننے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ

مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ

اس تذبذب اور اضطراب کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیق حکیم نُوردین نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وُہ خود کو مثیلِ مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی اور وُہ احیائے ملّت کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے۔ تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے حکیم نُوردین کے مشورہ پر عمل کرتے ہُوئے سب سے پہلے مثیلِ مسیح ہونے کا دعوٰے کیا جیسا کہ اُن کے اشتہار مندرجہ تبلیغِ رسالت جلد دوم "مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی سے ظاہر ہے۔

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہُوں بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری رُوحانی حالت مسیح ابنِ مریم کی رُوحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔" ۱۶۷

اسی طرح ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز نے جو مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُس کو کم فہم لوگ مسیح موعُود خیال کر بیٹھے ہیں۔۔۔۔ میں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہُوں۔۔۔۔ میں مثیلِ مسیح ہُوں یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعض رُوحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خُدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔"

مثیلِ مسیح سے مسیحِ موعُود

مرزا صاحب اپنے اس دعوئے مثیلِ مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے اپنی تین تصنیفات "فتح الاسلام"، "توضیح مرام" اور "ازالۂ اوہام" میں "حیاتِ مسیح" کے عقیدہ کو غلط بتا کر "وفاتِ مسیح" کا اعلان کیا اور پھر اپنے مسیحِ موعود اور مہدیٔ معہود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:۔

"مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ اسی عنصری وجُود سے آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں اور وُہ کسی زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہُوں۔"

(توضیح مرام)

"اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شُکر کے سجدے بجا لاؤ کہ وُہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گُذر گئے۔ اور بے شمار رُوحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وُہ وقت تم نے پالیا۔۔۔۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں وُہی ہُوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لیے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اُسی طرح بھیجا گیا ہُوں جس طرح وُہ شخص بعد کلیم اللہ مردِ خدا کے بھیجا گیا تھا

جس کی رُوح ہیروڈیس کے عہدِ حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان پر اُٹھائی گئی۔ سو جب دُوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سیّد الانبیاء ہے دُوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ (ہم نے تمہاری طرف رسُول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسُول بھیجا تھا)۔ تو اُس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیمِ اوّل کا مثیل مگر رُتبہ میں اُس سے بزرگ تر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وُہ مثیل المسیح قوّت اور طبع اور خاصیت میں مسیح ابنِ مریم کی پاکر اُسی زمانہ کی مانند اور اُسی مدت کے قریب قریب جو کلیمِ اوّل کے زمانہ سے مسیح ابنِ مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وُہ اُترنا رُوحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے۔ اور سب باتوں میں اُسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابنِ مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔"
(فتح الاسلام)

"اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مُراد ہُوں میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اُس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وُہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اور یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی ہے۔" (کشتیٔ نوح)

"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم)

"میرا دعوےٰ یہ ہے کہ میں وُہ مسیح موعود ہُوں جس کے بارے میں خدائے تعالےٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وُہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔" (تحفہ گولڑویہ ۱۶۸)

مسیح موعود سے نبوت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختمِ نبوت کے معروف اسلامی نظریہ کو (جس کے وُہ خود بھی معتقد رہے تھے) غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔

اس کی تقریب یہ ہُوئی کہ اگست ۱۹۰۱ء میں ایک روز مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبدالکریم نے جُمعہ کے خطبہ میں انہیں نبی و رسُول کہا۔ نماز کے بعد سیّد محمد احسن امروہی قادیانی خطیب صاحب سے جھگڑتے رہے۔ اُنہوں نے اگلے جمعہ پھر یہ الفاظ دُہرائے اور امروہی صاحب کے تیور پہچان کر نماز کے بعد مرزا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کو نبی و رسُول مانتا ہُوں۔ اگر میں غلطی پر ہُوں تو حضور مجھے درست فرمائیں۔ اس پر مرزا صاحب مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔" یہ سُن کر سیّد محمد احسن غصّہ میں بھرے ہُوئے واپس آ گئے اور مسجد کے اُوپر ٹہلنے لگ گئے۔ جب مولوی عبدالکریم وہاں پہنچے تو سیّد صاحب اُن سے لڑنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں تو مرزا صاحب مکان سے نکل آئے اور آیت پڑھی۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (مسلمانو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ (الفضل قادیان ۲۴ جنوری ۱۹۲۳ء و رسالہ فرقان قادیان بابت اکتوبر ۱۹۴۲ء)

مرزا صاحب ۱۸۹۱ء سے نبی کا لقب اختیار کرنے میں مذبذب تھے۔ چنانچہ "انجام آتھم" ۱۸۹۷ء میں لکھا تھا:۔

"الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔"

یعنی اس سے قبل "خدا کا فرستادہ"۔ "مامور"۔ "امین"۔ "مثیل مسیح"۔ "مہدی معہود"۔ "مسیح موعود" کے القاب استعمال ہو رہے تھے مگر نبی و رسول کہلانے میں مرزا صاحب کو تردد تھا۔ اُس روز خطیب صاحب کی عقیدت نے ختم نبوت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا اور مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا:۔

"میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ اور جب کہ خود خدا تعالےٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اُس کے سوا کسی سے ڈروں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ، نومبر ۱۹۰۱ء)

"خدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گذرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔۔۔۔ اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اُسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اُسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی ۱۹۰۷ء) ۱۷۲

ظلّی نبی

اپنے اِس دعوے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلّی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا مگر نبوت صرف آپ کے فیضان سے ہی مل سکتی تھی نہ کہ براہِ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اور خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ آپ نبیوں کی مُہر ہیں اور آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوت کی تصدیق آپ اپنی مُہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوت کا معیار آپ کے نقش قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم کرنا ہو گا۔

مرزا صاحب کے صاحب زادے بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف "کلمۃ الفصل" میں مرزا صاحب کی اس نبوت کو یوں بیان کیا ہے:۔

"یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلّی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے۔ یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے۔۔۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا صاحب کی) نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (یعنی مرزا صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلّی نبی تھے اور اس ظلّی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔"

ظلی نبوت سے مستقل اور صاحب شریعت نبی

کچھ عرصہ اسی طرح ظلی رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصور سے کاملین بھی کانپتے تھے یعنی اُنہوں نے اپنے مستقل صاحب شریعت نبی اور خاتم النبیین ہونے کا دعوےٰ کر دیا اور اُن کے شبدیز قلم نے اُس ادب گاہ کو بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبرئیل علیہ السلام کے پر جلتے تھے بلکہ مشائخ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جرأت نہ تھی۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزیدؒ آں جا

اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" میں مرزا صاحب نے لکھا:۔

"میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے"۔ ۔ ۔ ۔ پس جب کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا وجود خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوئی یا مغائرت نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ گویا لفظوں میں باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں۔ تو یہ کس قدر حق سے خروج ہوگا کہ حضرت مسیح موعود کے عین محمدؐ ہونے سے انکار کریں۔" الفضل ۱۶/۹/۱۵

اپنی تصنیف "حقیقت الوحی" میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں اُنہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنی ذات کو اُن کا مصداق ظاہر کیا:۔

۱۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران ۔ ۳۱)	کہہ دیجیئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔
۲۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (انعام ۱۶۴)	اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے۔ اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔
۳۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (انفال ۔ ۱۷)	اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔
۴۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى۔ (بنی اسرائیل ۔ ۱)	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے
۵۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔	اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے

(انبیا - ۱۰۷)

رحمت بنا کر۔

۶ - یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ (یٰسین ۱تا۴)

یٰسین۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

۷ - اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح ۱-۲)

بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں۔

۸ - اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح - ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ خدا سے کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

۹ - هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ (فتح - ۲۸)

وُہی اللہ ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے۔

۱۰ - ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ (النجم - ۸-۹)

پھر نزدیک ہوا پھر اُتر آیا پس بقدر دو کمان کے یا زیادہ نزدیک تھا۔

۱۱ - وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (الصف - ۶)

میں بشارت دیتا ہوں ایک رسُول کی جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اُس کا نام احمدؐ ہوگا۔

۱۲ - اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (المزمل - ۱۵)

بے شک ہم نے تمہاری طرف رسُول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دے گا۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسُول بھیجا تھا۔

۱۳ - اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر - ۱)

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

ان غیر مانوس اور بعید از حقائق اقوال کی تلخی کو اسلامی فکر و نظر کے لحاظ سے کم کرنے کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا رہا کہ مرزا صاحب خود محمدؐ و احمدؐ ہیں۔ کوئی نبی اور علیحدہ شخصیت نہیں ہیں۔ اس انداز خیال کے چند نمونے درج ذیل ہیں:۔

"وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمے سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اُسی کے جلال کے لیے۔ اسی لیے اُس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ ہی کو ملی مگر بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"اور جان لو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے۔ ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ پس جس نے ان کا انکار کیا، اُس نے حق کا اور نصِ قرآن کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے

آخیر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت اُن سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے"۔ (خطبۃ الہامیہ)

"جیسے کہ مومن کے لیے دوسرے احکامِ الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں"۔ (تحفہ گولڑویہ)

"مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰنِیْ" "جس نے میرے اور محمد مصطفیٰ کے درمیان فرق کیا اور دونوں کو الگ الگ سمجھا، اُس نے مجھے شناخت کیا اور نہ پہچانا اور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا"۔ (خطبۃ الہامیہ)

"پھر اسی کتاب (براہین احمدیہ) میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اس وحیِ الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے۔ اور رسول بھی"۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

"ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے
خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ۱۷۵
صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور
بروزی رنگ میں تمام کمالاتِ محمدی معہ نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا
الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھو کہ تمہاری
حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہمرنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب
کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اس کا نام محمد اور احمد ہوگا اور اُس کی اہل بیت میں ہوگا"۔

اگر آپ مرزا صاحب کی وحی، الہامات، عرفانِ الٰہی کے نمونے اور مسلمانوں سے اسلام کے ہر رسولؐ میں اختلاف پڑھنا چاہیں تو مہر منیر ص۱۷۶ تا ص۱۸۴ ضرور پڑھیے۔ یہاں مرزا صاحب کے مزید کفریات درج کیے دیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ الوہیت

۱۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہوبہو خدا ہوں۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ میں وہی ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔

آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴، ص۵۶۵

۲۔ سو میں نے پہلے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاءِ حق کے مطابق ترتیب اور تفریق کی۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ (کتاب البریت ص۱۰۴)

۳- خدا میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور رحم، تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اُس کا ہو گیا۔ اِس حالت میں میری زبان پر جاری تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاءِ حق کے مطابق ترتیب اور تفریق کی، اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس کی خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وغیرہ۔

۴- مَیں نے کشف میں دیکھا کہ مَیں خود خدا ہوں۔ اور یقین کیا وہی ہوں اور میرا ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔ اور میں ایک سوراخ دار برتن کی مانند ہوگیا۔ یا اُس شے کی طرح ہوں، جسے دوسری شے نے اپنی بغل میں دبالیا ہے۔ اور اُسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا۔ یہاں تک کہ اُس کا اپنا کوئی نام ونشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ باقی نہ رہا۔ اور مَیں نے دیکھا کہ اُس کی قوّت اور قدرت مجھ میں زور مارتی اور اُس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔
(کتاب البریت ص۱۰۱، آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴)

۵- خدا نے میرا نام متوکل رکھا۔ خدا میری حمد کرتا ہے۔ اور مجھ پر رحمت بھیجتا ہے۔ (ضمیمہ تریاق القلوب ص۱۳۳ نشان ۴۸)

۶- خدا مجھ سے ہے اور مَیں خدا سے ہوں۔ (رسالہ دافع البلاء ص۶ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان۔ اپریل ۱۹۰۲ء)

۷- خدا نے فرمایا جو کچھ مرزا کی زبان سے جاری ہو۔ وہ میری زبان سے ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۶)

۸- خدا نے فرمایا۔ اے مرزا مَیں نے تجھے اپنے نفس کے لئے پسند کیا۔ زمین اور آسمان تیرے ساتھ ہیں۔ جیسے میرے ساتھ ہیں۔ تُو میرے پاس بمنزلہ توحید اور تفرید کے ہے۔ (رسالہ انجام آتھم ص۵۲)

٩ - خدا نے فرمایا۔ اے مرزا خدا تیرے ساتھ ہے۔ اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں تو کھڑا ہوتا ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۷)

١٠ - خداوند عالم عرش پر میری حمد کرتا ہے۔ (اربعین نمبر ۳ ص۳۱)

١١ - خدا نے مجھ سے کہا کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمان کو پیدا ہی نہ کرتا (دافع البلاء ص۲)

١٢ - اے مرزا تو ہمارے پانی سے ہے اور باقی لوگ فشل سے ہیں۔
(انجام آتھم ص۵۵، ص۵۶ توضیح المرام ص۵۸)

١٣ - اے مرزا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے کہ میری توحید۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۵)

١١ - تو مجھ سے بمنزلہ میری رُوح کے ہے۔ (البشریٰ جلد دوم ص۱۳۷
۲ر دسمبر ۱۹۰۷ء (اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ رُوْحِیْ)

١٥ - خدا نے مجھ سے کہا تو مجھے میرے فرزند کی طرح ہے۔
حقیقت الوحی ص۸۶

١٦ - اے مرزا! تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میرے کان۔
(اخبار البدر قادیان ۲۶ر فروری ۱۹۰۵ء)

١٧ - اے غلام احمد تو میرا سب سے بڑا نام ہے۔ (اربعین ۳ ص۲۸)

١٨ - خدا نے مرزا سے کہا۔ اے میرے بیٹے سُن۔
(البشریٰ ص۴۹ جلد اول)

١٩ - آپ کی تو وہ شان ہے کہ جس چیز کے لئے بھی کُن کا حکم دیا یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۰۵)

٢٠ - مجھے خدا کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی۔ یعنی میں اِس بات پر قادر ہوں کہ ماروں اور زندہ رکھوں۔ (خطبہ الہامیہ ص۲۳)

تو مجھ سے اور میں تجھ سے۔ تو وہ ہے جس کی رُوح نے میری طرف پرواز کیا۔ (البشریٰ جلد دوم ص۱۲۶ اَنْتَ الَّذِیْ طَارَ اِلَیَّ رُوْحُہٗ - ۱۲ر مارچ ۱۹۰۷ء)

تو مجھ سے ایسا ہے کہ میں ہی ظاہر ہو گیا۔ یعنی تیرا ظہور میرا ظہور ہو گیا۔ (البشریٰ جلد دوم ص۱۰۹ (اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ بُرُوْزِیْ) ۱۵ر مارچ ۱۹۰۶ء)

خدائی دعویٰ کرنے والے کے متعلق مرزا صاحب کا ہی فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے جو انسان کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔ (نور القرآن حصہ دوم صہ ۱۲)

مرزا صاحب کے دعویٰ خدائی کے بعد دعوائے نبوت ملاحظہ ہو:۔

دعوائے نبوت

۔ خدا نے اس عاجز کا نام نبی بھی رکھا۔ (ازالہ اوہام صہ ۵۳۳)

۔ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔

(دافع البلاء صہ ۱۱)

۔ میرا خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے اس رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب و اخلاق کے ساتھ بھیجا۔

(اربعین نمبر ۲ صہ ۳۲)

۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم بغیر نئی شریعت کے رسول اور نبی ہیں۔
۔ بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ظاہر ہوئے جن پر کتاب نازل نہ ہوئی تھی۔

(اخبار بدر۔ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

۔ چونکہ اس مبارک زمانے میں خدا کا ایک برگزیدہ نبی اور رسول موجود ہے۔ اس لئے عذاب بھی اس قسم کے نازل ہو رہے ہیں۔ جو انبیاء کے وقتوں میں ہوتے ہیں۔

(اخبار بدر۔ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

۔ جبکہ میں اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشین گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پا کر بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔ کہ صاف طور پر پوری ہو گئی ہیں۔ تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول ہونے کے نام سے کیونکر انکار کروں۔ اور جب کہ خدا تعالےٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو کیوں کر انکار کروں۔ اور میں جیسا قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ویسا بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو مجھے ہوئی۔

(اشتہار مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان)

۔ یہ دو نام اور دو خطاب خاص آنحضرت کو قرآن میں دیئے گئے ۔ یعنی سیدالانبیاء اور رحمت اللعالمین ۔ پھر وہی خطاب الہام میں مجھے دیئے گئے ہیں ۔ (اربعین نمبر ۲ صـ۳)

۔ اس اُمت میں وہ شخص میں ہی ہوں ۔ جس کو اپنے نبی کریم کے نمونہ پر وحی اللہ پاتے ہوئے تئیس ۲۳ برس کی مدت ہو گئی اور ۲۳ برس تک سلسلہ وحی جاری رکھا گیا ۔

(اربعین نمبر ۳ صـ۲۰)

۔ ہم نے تجھے دنیا کی رحمت کیلئے بھیجا ہے ۔ (اربعین نمبر ۳ صـ۳۰)

۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا ۔ بلکہ جو کچھ تم سُنتے ہو خدا کی وحی ہے ۔ (اربعین نمبر ۳ صـ۲۳)

۔ کہ وہ پاک ذات وُہی ہے جس نے تجھے رات میں سیر کرایا ۔

(حقیقت الوحی صـ۷۹)

۔ اے سردار تو خدا کی طرف سے راہ راست پر خدا کا مُرسل ہے ۔ جو غالب اور رحم کرنے والا ہے ۔ (حقیقت الوحی صـ۱۰۷)

۔ میرا نام محمد احمد ہے ۔ پس نبوت اور رسالت کبھی دُوسرے کے پاس نہیں گئی ۔ محمد کی چیز محمد کے پاس رہی ۔

(پمفلٹ ایک غلطی کا ازالہ ۔ مورخہ ۵ ، نومبر ۱۹۰۱ء)

۔ مرزا تمام انبیاء کا چاند ہے ۔ (انجام آتھم صـ۵۸)

۔ خدا نے مجھے آدم صفی اللہ مثل نوح مثل یوسف مثل داؤد اور مثل موسےٰ اور مثل ابراہیم کہا ۔ اور احمد کے نام سے بار بار پُکارا ۔

(ازالہ اوہام صـ۲۵۳)

۔ آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے ۔ (ازالہ اوہام صـ۶۹۵)

۔ میرے وجود میں سوائے نور محمد کے کچھ نہیں ۔ (حقیقت الوحی صـ۱۸)

۔ آریوں کا بادشاہ ۔ (حقیقت الوحی صـ۸۵)

۔ میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے مجھے بھیجا ہے ۔ اور اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے ۔ اور اُس نے مجھے مسیح موعُود کے نام سے پکارا ہے ۔ اور اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر

کئے جو تین لاکھ تک پہنچے ہیں۔

(تتمہ حقیقت الوحی مطبوعہ میگزین قادیان ص۶۸)

۔ اِس زمانے میں خدا نے چاہا کہ جس قدر مقدس نبی گذر چکے ہیں۔ ایک ہی شخص کے وجود میں اُن کے نمونے ظاہر کئے۔ سو وہ میں ہوں۔ (براہینِ احمدیہ حصہ پنجم ص۹۰)

۔ منم مسیحِ زماں منم کلیمِ خدا ∴ منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

(تریاق القلوب ص۳)

۔ مجھے اپنی وحی پر توریت و انجیل و قرآن کی طرح یقین ہے۔

(اربعین نمبر۴ ص۲۵)

۔ خدا کی قسم میں اپنے الہامات پر قرآن اور دیگر کتب سماوی کی طرح یقین رکھتا ہوں۔ (حقیقت الوحی ص۲۱۱)

۔ آنحضرت صلعم کے وقتِ دین کی پہلی حالت شب کے چاند کی طرح تھی۔ مگر مرزا کے وقت چودھویں رات کے بدرِ کامل جیسی ہوگی۔ (مفہوم ص۱۷۸، ص۲۰۱ خطبہ الہامیہ)

۔ جو کوئی میری جماعت میں داخل ہوگیا۔ وہ صحابہ میں داخل ہوگیا۔

(خطبہ الہامیہ ص۱۷۱)

۔ صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیش گوئیاں سبقت لے گئی ہیں۔ (ریویو جلد اول ص۲۹۳)

۔ آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات (تحفہ گولڑویہ ص۴۵، ص۶۳)

مگر مرزا کے دس لاکھ نشان۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۳۱)

۔ وَاِنَّ رُوْحَ اللّٰہِ یَنْطِقُ فِیْ نَفْسِیْ۔ اللہ کی روح میرے نفس میں بولتی ہے۔ (انجام آتھم ص۱۷۶)

۔ جو شخص مجھ میں اور نبی صلعم میں فرق کرتا ہے۔ اُس نے مجھے نہیں جانا اور نہیں پہچانا۔ خطبہ الہامیہ ص۱۷۱

یہی مرزا غلام احمد قادیانی ہی تھا۔ جس نے ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو اعلان کیا تھا کہ میں نبوت کا مدعی نہیں ہوں اور ختمِ نبوت کے منکر کو کافر کہا تھا۔ جیسا کہ آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھا۔ لہٰذا ایسے جھوٹے کا اعتبار کرنا گناہِ عظیم ہے۔ اب اس کے چند اور جھوٹ ملاحظہ ہوں:-

مرزا غلام احمد کی دروغ گوئیاں

۱۔ "اگر قرآن نے میرا نام ابن مریم نہیں رکھا تو میں جھوٹا ہوں"۔
(تحفہ ندوہ صہ ۵)

(نوٹ :- مرزا غلام احمد کی والدہ کا نام چراغ بی بی تھا)

۲۔ "احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا۔ اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا"۔ ضمیمہ نصرۃ الحق صہ ۱۸۸

۳۔ "اور ایک حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آئے گی"۔
(ازالہ اوہام صہ ۲۵۲)

۴۔ "یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحائف میں بھی یہ موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقتوں میں طاعون پڑے گی"۔ (کشتی نوح صہ ۵)

۵۔ قادیان طاعون سے اس واسطے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ یہ اُس کے رسول کی تخت گاہ ہے۔ اور تمام امتوں کے لئے نشان ہے"۔ (دافع البلاء صہ ۵) "قادیان طاعون سے اِس لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا" (دافع البلاء صہ ۵) میں تمام گھر والوں کو اِس بیماری (طاعون) سے بچاؤں گا"۔ (البشریٰ جلد دوم صہ ۱۴۰)

نوٹ :- یہ سب غلط ہے اِسلئے کہ مرزا غلام احمد کا اپنا بیان ہے۔ "ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں ہوئی۔ (حقیقت الوحی صہ ۲۳۲) "طاعون کے دنوں میں جب قادیان میں طاعون زور دل پر تھی میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا"۔ (حقیقت الوحی حاشیہ صہ ۸۴) اللہ تعالیٰ کے امر و منشاء کے ماتحت قادیان میں طاعون مارچ کے آخیر تاریخوں میں پھوٹ پڑی"۔

(اخبار الحکم ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء)

۶۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے ایک کنجری کو بغل میں لیا۔
(نور القرآن ص۳۶ تا ص۳۹)

(نوٹ) :- انجیل میں سے حوالہ بتاؤ؟

۷۔ "اور میں کہتا ہوں کہ تین شہروں کا نام قرآن مجید میں درج ہے۔ مکہ۔ مدینہ۔ اور قادیان"۔
(ازالہ اوہام ص۷۷ حاشیہ)

جھوٹ اور جھوٹے کی نسبت مرزا غلام احمد کا فتوے

۱۔ جھوٹ ام الخبائث ہے۔ (تبلیغ رسالت ص۲۸ جلد،)
۲۔ دروغ گوئی کی زندگی جیسی کوئی لعنتی زندگی نہیں۔ (نزولِ مسیح ص۲)
۳۔ جھوٹ بولنا مُرتد کے برابر ہے۔ (کشتی نوح ص۱۹۔ حاشیہ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۹ اربعین نمبر۳ ص۲۴ حاشیہ)
۴۔ خدا کی لعنت پر جو جھوٹ بولتے ہیں۔ (اعجاز احمدیہ ص۲۰۶)
۵۔ جھوٹ بولنا اور گوہ کھانا برابر ہے۔ (حقیقت الوحی ص۲۰۶)
۶۔ جھوٹ بولنے سے بدتر دُنیا میں کوئی گناہ نہیں۔
(تتمہ حقیقت الوحی ص۲۶)
۷۔ ظاہر ہے کہ جب اِنسان ایک بات میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں اس پر یقین نہیں کیا جاتا۔ (چشمہ معرفت ص۲۲۲)
۸۔ خدا کا نام لے کر جھوٹ بولنا سخت بد ذاتی ہے۔
(تریاق القلوب ص۶، ص۱۱)
۹۔ جھوٹ بولنے سے مرنا بہتر ہے۔ (تبلیغِ رسالت ص۳۳)
۱۰۔ نبی کے کلام میں جھوٹ جائز نہیں۔ (مسیح ہندوستان میں ص۱۹)۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی تہذیب اور اخلاقِ کریمیہ

۱۔ اے بدذات فرقہ مولویان تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت

آنے گا کہ تم بے ہودہ خصلت چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو تم پر افسوس تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہ عوام کو پلایا۔

(انجام آتھم ص۲۱ حاشیہ)

۲- کیونکہ وہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہو۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۵ حاشیہ)

۳- چاہیے کہ ہمارے نادان مخالف انجام کے منتظر رہتے۔ اور پہلے ہی سے اپنی بدگوئی ظاہر نہ کرتے۔ بھلا جس وقت یہ سب باتیں آسمانی زوجہ کی پیشین گوئی پوری ہو جائے گی تو کیا اُس وقت یا اُس دِن یہ مخالف جیتے ہی رہیں گے۔ اور کیا اُس دِن یہ تمام لڑنے والے سچائی کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جائیں گے۔ اِن بے وقوفوں کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ رہے گی۔ اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جائے گی۔ اور ذِلّت کے سیاہ داغ اُن کے منحوس چہروں کو بندروں کی طرح کر دیں گے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳)

۴- اے احمق دِل کے اندھے دجّال تو ہی تو ہے۔ دجّال تیرا نام ثابت ہوا یا کِسی اور کا .... حق سے لڑتا رہ۔ آخر اے مُردار دیکھے گا کہ تیرا انجام کیا ہوگا۔ اے عدو اللہ تو مجھ سے نہیں بلکہ خدا تعالے سے لڑتا ہے۔

(اشتہار الانعام ۳۰۰۰ ص۱۳)

۵- اے بے ایمان نیم عیسائیو! دجّال کے ہمراہیو۔ شیطان کے ساتھیو!

(اشتہار الانعام ۳۰۰۰ ص۵)

۶- جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا پر صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں ہے۔ پس حلال زادہ بننے کے لئے واجب یہ تھا کہ اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھتا اور عیسائیوں کو فتح یاب قرار دیتا ہے تو میری اِس حُجّت کو واقعی طور پر رفع کرے جو مَیں نے پیش کی ہے۔

ورنہ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔

(انوار الاسلام صہ ۳)

۷۔ کوئی شخص نہیں جو ان مولویوں کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا کوئی زندہ مُردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ)

۸۔ اے مُردار خور مولویو اور گندی رُوحو! انصاف اور ایمان سے دُور بھاگنے والو! تم جھوٹ مت بولو۔ اور نجاست مت کھاؤ۔ جو عیسائیوں نے کھائی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صہ ۲۱)

۔ اے بدذات فرقہ مولویاں۔ (انجام آتھم صہ ۲۱)

۔ ہر مسلمان مجھ کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے۔ اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن زناکار عورتوں کی اولاد نہیں مانتی۔ (آئینۂ کمالات اسلام صہ ۵۴۷، صہ ۵۴۸)

۔ میرے مخالف جنگلوں کے سور ہیں اور اُنکی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (نجم الہدیٰ صہ ۱۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارشادات اکابرین اسلام کے حق میں:

حضرت حسین صاحب کی نسبت مرزا غلام احمد کا بیان:۔

(۱) "اے قوم شیعہ ناز مت کرو کہ حسین تمہارا نجات دہندہ ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو تمہارے حسین سے بڑھ کر ہے۔ اور اگر میں اپنی طرف سے کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں۔" (رسالہ دافع البلاء صہ ۱۳ سطر ۶)

(۲) "صد حسین است در گریبانم"۔

(اخبار الحکم قادیان ۱۶ر جون سنہ ۱۹۰۳ء)

(۳) "افسوس یہ لوگ شیعہ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو حسین کو ابنیت کا رتبہ بھی نہیں دیا۔ بلکہ نام تک مذکور نہیں حسین سے تو زید ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن میں موجود ہے"۔

(نزول مسیح صہ ۴۵)

(۴) "مجھ میں اور تمہارے حسین میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ مجھے تو ہر وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے"۔

(اعجاز احمدی ص ۶۹)

"مجھ میں اور تمہارے حسین میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ مجھے تو ہر وقت خدا کی تائید اور مدد ملتی رہتی ہے مگر حسین پس تم دشتِ کربلا کو یاد کر لو۔ اب تک روتے ہو۔ پس سوچ لو"۔

(ترجمہ عربی عبارت) (اعجازِ احمدی ص ۶۹)

حضرت علی کی نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان :-

"پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے، اس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو"۔

(اخبار الحکم قادیان، نومبر ۱۹۰۲ء)

قارئین کرام! آپ نے مرزا صاحب کے متعلق جو کچھ پڑھا اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں رہا کہ ایسی باتیں وہی کرتا ہے جسے مالیخولیہ اور مراق کا مرض لاحق ہو اور یہی کچھ اس کے متعلق اس کے ڈاکٹروں اور گھر والوں نے کہا، ملاحظہ ہو :-

(۱) مرزا صاحب کو مراق کی بیماری تھی۔

(۱) "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت نے پیش گوئی کی تھی۔ جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ مسیح جب آسمان سے اترے گا۔ تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی۔ سو اس طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور ایک نیچے کے دھڑ کی کثرتِ بول"۔

(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان جون ۱۹۰۶ء جلد اول نمبر ۲ و اخبار بدر جلد دوم نمبر ۲۳ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء)

(۲) میرا یہ حال ہے کہ باوجود دو بیماریوں میں ہمیشہ سے

مبتلا رہا ہوں ۔ تاہم مصروفیت کا یہ حال ہے کہ بڑی بڑی رات تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں ۔ حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے ۔ اور دَوران سر کا دَورہ زیادہ ہو جاتا ہے ۔ تاہم میں اِس بات کی پرواہ نہیں کرتا ۔ اور اِس کام کو کئے جاتا ہوں ۔

(اخبار الحکم قادیان جلد نمبر ۵ صہ ۴ مورخہ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء)

نیز دیکھو محمد منظور الٰہی مرزائی کی کتاب منظور الٰہی صہ ۳۴۸ ۔

حضرت مسیح موعود نے بیشک مراقی کا لفظ اپنی نسبت بولا ہے ۔

(احمدیہ پاکٹ بک صہ ۴۹۰)

(۳) مراق کا مرض حضرت مرزا کو موروثی نہ تھا ۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا ۔ اور اس کا باعث سخت محنتِ دماغی ۔ تفکرات ۔ غم اور سوءِ ہضم تھا ۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا ۔ اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دورانِ سر کے ذریعے ہوتا تھا ۔

(رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان صہ ۱۰ بابت اگست سنہ ۱۹۲۶ء)

(۴) مرزا صاحب نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مجھکو مراق ہے

(ریویو آف ریلیجنز جلد ۲۵ ء صہ ۶ اگست سنہ ۱۹۲۶ء)

(۲) مرزا غلام احمد کی بیوی کو مراق کی بیماری تھی

میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے ۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے ۔ کیونکہ طبی اصول کے مطابق اُس کے لئے چہل قدمی کرنا مفید ہے ۔ (مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان عدالت مندرجہ اخبار الحکم قادیان جلد ۵ صہ ۲۹ ۱۰ اگست (کتاب منظور الٰہی صہ ۲۴۴

(۳) مرزا کے فرزند ارجمند کو مراق کی بیماری تھی ۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی یعنی مرزا محمود احمد نے فرمایا کہ مجھ کو کبھی کبھی مراق کا دَورہ ہو جاتا ہے ۔

(ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۲۶ء)

مراق کا مریض ناقابل اعتبار

:- (مرزا غلام احمد کا اپنا بیان)

یہ بات تو بالکل جھوٹا منصوبہ ہے۔ اور یا کسی مراقی عورت کا وہم۔ (حاشیہ کتاب البریت صہ ۲۳۸، صہ ۲۳۹) گویا مراق کے مریض کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) ہسٹیریا اور مرزا غلام احمد قادیانی

(۱) ہسٹیریا کا مرض جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں۔ چونکہ عام طور پر یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے اس کو رحم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ورنہ مردوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے۔ جن مردوں کو یہ مرض ہو اُن کو مراقی کہتے ہیں۔

خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۱۰ صہ ۸۴ مؤرخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

(۲) یہ درست ہے کہ مرگی اور ہسٹریا میں بھی مراق کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ ہر مراقی کو مرگی یا ہسٹیریا کا مرض ہوتا ہے۔ بیاض نورالدین جلد اول منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد ۲۶ صہ ۴۷ مؤرخہ یکم دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء۔

احمدی فتویٰ

(۳) "ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹریا یا مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اُس کے دعوے کی تردید کے لئے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔" صہ ۳

(مضمون ڈاکٹر شاہ نواز صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۲۶ء)

(۴) مرزا قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں۔ "بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اول

(ہمارا ایک بڑا بھائی ہوتا تھا جو ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا تھا) ...... کی وفات کے چند دن بعد پیدا ہوا تھا ۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اُتھو آیا اور اُس کے بعد طبیعت خراب ہو گئی ۔

(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۳ از مرزا بشیر احمد ایم ۔ اے)

(۵) ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے ۔ بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے

(سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۵

مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی)

(۳) کثرتِ بول اور مرزا غلام احمد قادیانی

"دو مرض میرے لاحق حال ہیں ۔ ایک بدن کے اُوپر کے حصے میں اور دُوسری بدن کے نیچے کے حصے میں ۔ اُوپر کے حصے میں دورانِ سر ہے اور نیچے کے حصے میں کثرت پیشاب ہے ۔ اور یہ دونوں مرض اس زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے ۔

(مرزا قادیانی صاحب کی تالیف حقیقت الوحی صفحہ ۳۶ و صفحہ ۳۷

منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد ۲۶ نمبر ۴۸ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۸ء)

"میں ایک دائم المریض ہوں .... ہمیشہ درد سر اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دِل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے ۔

بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرت پیشاب ہے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں ۔ وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں ۔

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳ ، ۴ صفحہ ۴ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ذیابیطس اور مرزا غلام احمد قادیانی

حقیقت الوحی صہ ۳۱۴ صرف دورانِ سر کبھی کبھی ہوتا ہے۔ تاکہ دو رنگ چادروں کی پیشین گوئی میں خلل نہ آئے۔ دوسری مرض ذیابیطس تخمیناً ۲۰ برس سے ہے جو مجھے لاحق ہے۔ جیسا کہ اُس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اور ابھی تک ۲۰ دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے اور امتحان سے بول میں شکر پائی گئی۔

(۷) خرابی حافظہ اور مرزا غلام احمد قادیانی

کتاب نسیم دعوت صہ۱ کے حاشیہ اور ریویو آف ریلیجنز جلد دوم صہ۲ بابت ماہ اپریل ۱۹۰۳ء صہ ۱۵۳ کے حاشیے پر ہے۔ "اچھا حافظہ نہیں یاد نہیں رہا"۔ مکتوبات احمدیہ جلد ۵ صہ ۲۱ میں لکھا ہے کہ "میرا حافظہ بہت خراب ہے اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو تب بھی بھول جاتا ہوں"۔

حافظہ کے متعلق مرزا صاحب کا ہی فتوےٰ ملاحظہ ہو:۔

انبیاء کا حافظہ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے"۔ صہ۲ "ملہم کا دماغ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے۔

ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ جنوری ۱۹۰۳ء صہ۸ مرزا صاحب

(۸) اسہال اور مرزا غلام احمد قادیانی

۱۔ میاں محمد منظور الٰہی کی کتاب منظور الٰہی صہ ۳۴۸، صہ ۳۴۱ بحوالہ اخبار الحکم جلد نمبر ۵ نمبر ۴۰ میں لکھتا ہے کہ مرزا قادیانی نے کہا۔ "باوجودیکہ مجھے اسہال کی بیماری ہے۔ اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں۔ اور جس وقت پاخانہ کی بھی حاجت ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی۔

۲۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۲۵ نمبر ۴ صفحہ ۶ پر ہے۔ " یہ تو امر واقع ہے کہ حضرت صاحب کو بدہضمی۔ اسہال۔ پیچش اور دردِ سر کی عموماً شکایت رہتی تھی"۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی وفات

برادران! جیسا کہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہے کہ حضرت اماماً و مولانا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود (مرزا صاحب قادیانی) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی۔ اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو بڑھ جاتی تھی۔ حضور کو یہ بیماری بسبب کھانا نہ ہضم ہونے کے تھی۔ اور چونکہ دل سخت کمزور تھا اور نبض ساقط ہو جایا کرتی تھی۔ اس دفعہ لاہور کے قیام میں بھی حضور کو دو تین دن پہلے یہ ہوئی لیکن ۲۵ مئی کی شام کو جب کہ آپ سارا دن "پیغامِ صلح" کا مضمون لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے تو واپسی پر پھر اس بیماری کا دورہ شروع ہو گیا۔ اور آپ دوائی جو کہ پہلے مقوی معدہ استعمال فرماتے تھے مجھے حکم بھیجا۔ تو ہو کر بھیج دی گئی۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور قریباً ۱۱ ۔ ۱۲ بجے اور ایک دست آنے پر طبیعت از حد خراب ہو گئی اور مجھے اور حضرت خلیفہ نور الدین صاحب کو طلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں اور اس خیال سے کہ دماغی کام کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوئی، نیند آنے سے آرام آجائے گا۔ ہم واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔ مگر تقریباً دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور بڑا دست آگیا۔ جس سے نبض بالکل بند ہو گئی۔ اور مجھے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیح مولوی نور دین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بلوایا۔ اور برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی گھر سے طلب کیا گیا۔ اور جب وہ تشریف لائے تو مرزا یعقوب بیگ صاحب کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ مجھے سخت اسہال کا دورہ ہو گیا ہے۔ آپ کوئی دوا

تجویز کریں۔ علاج شروع کیا گیا۔ چونکہ حالت نازک ہو گئی تھی اس لئے ہم پاس ٹھہرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مگر پھر نبض واپس نہ آئی۔ یہاں تک کہ ½۱۰ بجے صبح ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرتِ اقدس کی رُوح اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملی۔

(اعلان منجانب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب قادیانی

مندرجہ ضمیمہ اخبار الحکم قادیان غیر معمولی مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء) ؎۱

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے۔ اُس رات میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کے پاس پہنچا، اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپنے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے خسر میر ناصر صاحب قادیانی کے خود نوشتہ حالات مندرجہ حیات ناصر ص۱۴ مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب قادیانی) ؎۲

احمدی فتویٰ (ہیضہ سے موت عبرتناک ہے۔)

"اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اُسکے الہام اور کلام سے مشرف ہوں۔ حالانکہ وہ نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہے وہ بہت بُری موت سے مرتا ہے اور اُسکا انجام نہایت ہی بد اور قابلِ عبرت ہوتا ہے۔"

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲۸ ص۵ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۰ء)

؎۱ قادیانی مذہب از پروفیسر الیاس برنی ص۱۳۲۔

؎۲ قادیانی مذہب از پروفیسر الیاس برنی ص۱۳۷۔

محمد عاشق نائب صدر مجلس احرار قصور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بے حد بد زبانی کیا کرتا تھا۔ وہ ۲۹ جولائی کو ہیضہ سے نہایت عبرتناک موت مر گیا۔ قصور کے دوسرے احرار کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲۴ نمبر ۳۰ مورخہ ۴ اگست ۱۹۳۶ء)

قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اول از کتاب ثالث

مالیخولیا خیالات و افکار کے طریق طبعی سے متغیر بخوف و فساد ہو جانے کو کہتے ہیں .... بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے اور اکثر ہونے والے امور کی پہلے ہی خبر دے دیتا ہے ...... اور بعض میں یہ فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے۔ کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔

(شرح الاسباب والعلامات امراض راس مالیخولیا۔ مصنفہ برہان الدین نفیس)

مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں۔ جس میں مریض زمانۂ صحت میں مشغول رہا ہو۔ مثلاً .... مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات و کرامات کا دعوے کر دیتا ہے۔ خدائی کی باتیں کرتا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔

(اکسیر اعظم جلد اول صہ ۱۸۸ مصنفہ حکیم محمد اعظم خان صاحب)

مراق مالیخولیا کی ایک شاخ ہے۔ (بیاض حکیم نور دین خلیفہ اول قادیانی جزو اول مطبع وزیر ہند پریس دسمبر ۱۹۲۰ء صہ ۲۱۱)

مالیخولیا بحسب محل سبب تین قسم پر ہے۔ اول دماغی جس کا محل وقوع دماغ ہے۔ اطباء اس کو شر الاصناف کہتے ہیں۔ دوم :۔ قلب اور دماغ کے سوا جس کا محل تمام بدن ہو۔ بخارات دماغ کی طرف چڑھیں۔ سوم :۔ امعاء میں ردیہ فضلات یا معدہ کے سوداوی ورم یا باب الکبد کے ورم سے یا جگر اور امعاء دونوں

ہے یا عسر دق وفاق سے یا مار سیقا کے سوداوی بلا ورم سدہ سے یا مار سیقا کے وُرم سے بخارات نکل کر غشا مراق تک پہنچیں اور مراق سے اُٹھکر دماغ کیطرف جائیں اور مالیخولیا پیدا کریں۔ اُس کو مالیخولیا مراقی کہتے ہیں۔ چوُں کہ مالیخولیا جنون کا ایک شعبہ ہے۔ اور مراق مالیخولیا کی ایک شاخ اور مالیخولیا مراقی میں بھی دماغ کو ایذا پہنچتی ہے۔ اِس لئے مراق کو سر کے امراض میں لکھا ہے۔ (بیاض حکیم نورُ الدین جُزو اوّل صہ۲۱۱)

مالیخولیا اُس مرض کو کہتے ہیں جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات و افکار متغیر بخوف و فساد ہو جاتے ہیں۔ اِس کا سبب مزاج کا سوداوی ہو جانا ہوتا ہے۔ جس سے رُوح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے۔ اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہو جاتا ہے۔ یا پھر یہ مرض حرارتِ جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔ جب اِس میں غذا کے فضلات اور آنتوں کے بخارات جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اِس کے اخلاط جل کر سودا کی صوُرت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تو اِن اعضاء سے سیاہ بخارات اُٹھ کر سَر کی طرف چڑھتے ہیں۔ اِسی کو نفخۂ مراقیہ۔ مالیخولیائے نافخ اور مالیخولیائے مراقی کہتے ہیں۔ (ترجمہ)

(قانون شیخ الرئیس حکیم بوُعلی سینا۔ فن اوّل از کتاب ثالث)

عمدہ خون پیدا کرنے والی غذائیں استعمال کرائی جائیں مثلاً مچھلی (پرندوں کا) زوُد ہضم گوشت اور کبھی کبھی سفید ہلکی شراب جو تیز اور پُرانی نہ ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور عمدہ خوشبوئیں جیسے مشک۔ عنبر۔ نافہ اور عود استعمال کرائیں نیز فم معدہ کے لئے مقوی جوارشات کا استعمال کرائیں۔

مریض مالیخولیا کو لازم ہے کہ کسی دِل خوش کُن کام میں مشغول رہے۔ اور اِس کے پاس وہ لوگ رہیں جو اِس کی تعظیم و تکریم

کرتے رہیں۔ اور اس کو خوش رکھیں۔ اور شراب تھوڑا تھوڑا پانی ملا کر اعتدال کے ساتھ پلائی جائے۔

اسی لئے حضرت مرزا صاحب شراب کا استعمال کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:-

مرزا غلام احمد کے خصوصی ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب نے اپنی ڈاکٹری کے دوران ملاقات میں یقینی طور پر اندازہ کیا کہ آپ نے شراب پی ہوئی ہے۔ اِس لئے آپ نے دو تین گھنٹے کا وقفہ لیا۔ اور پھر آپ نے جو خوشبو میں لگا کر ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کے منہ سے شراب کی بُو کو بہر حال محسوس کر لیا ہے۔

شیخ غلام محمد صاحب قادیانی کا مکتوب
رسالہ تصنیفاتِ محمدیہ جلد یازدہم ص۹ مطبوعہ لاہور

●

عدالت کے تبصرے کا اقتباس

مرزا (غلام احمد) ایک ٹونک استعمال کرتا تھا جس کا نام پلومر کی شراب لاہور سے خرید کر مجھے بھیجو۔ پھر دوسرے خطوط میں یاقوتی کا تذکرہ ہے۔

مرزا محمود نے خود اعتراف کیا ہے کہ اُس کے باپ نے پلومر کی شراب دواءً استعمال کی۔

(مسٹر جی۔ ڈی۔ کھوسلہ سیشن جج گورداسپور)
چھ جون ۱۹۳۵ء

●

حضرت مسیح الموعود علیہ السلام ولی اللہ تھے۔ اور ولی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب (مرزا غلام احمد) ولی اللہ تھے۔ انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمیں اعتراض تو موجودہ خلیفہ پر ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔ اخبار الفضل ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء

•

جیسا کہ حضرت مسیح الموعود علیہ السلام نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف آپ پر اس طرح طاری رہی کہ گویا آپ عورت ہیں اور خداوند تعالےٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔ (ٹریکٹ ۳۴ ج۔ اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد بی او ایل پلیڈر نورپور ضلع کانگڑہ) مطبوعہ ریاض پریس امرتسر

•

میاں حامد علی خادم مرزا غلام احمد کا بیان

ایک دفعہ سفر میں حضرت (غلام احمد) صاحب کو احتلام ہوا جب میں نے یہ روایت سنی۔ تو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ انبیاء کو احتلام نہیں ہوتا۔ پھر بعد فکر کرنے کے اور طبی طور پر اس مسئلہ پر غور کرنے کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ احتلام تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک فطرتی۔ دوسرا شیطانی خواہشات۔ اور خیالات کا نتیجہ اور تیسرا مرض کی وجہ سے ہے۔

قارئین کرام! آپ نے مرزا صاحب کی شخصیت اور کردار ملاحظہ فرمایا۔ جس نے تمام اہلِ اسلام کو کافر کہا اور علماء کرام کو گالیاں دیں اور جھوٹے دعوے کئے۔ کیا ایسا بدکردار انسان نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں جھوٹا نبی ضرور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خاتم الرسل جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ میرے بعد تیس جھوٹے نبی ہوں گے، تو ان تیس میں سے ایک یہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے۔ اس ظالم نے اس پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ خود کو محمد کہہ کر اور کلمہ طیبہ کو اپنی طرف منسوب کر کے کلمہ طیبہ کی سخت توہین کی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

مرزا بعینہٖ محمد رسول اللہ

چونکہ قادیانی عقیدہ کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کمالات کے ساتھ مرزا کی بروزی شکل میں قادیان میں دوبارہ مبعوث ہوئے ہیں، اس لئے مرزا قادیانی کا وجود (نعوذ باللہ) بعینہٖ محمد رسول اللہ کا وجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱۔ "اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا، اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا، یہانتک کہ میرا وجود اس کا وجود ہوگیا، پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا، درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔ اور یہی معنی آخَرِينَ مِنْهُمْ کے لفظ کے بھی ہیں۔ جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور جو شخص مجھ میں اور مصطفےٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱)

۲۔ "اور چونکہ مشابہت تامہ کی وجہ سے مسیح موعود (مرزا قادیانی) اور نبی کریم میں کوئی دوئی باقی نہیں رہی۔ حتیٰ کہ

ان دونوں کے وجود بھی ایک وجود کا ہی حکم رکھتے ہیں، جیسا کہ خود مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ صار وجودی وجودہٗ[1] (دیکھو خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱) اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضرت نبی کریم نے فرمایا کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن کیا جاوے گا، جس سے یہی مراد ہے کہ وہ میں ہی ہوں، یعنی مسیح موعودؑ نبی کریمؐ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا...... تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمد صلعم کو اتارا۔"

(کلمۃ الفصل ص۱۰۴ و ص۱۰۵ مولفہ مرزا بشیر احمد مندرجہ ریویو آف ریلیجنز قادیان، مارچ و اپریل ۱۹۱۵ء)

"صدی چودھویں کا ہوا سر مبارک — کہ جس پر وہ بدر الدجیٰ بن کے آیا
محمدؐ پئے چارہ سازیٔ امت — ہے اب احمد مجتبیٰ بن کے آیا
حقیقت کھلی بعثِ ثانی کی ہم پر — کہ جب مصطفےٰ میرزا بن کے آیا"

(اخبار الفضل قادیان۔ ۲۸ر مئی ۱۹۲۸ء)

"اے مرے پیارے مری جان رسولِ قدنی — تیرے صدقے تیرے قربان رسولِ قدنی
پہلی بعثت میں محمد ہے تو اب احمد ہے — تجھ پہ پھر اترا ہے قرآن رسولِ قدنی"

(اخبار الفضل قادیان۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۲ء)

---

[1] یہاں تک کہ میرا وجود اس (محمد رسول اللہ) کا وجود ہو گیا۔

محمد رسول اللہ کے تمام کمالات مرزا قادیانی میں:

جب یہ عقیدہ ٹھہرا کہ مرزا کا وجود بعینہٖ محمد رسول اللہ کا وجود ہے، اور یہ کہ مرزا کا روپ دھار کر خود محمد رسول اللہ ہی دوبارہ قادیاں میں آئے ہیں تو یہ عقیدہ بھی ضروری ہوا کہ محمد رسول اللہ کے تمام کمالات و امتیازات بھی مرزا کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا؟"

(ایک غلطی کا ازالہ۔ ص ۱۰)

"خدا تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں کوئی دوئی یا مغایرت نہیں رکھتے، بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں گویا لفظوں میں باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں" (اخبار الفضل قادیان جلد ۳، شمارہ ۳۷ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۳۰۷ ایڈیشن نہم۔ لاہور)

"گذشتہ مضمون مندرجہ الفضل مورخہ ۱۶ ستمبر میں مَیں نے بفضلِ الٰہی اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) باعتبار نام، کام، آمد، مقام،

مرتبہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود ہیں، یا یوں کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ (دنیا کے) پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے تھے، ایسا ہی اس وقت جمیع کمالات کے ساتھ مسیح موعود کی بروزی صورت میں مبعوث ہوئے ہیں۔" (الفضل مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۲۰۹ ایڈیشن نہم، لاہور)

مرزا خاتم النبیین

جب قادیانی عقیدہ کے مطابق محمد رسول اللہ کی قادیانی بعثت، جو مرزا قادیانی کی بروزی شکل میں ہوئی، بعینہٖ محمد رسول اللہ کی بعثت ہے تو مرزا قادیانی بروزی طور پر خاتم النبیین بھی ہوا۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ "میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں، اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے، اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۰)

۲۔ "مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا، میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں، اور میں اُسکے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔"

(کشتی نوح ص ۵۶ طبع اول قادیان ۱۹۰۲ء)

فخر اولین و آخرین

روزنامہ الفضل قادیان مسلمانوں کو للکارتے ہوئے کہتا ہے:

۱ اے مسلمان کہلانے والو! اگر تم واقعی اسلام کا بول بالا چاہتے ہو اور باقی دنیا کو اپنی طرف بلاتے ہو تو پہلے خود سچے اسلام کی طرف آجاؤ (یعنی مسلمانوں کا اسلام جھوٹا ہے۔ نعوذ باللہ ناقل) جو مسیح موعود (مرزا قادیانی) میں ہو کر ملتا ہے، اسی کے طفیل آج بر و تقویٰ کی راہیں کھلتی ہیں، اسی کی پیروی سے انسان فلاح و نجات کی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے، جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا۔"

(الفضل قادیان۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۷ء بحوالہ قادیانی مذہب ص۲۱۱ و ص۲۱۲ طبع نہم۔ لاہور)

پہلے محمد رسول اللہ سے بڑھ کر

اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ قادیانی عقیدہ میں محمد رسول اللہ کا قادیانی ظہور (جو مرزا قادیانی کے روپ میں ہوا ہے) مکی ظہور سے اعلیٰ و افضل ہے، ملاحظہ ہو:

"اور جس نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی علیہ السلام کی بعثت چھٹے ہزار سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ پانچویں ہزار سے تعلق رکھتی تھی، پس اس نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا، بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ

چودھویں رات کی طرح ہے۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۱)

خطبہ الہامیہ

"اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خطبہ الہامیہ وہ خطبہ ہے جو خدا کی طرف سے ایک معجزہ کے رنگ پر مسیح موعود کو عطا ہوا جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے پس اس کتاب کو علم کتابوں کی طرح نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ اس کا ہر ایک فقرہ الہامی شان رکھتا ہے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۷۱ پر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :- "جو شخص مجھ میں اور مصطفےٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔"

"امام اپنا عزیزو اس جہاں میں — غلام احمد ہوا دار الاماں میں
غلام احمد ہے عرش رب اکبر — مکاں اس کا ہے گویا لامکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق — شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں — اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل — غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار بدر قادیاں ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

ہلال اور بدر کی نسبت

اور قادیانی ظہور کی افضلیت کو اس عنوان سے بھی بیان کیا گیا کہ مکی بعثت کے زمانہ میں اسلام ہلال کی مانند تھا، جس میں کوئی روشنی نہیں ہوتی۔ اور قادیانی بعثت کے زمانے میں اسلام بدر کامل کی طرح روشن اور منور ہو گیا۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

"اور اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا، اور مقدر تھا کہ انجام کار آخری زمانہ میں بدر (چودھویں کا چاند) ہو جائے، خدا تعالیٰ کے حکم سے ——— پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اُس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے جو شمار کے رُو سے بدر کی طرح مشابہ ہو (یعنی چودھویں صدی)"

(خطبۂ الہامیہ ص۱۸۴)

"آنحضرت کے بعثت اول میں آپ کے منکروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا۔ لیکن ان کی بعثت ثانی میں آپ کے منکروں کو داخل اسلام سمجھنا یہ آنحضرت کی ہتک اور آیت اللہ سے استہزاء ہے۔ حالانکہ خطبہ الہامیہ میں حضرت مسیح موعود نے آنحضرت کی بعث اول و ثانی کی باہمی نسبت کو ہلال اور بدر کی نسبت سے تعبیر فرمایا ہے"

(اخبار الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء بحوالہ قادیانی مذہب ص۲۶۲)

بڑی فتح مبین

اور اظہار افضلیت کے لئے ایک عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ مرزا قادیانی کے زمانہ کی فتح مبین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین سے بڑھ کر ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

"اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانے میں گذر گیا اور دوسری فتح باقی رہی جو کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور مقدر تھا کہ اس کا وقت مسیح

موعود (مرزا قادیانی) کا وقت ہو۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳-۱۹۴)

روحانی کمالات کی ابتدا اور انتہا

یہ بھی کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی بعثت کا زمانہ روحانی ترقیات کا پہلا قدم تھا اور قادیانی ظہور کا زمانہ روحانی ترقیات کی آخری معراج ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:-

"ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں (یعنی مکی بعثت میں) اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا۔ اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا انتہا نہ تھا، بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح سے تجلی فرمائی۔" (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷)

ذہنی ارتقا

یہ بھی کہا گیا کہ مرزا قادیانی کا ذہنی ارتقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:-

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا ذہنی ارتقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا .... اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو آنحضرت صلعم پر حاصل ہے، نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا ورنہ قابلیت تھی، اب تمدن

کی ترقی سے حضرت مسیح موعود کے ذریعہ ان کا پورا ظہور ہوا۔"

(ریویو، مئی ۱۹۲۹ء، بحوالہ قادیانی مذہب ص۲۶۶ اشاعت نہم مطبوعہ لاہور)

محمد عربی کا کلمہ پڑھنے والے کافر:

جب قادیانی عقیدہ یہ ٹھہرا کہ مرزا قادیانی اپنی شان میں (نعوذ باللہ) محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے تو یہ بھی ضروری ہوا محمد عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان نہ ہوں۔ گویا مرزا قادیانی کے بغیر یہ کلمہ طیبہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" باطل ٹھہرے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱ "اب معاملہ صاف ہے اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم کا منکر بھی کافر نہیں کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح موعود آپ کی روحانیت اقوی اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۴۶ - ۱۴۷ مندرجہ ریویو آف ریلیجنز - مارچ واپریل ۱۹۱۵ء)

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا، اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ

پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

(کلمۃ الفصل صنہ۱۱۰، مرزا البشیر احمد ایم۔اے)

"تحریک احمدیت اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ تھا۔"

(محمد علی لاہوری قادیانی۔ منقول از مباحثہ راولپنڈی صنہ۲۴۰)

"کُل مسلمان، حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔"

(آئینہ صداقت صنہ۳۵ از مرزا محمود احمد قادیانی)

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے ایک نبی کے منکر ہیں، یہ دین کا معاملہ ہے، اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔"

(انوار خلافت صنہ۹۰ از مرزا محمود احمد قادیانی)

قادیانی کلمہ

اور یہ بھی ضروری ہوا کہ قادیانی کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے مفہوم میں مرزا قادیانی کو داخل کیا جائے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"ہاں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے آنے سے (کلمہ کے مفہوم میں) ایک فرق ضرور پیدا ہو گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بعثت

سے پہلے تو " محمد رسول اللہ " کے مفہوم میں صرف آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء شامل تھے، مگر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بعثت کے بعد " محمد رسول اللہ " کے مفہوم میں ایک اور رسول کی زیادتی ہو گئی، لہذا مسیح موعود کے آنے سے نعوذ باللہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کا کلمہ باطل نہیں ہوتا بلکہ اور بھی زیادہ شان سے چمکنے لگ جاتا ہے (کیونکہ زیادہ شان والا نبی مرزا قادیانی اس کے مفہوم میں داخل ہو گیا —— ہاں مرزا کے بغیر یہ کلمہ مہمل، بے کار اور باطل رہا اسی وجہ سے مرزا کے بغیر اس کلمہ کو پڑھنے والے کافر، بلکہ پکے کافر ٹھہرے —— ناقل) غرض اب بھی اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہی کلمہ ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی آمد نے " محمد رسول اللہ " کے مفہوم میں ایک رسول کی زیادتی کر دی ہے ۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۵۸، مؤلفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

الغرض قادیانی مذہب میں کلمہ کے الفاظ تو وہی باقی رکھے گئے ہیں جو الفاظ مسلمانوں کے کلمہ کے ہیں مگر قادیانی عقیدے نے کلمہ کا مفہوم تبدیل کر لیا ۔ مسلمانوں کے کلمہ میں " محمد رسول اللہ " سے مراد محمد عربی ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور قادیانی کلمہ میں محمد رسول اللہ سے مراد بعثت ثانیہ کا بروزی مظہر مرزا قادیانی ہے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

۲ ۔ " علاوہ اس کے اگر ہم بفرض محال یہ بات مان بھی لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریم کا اسم مبارک اس لئے

واقع نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیساکہ وہ خود فرماتا ہے: "صار وجودی وجودہٗ"۔[ؔ] نیز "من فرق بینی وبین المصطفٰی فما عرفنی و ما رأی"[ؔ] اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا۔ جیساکہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے، جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی ـــــ فتدبروا۔" (کلمۃ الفصل ص ۱۵۸)

نبوت محمدیہ منسوخ

مندرجہ بالا حوالوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ قادیانی، مرزا غلام احمد کو صرف نبی اور رسول ہی نہیں سمجھتے، بلکہ وہ مرزا قادیانی کو "محمد رسول اللہ" کا ظہور اکمل سمجھ کر اس کا کلمہ پڑھتے ہیں، اور چونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے ان کے نزدیک کافر ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہے۔

ؔ "میرا وجود بعینہ محمد رسول اللہ کا وجود ہے۔" (ترجمہ از ناقل)

ؔ "جس نے میرے درمیان اور مصطفٰے کے درمیان تفریق کی اس نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ دیکھا۔" (ترجمہ از ناقل)

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو قادیانیوں کے نزدیک ——— بہائیوں کی طرح ——— محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا دور بھی ختم ہو چکا ہے اور اب وہ عملاً منسوخ ہو چکی ہے ——— کیونکہ قادیانی عقیدے کے مطابق اب صرف مرزا قادیانی کی پیروی ہی مدارِ نجات ہے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"ان کو کہہ ! کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے۔" مرزا قادیانی کا الہام مندرجہ حقیقۃ الوحی ص ۸۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء، نیز دیکھئے تذکرہ طبع دوم صفحات: ۴۶ - ۶۲ - ۸۱ - ۱۸۲ - ۲۰۵ - ۲۷۷ - ۳۶۰ - ۳۶۳ - ۳۷۸ - ۳۹۵ - ۴۹۵ - ۶۳۰ - ۶۳۴)

"خدا نے براہین احمدیہ میں میرا نام ابراہیم رکھا جیسا کہ فرمایا:

سلام علی ابراهیم صافیناه ونجیناه من الغم واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّٰی .... یعنی سلام ہے ابراہیم پر (یعنی اس عاجز پر) ہم نے اس سے خالص دوستی کی اور ہر ایک غم سے اس کو نجات دے دی اور تم جو پیروی کرتے ہو تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں کی جگہ بناؤ یعنی کامل پیروی کرو تا نجات پاؤ۔" (اربعین نمبر۳ ص ۳۷)

"اور یہ جو فرمایا کہ واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّٰی یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور اس مقام میں اس کے یہ معنی ہیں کہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجا لاؤ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔" (اربعین نمبر۳ ص ۳۸)

"ایسا ہی یہ آیت: واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی

اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امّت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہو گا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اُس ابراہیم کا پیرو ہو گا۔" (اربعین ۳ ص ۳۲ مطبوعہ قادیان)

"چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے اوپر ہوتی ہے فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا .... اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدار نجات ٹھہرایا، جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ اور جس کے کان ہوں سنے۔" (اربعین ۴ ص ۷، حاشیہ)

جب مرزا قادیانی کی نبوت، تعلیم، وحی، اور تجدید شدہ شریعت کی پیروی تمام انسانوں کے لئے مدار نجات ٹھہری تو اس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ اب صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و تعلیم اور آپ کی وحی مدارِ نجات نہیں۔ گویا مرزا صاحب کے آنے سے یہ سب کچھ بے کار، معطل اور منسوخ ہو گیا۔

مُردہ اسلام

یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کے بغیر دین اسلام مُردہ ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

"غالباً ۱۹۰۶ء میں خواجہ کمال الدین صاحب کی تحریک سے اخبار وطن کے ایڈیٹر کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب نے ایک سمجھوتا کیا کہ ریویو آف ریلیجنز میں سلسلہ کے متعلق کوئی مضمون

نہ ہو، صرف عام اسلامی مضامین ہوں۔ اور وطن کے ایڈیٹر رسالہ ریویو کی امداد کا پراپیگنڈا اپنے اخبار میں کریں گے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا اور جماعت میں بھی عام طور پر اس کی بہت مخالفت کی گئی۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ کیا مجھے چھوڑ کر تم مُردہ اِسلام دنیا کے سامنے پیش کرو گے؟"

(ذکر حبیب۔ مؤلفہ مفتی محمد صادق قادیانی ص ۱۴۶۔ طبع اول قادیان)

"ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو (جیساکہ دین اسلام۔ ناقل)، وہ مُردہ ہے، یہودیوں، عیسائیوں ہندؤں کے دین کو جو ہم مردہ کہتے ہیں تو اسی لئے کہ ان میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی قصہ گو ٹھہرے۔ کس لئے اس کو دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں، آخر کوئی امتیاز بھی ہونا چاہیے"

(ملفوظات مرزا جلد ۱۰ ص ۱۲۷ مطبوعہ ربوہ)

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) کی زندگی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تجویز پر ۱۹۰۵ء میں ایڈیٹر اخبار وطن نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس سے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام نہ ہو مگر حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے اس تجویز کو اس بنا پر رد کر دیا کہ مجھ کو چھوڑ کر کیا مُردہ اسلام پیش کرو گے؟ اس پر ایڈیٹر صاحب وطن نے اس چندے کے بند کرنے کا اعلان کر دیا"

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲۶ شمارہ ۳۲، ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء۔ بحوالہ قادیانی مذہب ص ۴۵۸)

لعنتی، شیطانی اور قابلِ نفرت

قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کی نبوّت کے بغیر دین اسلام محض قصّوں کہانیوں کا مجموعہ، لعنتی، شیطانی اور قابلِ نفرت ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"وہ دین دین نہیں اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ (یعنی نبوّت۔ ناقل) سے مشرف ہو سکے، وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف چند منقولی باتوں پر (یعنی شریعتِ محمدیہ پر جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ ناقل) انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے..... سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۳۸ و ۱۳۹)

"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں صرف قصّوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا...... میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا (دریں چہ شک؟ ناقل) میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۳)

یہ ہے قادیانی مذہب کی حقیقت، کہ اگر مرزا قادیانی کو نبی مانو تو ٹھیک، ورنہ مذہب اسلام کو مُردہ، لعنتی، شیطانی اور قابلِ نفرت کی گالی دی جائے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سے بھی انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو عقل و ایمان سے محروم نہ فرمائیں۔

قادیانی گستاخیاں

(۱) "سوال ہے کہ ایسے موقعہ پر مسلمان معراج پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ معراج جس وجود سے ہوا تھا وہ یہ ہگنے موتنے والا وجود تو نہ تھا"

(ملفوظات احمدیہ جلد نہم ص ۴۵۹)

(۲) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب .... عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اس میں پڑتی ہے" (مرزا قادیانی کا مکتوب الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء)

(۳) ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم، مگر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا" (کلمۃ الفصل ۱۱۳)

(۴) "یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے" (نعوذ باللہ) (اخبار الفضل ۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

(۵) "مسیح (علیہ السلام) کا چال چلن کیا تھا ایک کھاؤ پیئو، نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بیں، خدائی کا دعویٰ کرنے والا" (مکتوبات احمدیہ ج ۳ ص ۲۱ تا ۲۴)

(٦) "ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لیے افیون مفید ہوتی ہے پس علاج کے لیے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے میں نے جواب دیا کہ یہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی لیکن اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کروں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا دوسرا افیونی"۔ (نسیم دعوت ص ٦٩)

(٧) "پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو اب نئی خلافت لو ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس (مرزا قادیانی) کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو"۔ (ملفوظات احمدیہ جلد دوم ص ۱۴۲ طبع ربوہ)

(٨) "حضرت فاطمہ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں"۔ (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ۹)

(٩) "قادیاں کو تمام دنیا کی بستیوں کی ام (ماں) قرار دیا ہے .... جو بار بار یہاں (قادیاں) نہیں آتے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں! (حقیقۃ الرؤیا ص ۴۶)

قارئین کرام! آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کذاب، دجال یعنی جھوٹے نبی کی شخصیت اور اس کے کفریات ملاحظہ فرمائے۔ اسی لئے حکومتِ پاکستان نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کو کافر قرار دیا ہے۔ وہ قادیانی گروہ سے متعلق ہوں یا لاہوری گروہ سے۔

اب محمد بن عبد الوہاب نجدی کا کردار ملاحظہ ہو جو نئے دین کا مدعی تھا اور جس کی تحریک سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

حصّہ چہارم

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی شخصیّت اور کردار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے دو میرزا سے تسا دیانی ۔ پیر تاب سے اپنی زبانی ۔ چھپا پھرتا ہے کیوں تقریر سے تو ۔ کہاں ہیں ہو گئے اس ترانی
فرار میدان میں آکر دو بدو ہو ۔ ہوں کیا رہ تیری جادو بیانی ۔ زبان میں کیا ہے خرق عادت ۔ تم ہی ہے نشانی آسمانی
بنایا ایزدیوں ہو دو کہ چہ ۔ کل دیکھیں سب تیری تعلّی دانی ۔ بولتا سب تو اک دن فیصلہ کر ۔ نہیں خوب تھے من کی [illegible]

اشتہار

مرزا کی فرار

آج میاں عبد الرحمن [illegible] کا اشتہار المسمی بہ [illegible] ہماری نظر سے گذرا ۔ جس میں اس نے مشتہر کیا ہے کہ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب
[illegible] مرزائی تقابلہ [illegible] سبحان اللہ [illegible] ۔ او ہو پیر صاحب موصوف
قبول موت کا اشتہار دیکر مرزائی الہامی طاقت کا امتحان کرنے کے لئے تاریخ مقررہ پر لاہور تشریف لیجاکر تیار ہیں کہ [illegible]
طرف مرزا اور اس کی بزدل جماعت [illegible] اور لا طائل [illegible] تلاش کر کے سرخرو بننا چاہتی ہے ۔

حضرات ۔ ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ مرزا اور مرزائی جماعت کبھی میدان میں نہیں آویں گے اور وہ صرف اشتہاری [illegible]
سے پبلک کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہیں ۔ وہ نہیں خوب معلوم ہے کہ علمائے عظام و صوفیائے کرام کے مقابلہ میں انکی دعاوی بیہودہ کی کوئی
وقعت نہیں ہے ۔ مگر چونکہ ان کو خیال ہے کہ ایسے ایسے مقدس لوگ بالخصوص حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب (جو عالم بھی ہیں اور
صوفی بھی اور جن کے مذہب میں ایسے مباحثے تضیع اوقات کا نام ہے) اس مجلس میں آنا پسند نہیں کرینگے اس لئے مسبب عادت [illegible]
اشتہار دے بیٹھے کہ مفت میں جاری شہرت ہو جاوے گی ۔ اور غضب ہے کہ اس سے چند نادان مسلمان بھی ہمارے چکر میں آجاوینگے اور [illegible]
نقل سے رونق بازار ہو کر خاطر خواہ چندہ بھی فراہم ہو جاوے گا ۔ اور فریق مخالف پر بھی حجت ہو جاوے گی ۔ کہ وہ [illegible] تو کیوں مقابلہ کے لئے میدان
میں نہ آتے ۔ مگر یہاں خلاف توقع حضرت پیر صاحب بفضل خدا مستعد مباحثہ ہو بیٹھے اور اب مرزائی جماعت اس مثل کے مصداق ہو رہی ہے
[illegible] کمبل کو چھوڑتا ہوں مگر کمبل مجھکو نہیں چھوڑتی ۔ اور اسلئے مرزا اور اسکی جماعت کو [illegible] اشتہار [illegible]
[illegible] ۔ اگست سنہ کی ضرورت پیش آئی ۔ اب آپ ہزار کریں [illegible] جنہوں اہل اسلام کی [illegible] علمائے اسلام کے
ترجمہ بے پناہ ہیں ۔

اے شرم و حیا کے پتلو تم نے کس منہ سے حضرت پیر صاحب کے اشتہار قبول موت کو فرار و انکار کے نام سے نامزد کیا ہے ۔ کیا انہوں نے تمہاری [illegible]
[illegible] ۔ انہوں نے تو تمہاری [illegible] ہمارے تمہارے دعاوی کی [illegible] یہی تجویز فرمایا کہ پہلے مباحثہ تقریری
ہو جاوے کیونکہ تمہارا فرض ہے کہ [illegible] جبکہ تم دعویٰ پر جلسہ علماء و صوفیا میں حاضر ہو کر صحیح ثابت کرو ۔ نہ کہ گھر میں بیٹھ کر کتابیں لکھ مانا
اور اپنے آپکو مسیح و مہدی قرار دیدیا ۔ مرزا میاں شرم نہیں آتی ۔ مرزا جی اس مباحثہ تحریری سے ایسے گھبرانے کہ ہوش رفو ہو گئے ۔ اور مرزائی
طاقت کا بیت خلل ہو گیا ۔ کہ جواب ہی بجز نہ بنا ۔

قبل کے زمانہ میں انگریزی سلطنت کی [illegible] کی ارزانی ہے جو شخص کو چاہے چھاپ کر [illegible] تک بازاروں میں خوب
آیں بٹ جاتی ہیں اور طرفہ [illegible] ۔ ہم تو اس [illegible] کے جواب میں کچھ نہیں کہنا چاہتے صرف پبلک کی توجہ مرزا کی
اشتہار موت [illegible] پیر صاحب کے اشتہار قبول موت کی طرف [illegible] ۔ کیا پیر صاحب کا اشتہار موت قبول کرنا [illegible]

حضرات ۔ کیا خرق عادت [illegible] کا انحصار صرف بحث تحریری ہی میں منحصر ہے اور اسکو بحث تقریری میں کچھ دخل نہیں ہے
کیا تمہاری الہامی و آسمانی طاقت مباحثہ تقریری کے وقت تمہیر جواب دے جاتی ہے شاید مادہ یا اس منطق کا ہی مقتضٰی ہو ۔

علاوہ انصاف سے دیکھا جاوے تو تقریری بحث میں خرق عادت کو زیادہ دخل ہے ۔ مرزا کو خود اقبال ہے کہ وہ علم ادب نہیں جانتا اور [illegible]
[illegible] سے نہ کر سیدان میں نہیں آیا ۔ اب اگر انکو کوئی خرق عادت کا دعویٰ ہے تو دعا کریں کہ انہیں خلافت لسانی و فصاحت و بلاغت الٰہی مل
ہو جاوے اور اس طور پر تم جاری جلسہ میں ہم [illegible] ایسی تقریر فصیح و بلیغ کرنی تو دعویٰ کی تقویت ہو جاویگی ۔ ایک تو علمی طور پر کسی نتیجہ ہو گی ۔ دوسرے
ایک کسی [illegible] آسمانی نشان ظاہر ہو جاویگا ۔ تثلیث مسیح کے علاوہ تثلیث موسی بھی حاصل ہو جاویگی ۔

اگر مرزا کو اس امر کا خوف ہے کہ تقریری مباحثہ میں ایک شخص اتفاقاً اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہو سکتا ہے تو کیا سب جماعت علمائے صوفیا خلاف
[illegible] پر [illegible] ہو جاویگی ۔ اور حق کے اظہار میں [illegible] کر گئی ۔ اگر اسپر بھی تمہیں اعتبار و تسلی نہیں امتحان اور بھی باقی ہے تو یہی نہ سہی تو یہ قید
ہو جاوے کہ دو محرر جلسہ میں بیٹھکر ہر ایک مباحث کی تقریر ضبط تحریر میں لاتے جاویں ۔ باوجود کیہ یہ امر نہایت ضروری و [illegible] [illegible]
تحریری بیانات کو جو آپ کی تصانیف میں ہو چکے ہیں جلسہ علماء میں تقریراً ثابت کرتے ۔ کیا اس سے انکار صریحاً گریز و زیبا نہیں ۔ [illegible]

اگر تمہاری علمی و عملی کمزوریاں تمہیں اپنی ہی ہوئی شرطوں کے احاطہ سے باہر نہ نکلنے دیتی ہوں ۔ تمہیں ضد ہے کہ بحث ہماری ہی شرائط
منظور کرو تو ہم بحث کرینگے ۔ تو خیر یہی سہی ۔ ہم اتمام حجت کے لئے تمہیں اور بھی ڈھیل دیتے ہیں کہ پیر صاحب تمہاری سب شرائط [illegible]
تمنے پیش کی ہیں منظور کرکے تمہیں چیلنج کرتے ہیں کہ تم مقررہ تاریخ یعنی ۲۵ ۔ اگست ۱۹۰۰ء کو جلسہ و میلہ لاہور میں آجاؤ ۔ وہ بھی تشریف
لیجائینگے ۔ اگر اب بھی تم ۲۵ ۔ اگست ۱۹۰۰ء کو میدان میں نہ آئے اور گریز و فرار اختیار کی اور ضرور ہم کو تم ایسا ہی کرو گے ۔ تو [illegible]

المشتہر حکیم سلطان محمود مقام راولپنڈی مورخہ ۲۰ ۔ اگست ۱۹۰۰ء

مطبعہ [illegible] پریس راولپنڈی

حصّہ چہارم

محمد بن عبد الوہاب نجدی

(از جناب مولانا مولوی محمد غازی صاحب اُستاد حضرت قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ)

مولوی محمد حیدر اللہ خاں صاحب درانی المجددی النقشبندی اپنی کتاب درۃ الدرانی میں لکھتے ہیں۔ مورخ ملطبرون جغرافیہ عمومیہ مطبوعہ کی تیسری جلد معربہ رفاعہ بیگ ناظر مدرسۃ الالسن میں لکھتا ہے۔ کہ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق تمام عرب میں اور علی الخصوص یمن میں یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص غریب الحال سلیمان نامی جو چرواہا تھا۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ آگ کا ایک شعلہ اُس کے بدن سے جدا ہو کر زمین میں پھیل گیا ہے۔ اور جو اس کے سامنے آتا ہے اس کو جلا دیتا ہے۔ یہ خواب اس نے معتبرین کے سامنے بیان کیا جو ایسے خوابوں کی تعبیر جانتے تھے۔ انہوں نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ اُس کا ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا جو بڑی طاقت اور دولت پائے گا۔ آخر کار اُس خواب کا تحقق سلیمان مذکور کے بیٹے محمد بن عبد الوہاب کے وجود سے ہو گیا۔ جو ۱۱۱۱ھ میں متولد ہوا اور بعد از ہزار خرابی ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گیا۔ یعنی اس نے چھیانوے ۹۶ سال کی عمر پائی۔ اور ابتداً اُس نے شیخ محمد سلیمان کُردی شافعی اور شیخ محمد حیات سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہما سے علم حاصل کیا۔ لیکن بو ہر دو بزرگ اپنے نورِ فراست سے کہا کرتے تھے کہ یہ (محمد بن عبد الوہاب) ملحد ہو گا۔ اور بظاہر اس کا شغل بھی اسی قسم کا تھا کہ اکثر مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور طلیحہ اسدی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کیا کرتا جنہوں نے اُس کے قبل نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور خدا کی قدرت ہے کہ اس کو پورے طور سے کسی علم و فن میں دستگاہ ہی نہ ہوئی۔

پھر اُس نے چند اصولی عقائد مرتب کئے کہ فقط قرآن کریم کی اتباع واجب ہے نہ اُن فروعات کی جو اُس سے مستنبط ہیں اور محمد اگرچہ اللہ کا رسول اور دوست ہے۔ لیکن اُن کی مدح اور تعظیم کرنا لائق نہیں کیونکہ مدح و تعظیم صرف خدائے کریم کے لئے شایان ہے۔ لہٰذا کسی غیر کی مدح اور تعظیم قبیل شرک سے ہے اور چونکہ لوگوں کو ایسا شرک کرنا اللہ تعالےٰ کو پسند نہ آیا۔ لہٰذا اُس نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ کہ

میں اُن کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔ پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وہ دوستوں میں سے ہے اور جو کوئی میرا حکم نہ مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہے اور اس کا قتل بلا شبہ واجب ہے۔ یہی اس کا دعویٰ نبوت ہوا۔

پھر مؤرخ مطبرون لکھتا ہے کہ یہ عقیدہ محمد بن عبد الوہاب نے پہلے پوشیدہ ظاہر کیا اور چند لوگ اس کے مقرر ہو گئے اور پھر ملک شام کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہاں اس کی کچھ بن نہ آئی۔ اور آخر کار تین برس کے بعد بلاد عرب کی طرف واپس آیا۔ اور مدینہ منورہ میں سنہ ۱۱۴۳ھ میں گیا۔ لیکن وہاں کے علماء نے اس کی اس وقت خوب خبر لی۔ بالآخر سنہ ۱۱۵۰ھ میں نجد کے اطراف بدوی لوگوں میں اس کا افسون اثر کر گیا۔ اور اسی اثناء میں ایک شخص ابن سعود مسمّٰی باسم محمد جو قبیلہ نجد کا ایک مشہور پیرزادہ تھا اور جس کے عرب کے کئی قبائل اس کے خاندانی مرید اور مطیع تھے اس نے اپنی مخفی آرزو کے واسطے کہ اس کی حکومت عالانہ بصورت ریاست کسی طرح سے بڑھے اور اس مشہور خواب کے لحاظ سے کہ جناب محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان کا جادو چل جائے گا اور اس کے مذہب کی تائید سے اس کا دلی ارادہ پورا ہو نکلے گا۔ اس نے محمد بن عبد الوہاب کا مذہب قبول کر لیا اور اس کے صلاح سے مرید آبائی بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ اور اس نے مذہب وہابیہ کی اس قدر تقویت دی کہ اطراف و اکناف کے اعراب اور بدوی سب کے سب اس کے مطیع ہو گئے حتےٰ کہ ایک ریاست کی صورت نمایاں ہو گئی۔ اور محمد بن عبد الوہاب ان کا امام مقرر پایا۔ اور ابن سعود اس کے لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ اور مدینہ درعیہ انہوں نے اپنا دار السلطنت معین کیا اور رفتہ رفتہ ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج باقاعدہ مرتب کر کے اپنے ملک کی توسیع میں مساعی ہوا۔ مگر حیات نے وفا نہ کی اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوا تھے کہ ابن سعود کا بیٹا عبد العزیز اس کا جانشین ہوا جو شجاعت اور ہمت میں اپنے باپ سے بڑھ کر نکلا اور محمد بن عبد الوہاب کے اعتقاد اور قواعد کے مطابق دعوتِ دین وہابیہ بزورِ شمشیر شروع کر دی۔ پس جبکہ عرب کے کسی قبیلہ کو اپنا مطیع بنانا چاہتا تو اوّلاً کسی ایک کو اس کی تفہیم کے لئے بھیجتا تاکہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق تفسیر و تاویل قرآن کو مانے۔ پس اگر وہ اس کا اعتقاد قبول کر لیتا تو اس کو امن دے دیتا ورنہ اس کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر کے تمام اموال و مویشی غارت کر لیتا۔ لیکن بچوں اور عورتوں کا تعرض نہیں کرتا تھا۔ اور مطیع قبیلوں سے ہر قسم کے اموال اور نقود میں سے عُشر لیتا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہابیہ کی طاقت بحر احمر اور فارس اور حلب اور دمشق اور بغداد کے اطراف و اکناف تک پھیل گئی۔ حتےٰ کہ عبد العزیز ابن سعود کے مرنے کے بعد بتاریخ ۸، محرم سنہ ۱۲۱۸ھ مسعود بن عبد العزیز ایک لشکر کثیر کے ساتھ کعبۃ اللہ پر حملہ آور ہوا اور خاص خانہ کعبہ میں خونریزی کی۔ جس کی شان بقول قرآن ہے کہ من دخلہ فکان امنا لیکن اس نے امن کو غیر امن بنا دیا۔ اور حدود حرم جس میں جنگلی جیرپا بھی قدرتی ادب کے لحاظ سے ہرن کا تعاقب

اسی طرح حضرت علامہ محمد غازی صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ میں شائع کیا ہے۔

بستبرد داخل ہونے کے چھوڑ دیتا ہے۔ اِس وہابی بھیڑیئے کے پنجہ سے حرم دہل گیا۔ اور چاروں مصلے جلا دیئے گئے اور قبے گرا دیئے گئے اور اُن میں بول و براز کر کے تحقیر کی گئی اور اسی محرم کے پہلے ہفتہ میں اُس نے ایک رسالہ ابن عبدالوہاب کا اہل مکہ کی طرف بطور حجت و دعوت بھیجا جس کی اصل عبارت کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس کے دیکھنے سے مشتے نمونہ خروار باعث ہو۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ترجمہ عربی: "یعنی جو کوئی یہ اعتقاد کرے کہ نبی کا نام لینے سے نبی اُس پر مطلع ہو جاتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یہ اعتقاد کسی نبی کے ساتھ ہو یا ولی یا فرشتہ یا جن بھوت یا صنم یا بُت کے ساتھ ہو۔ پھر خواہ یہ اعتقاد کرے کہ اس کا علم اس نبی وغیرہ کو بذاتہٖ حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالےٰ کے اعلام الغرض جس طریق سے یہ اعتقاد ہو اُس سے مُشرک ہو جاتا ہے اور جو کوئی نبی وغیرہ کو اپنا ولی اور شفیع ہونا اعتقاد کرتا ہے۔ تو وہ اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہیں پہلے بُت لات اور سواع اور عُزیٰ تھے۔ لیکن پچھلے بُت (نعوذ باللہ نقلِ کفر کفر نباشد) محمد اور علی اور عبدالقادر ہیں۔ جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا اللہ نہیں کہتا۔ یا محمد کہتا ہے اور اگرچہ اس کو ایک بندۂ عاجز سب باتوں میں اعتقاد کرتا ہے۔ تو بھی مشرک ہو جاتا ہے اور تجھے اس باب میں ہمارا شیخ تقی الدین ابن تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد کی قبر مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف یا کسی دوسرے نبی یا ولی یا دوسرے فرشتوں کی طرف سفر کر کے جانا شرک اکبر ہے:"

پس مکہ کو غارت کر کے اُس نے ۱۲۲۰ھ میں مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی اور ایسا تاراج کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرۂ مبارک کو توڑ کر خزائن بے شمار لے گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر لاد کر لے گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود بن عبدالعزیز نے جبکہ وہ محمد علی پاشا خدیو مصر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا تو اس کے پاس سے ایک صندوق لایا جس میں سے تین سو موتی بڑے بڑے اور کلاں اور کچھ دانے زمرد کلاں کے نکلے اور اقرار کیا کہ یہ صندوق بھی حجرۂ نبویہ میں سے اس کے والد مسعود نے نکالا تھا۔ پس مسعود نے فقط اس غارت پر اکتفا نہ کی بلکہ (مکہ میں) قبہ مولد نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا ابوبکر صدیق اور علی ابن ابی طالب اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہم کے قبے سبھی گرا دیئے۔ اس خیال سے کہ یہ بھی اصنام (بُت) ہیں اور (مدینہ منورہ میں) روضہ رسول کریم کے گنبد پر چڑھ کر جب گرانے لگا تو

عجب قدرت حق ظاہر ہوئی کہ سارے وہابی سرنگوں گر گر مرے اور اسی اثنار میں ایک آگ کا ایسا شعلہ نکلا۔ جس نے بہتوں کو جلایا اور اسی طرح ایک اژدھا حضرت موسےٰ کے اژدہا کی طرح نکلا۔ جس نے قوم فرعون کی طرح افواج وہابیہ کا تعاقب کیا۔ (اس ظالم نے جنت البقیع میں تمام صحابہ کبار و آلِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات بھی گرا کر زمین بوس کر دیئے

یہ تو تھا محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکار آلِ سعود کا کارنامہ، جس نے دینِ جدید کی بنیاد ڈالی اور تمام اُمتِ مرحومہ کو مشرک، کافر قرار دیا۔ اور یہی کچھ مرزا قادیانی نے کیا تھا۔ لہٰذا مرزائے قادیانی کے سلسلۂ ابحاث میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ذکر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ یہ خارجی بھی دینِ جدید کا مدعی تھا۔ اسی لئے علمار کرام نے اسے تیس دجال کذاب نبیوں میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ آفندیؒ کا فرمان:" یہ قرانِ پاک کی تاویلیں بے محل کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات برائے خوارج محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ماننے والوں پر صادق آتے تھے۔ اس کے اقوال و افعال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نئے دین کا مدعی تھا۔ بہت سے علمار، صلحاء اور عوام المسلمین کو اس بنا پر قتل کر دیا کہ انہوں نے اس کی بدعت میں موافقت نہ کی۔" (وہابی مذہب ص۱۴۲)

اور اسی طرح علامہ احمد بن زینی دحلان مکی فرماتے ہیں، "محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ نبوت کا دعوےٰ کرتا مگر صراحتہً اس کے اظہار پر قادر نہ ہوا"۔ (وہابی مذہب ص۱۴۹) نیز فرمایا کہ "محمد بن عبدالوہاب نجدی ان ہی نبی کی طرح تھا" (وہابی مذہب ص۱۱۶، ۲۶۸) اور فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص طوعاً و کرہاً ان کے دین کا اتباع کرنا چاہتا تو اوّل کلمہ پڑھنے کا حکم دیتے۔"

اسی طرح حضرت علامہ محمد غازی صاحب گولڑوی جن کا ذکر ص۹۵ پر آیا ہے نے سیف چشتیائی بار چہارم کے ص۱۰ پر صحیح تیس دجال کذاب نبیوں کی فہرست میں جہاں مسلمہ کذاب، اسود عنسی، حمدان بن قرمط، طلیحہ اسدی اور غلام احمد قادیانی کے نام لکھے ہیں وہاں محمد بن عبدالوہاب نجدی کا نام بھی لکھا ہے اور حاشیہ پر اس کی تاریخ اور عقائد باطلہ بھی لکھے ہیں۔

چونکہ پنجاب میں وہابی مذہب کی اشاعت مولوی عبداللہ غزنوی غیر مقلد کے وجود سے ہوئی۔ اس لئے اسے حضرت مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ کی اس تحریر پر بہت صدمہ ہوا اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کا نام جھوٹے نبیوں کے ناموں سے نکالنے کی استدعا کی مگر انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ تحریر فرمایا اور آخر میں یوں جواب تحریر فرمایا۔" اس قدر لکھنے کے بعد ہم وہابیہ کے یہ کہنے سے بری الذمہ ہو گئے ہیں کہ سیف چشتیائی سے محمد بن عبدالوہاب کا نام نکال دیں۔ نظر بحالات موجودہ محمد بن عبدالوہاب کا نام نہ نکالنے سے وہ ہمیں معذور سمجھیں گے۔

محمد غازی عفی عنہ

تفصیل کے لئے بندہ کی تالیف فتنہ وہابیت اور فتنہ نجدیت ملاحظہ ہو۔

اب اس سلسلہ میں چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں:۔

شیخ نجدی کا دعوائے نبوت کرنے کا پروگرام

مفتی حرم شریف علامہ احمد بن زینی

دحلان مکی علیہ الرحمۃ نے شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب کا دعوائے نبوت کرنے کا پروگرام بھی اس طرح درج کیا ہے۔

وَالظَّاهِرُ مِنْ حَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ إِنَّهُ يَدَّعِي النُّبُوَّةَ إِلَّا أَنَّهُ مَا قَدَرَ عَلَى إِظْهَارِ التَّصْرِيحِ بِذَالِكَ وَكَانَ فِي أَوَّلِ أَمْرِهِ مُولِعًا بِمُطَالَعَةِ أَخْبَارِ مَنْ إِدَّعَى النُّبُوَّةَ كَاذِبًا كَمُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ وَسَجَاجٍ وَالْأَسْوَدِ الْعَنْسِيِّ وَطُلَيْحَةَ الْأَسَدِيِّ وَأَضْرَابِهِمْ فَكَأَنَّهُ يُضْمِرُ فِي نَفْسِهِ دَعْوَى النُّبُوَّةِ وَكَانَ يَقُولُ لِأَتْبَاعِهِ إِنِّي أَتَيْتُكُمْ بِدِيْنٍ جَدِيْدٍ وَيُظْهِرُ بِذَالِكَ مِنْ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَلِهٰذَا كَانَ يَطْعَنُ فِي مَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِ وَأَقْوَالِ الْعُلَمَاءِ وَلَمْ يَقْبَلْ مِنْ دِيْنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْقُرْآنَ وَيُؤَوِّلُهُ عَلَى حَسَبِ مُرَادِهِ مَعَ أَنَّهُ إِنَّمَا قَبِلَهُ ظَاهِرًا فَقَطْ لِئَلَّا يَعْلَمَ النَّاسُ حَقِيقَةَ أَمْرِهِ فَيَنْكَشِفُ عَنْهُ

محمد بن عبدالوہاب کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ نبوت کا دعوائے کرتا مگر صراحۃً اس کے اظہار پر قادر نہ ہوا۔ ابتداء میں ان لوگوں کی خبریں دیکھنے کا بہت شوقین تھا جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعوائے کیا تھا مثلاً مسیلمہ کذاب سجاح۔ اسود عنسی اور طلیحہ اسدی وغیرہ اور اپنے دل میں دعویٰ نبوت کو چھپاتا تھا اگر اظہار بس میں ہوتا تو ضرور ظاہر کرتا۔ دین جدید بتاتا ہوں اور یہی بات اس کے اقوال اور افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے مذاہب آئمہ اور اقوال علماء پر طعن کیا کرتا تھا۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین میں سے صرف قرآن کو ہی اس نے قبول کیا تھا اور اپنے ذہن اور خواہش کے مطابق اس کی تاویل کرتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہری طور پر تھا تاکہ لوگ حقیقت حال نہ جان جائیں۔

(الدرر السنیہ ص۴۲)

محمد بن عبدالوہاب نجدی خارجی تھا اور دین جدید کا مدعی تھا

علامہ آفندی اور علامہ دحلان مکی

علیہا الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

تَمَسَّكَ ابْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ فِي تَكْفِيرِ النَّاسِ بِآيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْمُشْرِكِينَ فَحَمَلَهَا عَلَى الْمُوَحِّدِينَ وَقَدْ رَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فِي وَصْفِ الْخَوَارِجِ أَنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا فِي الْمُؤْمِنِينَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي رَجُلٌ مُتَأَوِّلٌ لِلْقُرْآنِ يَضَعُهُ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ فَهٰذَا وَمَا قَبْلَهُ صَادِقٌ عَلَى ابْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ وَأَتْبَاعِهِ وَيَظْهَرُ مِنْ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ أَنَّهُ كَانَ يَدَّعِي أَنَّ مَا أَتَى بِهِ دِينٌ جَدِيدٌ وَلِذَالِكَ لَمْ يَقْبَلْ مِنْ دِينِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَتَلَ كَثِيرًا مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَعَوَامِّ الْمُسْلِمِينَ (الفجر الصادق ص١٩،٢٠)

لٰكِنَّهُمْ لَمْ يُوَافِقُوهُ عَلَى مَا ابْتَدَعَهُ

لوگوں کو کافر بنانے میں محمد بن عبد الوہاب نجدی نے ان آیات سے دلیل پکڑی ہے جو مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان آیات کو موحد مسلمانوں پر اس نے چسپاں کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ الباری نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے خوارج کی علامات بیان کرتے ہوئے روایت درج کی ہے کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرنا خوارج کا طریقہ کار تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے جو کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ہی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جن چیزوں سے مجھے خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرہ امت کے اس شخص سے ہے جو قرآن پاک کی تاویلیں بے محل کرتا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اور اس سے پہلے ارشاد دونوں محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اُس کے ماننے والوں پر صادق آتے ہیں۔ اس کے اقوال اور افعال سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نئے دین کا مدعی تھا۔ اسی لیے نبی پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی بات کو قبول کرتا تھا۔ بہت سے علماء، صلحاء اور عوام مسلمین کو اس بناء پر قتل کردیا کہ انہوں نے اس کی بدعت میں اس موافقت نہیں کی۔ (الفجر الصادق ص١٩،٢٠ والدرر السنیہ ص٤٧)

قتل و غارت کی عام اجازت اور وہابی مذہب کے نرالے اصول

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی علیہ الرحمۃ جو کہ حرم شریف کے امام اور مفتی تھے۔ وہابی مذہب کے نئے اصول اور مسلمانوں کے عام قتل و غارت کی نجدی تعلیم کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:

اسلام میں یہ بڑا فتنہ ظاہر ہوا جس سے عقلیں اڑ گئیں۔ عقلمند حیران ہو گئے تھے

عَنْ اسْتِبَاحَتِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ وَدِمَاءَهُمْ وَانْتِهَاكِهِمْ حُرْمَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِارْتِكَابِهِمْ اَنْوَاعَ التَّحْقِيْرِ لَهٗ وَلِمَنْ اَحَبَّهٗ وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنْ قَبَائِحِهِمُ الَّتِيْ ابْتَدَعُوْهَا وَكَفَّرُوا الْاُمَّةَ بِهَا وَكَانُوْا اِذَا اَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَّتْبَعَهُمْ عَلٰى دِيْنِهِمْ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا يَاْمُرُوْنَهٗ بِالْاِتْيَانِ بِالشَّهَادَتَيْنِ اَوَّلًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ لَهٗ اِشْهَدْ عَلٰى نَفْسِكَ اَنَّكَ كُنْتَ كَافِرًا وَاشْهَدْ عَلٰى وَالِدَيْكَ اَنَّهُمَا مَاتَا كَافِرَيْنِ وَاشْهَدْ عَلٰى فُلَانٍ وَفُلَانٍ اَنَّهٗ كَانَ كَافِرًا وَيُسَمُّوْنَ لَهٗ جَمَاعَةً مِّنْ اَكَابِرِ الْعُلَمَاءِ الْمَاضِيْنَ فَاِنْ شَهِدُوْا بِذَالِكَ قَبِلُوْهُمْ وَاِلَّا اَمَرُوْا بِقَتْلِهِمْ وَكَانُوْا يُصَرِّحُوْنَ بِتَكْفِيْرِ الْاُمَّةِ مِنْ مُنْذُ سِتِّمِائَةِ سَنَةٍ وَاَوَّلُ مَنْ صَرَّحَ بِذَالِكَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ فَتَبِعُوْهُ عَلٰى ذَالِكَ وَاِذَا دَخَلَ اِنْسَانٌ فِيْ دِيْنِهِمْ وَكَانَ قَدْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ قَبْلَ ذَالِكَ يَقُوْلُوْنَ لَهٗ حُجَّ ثَانِيًا فَاِنَّ حَجَّتَكَ الْاُوْلٰى فَعَلْتَهَا وَاَنْتَ مُشْرِكٌ فَلَا تُسْقِطُ عَنْكَ الْحَجَّ وَيُسَمُّوْنَ مَنِ اتَّبَعَهُمْ مِنَ الْخَارِجِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ بَلَدِهِمْ يُسَمُّوْنَهُمُ الْاَنْصَارَ

وہ لوگوں کے جان و مال کو حلال جانتے تھے اور طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے محبین کی تحقیر کرتے تھے۔ جب کوئی شخص طوعاً و کرہاً ان کے دین کا اتباع کرنا چاہتا تھا۔ تو اول کلمہ پڑھنے کا حکم دیتے پھر کہتے تھے کہ اپنے آپ پر گواہ ہو جا کہ تو کافر تھا اور اپنے والدین اور فلاں فلاں اکابر علماء پر گواہ ہو جا کہ وہ کافر مرے ہیں۔ اگر وہ اس کی گواہی دیتا تھا۔ تو اسے قبول کر لیتے تھے ورنہ قتل کا حکم دے دیتے تھے۔ اور جب کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہوتا تھا جس نے حج کیا ہوا ہوتا تھا تو اس سے کہتے تھے کہ دوبارہ حج کر کیونکہ پہلا حج تو نے شرک کی حالت میں کیا پس وہ حج تیرا ادا نہیں ہوا۔ جو لوگ باہر کے ان کی اتباع کرتے تھے ان کو مہاجرین اور اہل شہر کو انصار کہتے تھے۔

(الدرر السنیہ ص۴۶ مطبوعہ استنبول)

۱ مسلمانوں کا قتل وغارت

علامہ احمد بن زینی مفتی و امام حرم شریف علیہ الرحمۃ نے بھی مندرجہ بالا قبائح۔ خباثت اور تعلیمات درج کیے ہیں نیز تحریر فرمایا ہے کہ:

وَاِذَا قَتَلُوْا اِنْسَانًا اَخَذُوْا مَالَهٗ وَاَعْطَوُا الْاَمِيْرَ مُحَمَّدَ بْنَ سَعُوْدٍ مِنْهُ الْخُمُسَ وَاقْتَسَمُوا الْبَاقِيْ۔ (الدرر السنیہ ۴۲)

جب کسی انسان کو نجدی قتل کرتے تو اُس کا مال چھین کر اُس میں سے خمس (پانچواں حصہ) امیر محمد بن سعود کو دے دیتے تھے۔ باقی آپس میں تقسیم کر لیتے تھے

محمد بن عبدالوہاب نجدی کو ماننے والوں کے علاوہ سب مشرک ہیں!

علامہ آفندی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ:

وَيُثْبِتُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَنَّ جَمِيْعَ مَنْ هُوَ تَحْتَ السَّمَاءِ مُشْرِكٌ بِلَا مِرَاءٍ وَمَنْ قَتَلَ مُشْرِكًا فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَكَانَ ابْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ فِيْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهٖ لَا يَتْرُكُوْنَ شَيْئًا مِمَّا يَقُوْلُهٗ وَلَا يَفْعَلُوْنَ شَيْئًا اِلَّا بِاَمْرِهٖ وَيُعَظِّمُوْنَهٗ غَايَةَ التَّعْظِيْمِ۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں علی الاطلاق مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا اس کے لیے جنت لازم ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی ان میں نبی کی طرح تھا۔ وہ اس کے کسی قول کو نہ چھوڑتے تھے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام کرتے۔ اس کی از حد تعظیم کرتے تھے۔

(الفجر الصادق ص۲ مطبوعہ استنبول)

تفسیر بالرائے کی تعلیم

علامہ آفندی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف لطیف الفجر الصادق میں تحریر فرمایا ہے کہ:

اَنَّهٗ هُوَ وَاَتْبَاعَهٗ كَانُوْا يُؤَوِّلُوْنَ الْقُرْاٰنَ بِحَسَبِ اَهْوَائِهِمْ لَا بِحَسَبِ مَا فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ وَالسَّلَفُ الصَّالِحُ وَاَئِمَّةُ التَّفْسِيْرِ

محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکار وہابی قرآن پاک کی تاویلیں اپنی خواہشوں کے مطابق کرتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے صحابہ کرام علیہم الرضوان سلف صالحین اور ائمہ مفسرین علیہم الرحمۃ کی تفسیر کے مطابق تفسیر نہیں کرتے تھے

(الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق ص۱۹)

علامہ احمد بن زینی دحلان مکی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وَمَنَعَ اَتْبَاعَهُ مِنْ مُطَالَعَةِ كُتُبِ الْفِقْهِ وَالتَّفْسِيْرِ وَالْحَدِيْثِ وَاَحْرَقَ كَثِيْرًا مِنْهَا وَاَذِنَ لِكُلِّ مَنْ اَتْبَعَهُ اَنْ يُفَسِّرَ الْقُرْاٰنَ بِحَسْبِ فَهْمِهٖ حَتَّى الْهَمَجُ الْهَمَجُ مِنْ اَتْبَاعِهٖ فَكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَفْعَلُ ذَالِكَ وَلَوْ كَانَ لَا يَحْفَظُ الْقُرْاٰنَ وَلَا شَيْئًا مِنْهُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ مِنْهُمْ لِاٰخَرَ يَقْرَأُ اِقْرَأْ عَلَيَّ حَتّٰى اُفَسِّرَهُ لَكَ فَاِذَا قَرَأَ عَلَيْهِ يُفَسِّرُهُ لَهٗ بِرَأْيِهٖ۔ (الدرر السنیہ ص۴۲)

اپنے پیروکاروں کو کتب فقہ و تفسیر و حدیث کے مطالعہ سے منع کرتا تھا۔ بہت سی کتب جلا بھی دیں۔ اپنے ہر پیروکار کو اجازت دے دی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کرے یہاں تک کہ اس نے اپنے متبعین کو برانگیختہ کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک ایسا ہی کرتا تھا۔ اگرچہ قرآن اسے بالکل یاد نہ ہو۔ جسے یاد نہ ہوتا وہ کسی دوسرے کو کہتا کہ تم قرآن پڑھو میں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ جب وہ پڑھتا تھا تو یہ اپنی رائے سے تفسیر کر دیتا تھا

جیسا کہ آپ نے حصہ سوم میں پڑھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کا خود کاشتہ پودا تھا اور اس کی تحریک سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اسی طرح محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے بھی انہیں بہت فائدہ پہنچا کہ اُمتِ مرحومہ فرقہ بندی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

انگریزوں نے نجدی کی تعریف کیوں کی ہے

قارئین کرام! علمائے محققین نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیم اور اس کے قبائح اور خباثت اپنی کتابوں میں بیان کیے ہیں۔ ان کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس کی تعلیم اور قبائح پڑھنے کے بعد کوئی ذی عقل اور باشعور شخص ایسے شخص کو اور اس کے پیروکاروں کو شریعتِ مصطفوی کا پیروکار اور شیدائی نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی ایسا شخص عوام کی زبان سے مصلح کہلایا جا سکتا ہے۔ مگر انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور رفعت کسی طریقہ سے نکالی جائے کیونکہ اسلام کے نام پر جو یہ مسلمان تن من اور دھن کی بازی لگا دینے کے لیے جو تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عقیدت کی وجہ سے ہی ہے۔ جب انگریزوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات اور اس کے دینِ جدید کے پروگرام کو پڑھا تو ان کو اپنے مقصد میں کامیابی اور کامرانی کی اُمید ہوئی۔ تو انہوں نے سب سے بہتر

یہی سمجھا کہ اس شخص کی تعریف و توصیف کی جائے اور اس کو عظیم شخصیت قرار دیا جائے تو اس کے ماننے والے ہمارے قریب ہو جائیں گے۔ جب وہ قریب ہو جائیں

گے۔ جب وہ قریب ہو جائیں گے تو ان کو ساتھ ملا کر ہم اپنے مقصد (مسلمانوں کے دلوں سے عظمتِ مصطفےٰ نکالنے) میں کامیاب اور کامران ہو جائیں گے۔ بس انگریزوں نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کو عرب کا ایک مصلح کہنا شروع کر دیا جس کو وہابیوں نے اپنی کتابوں میں فخریہ انداز سے شائع کرنا شروع کر دیا جیسا کہ وہابیوں کے سردار ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب "تحریکِ وہابیت" پر ایک نظر میں لکھا ہے کہ

"وہابی سنی مسلمانوں کا ایک ترقی یافتہ فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبد الوہاب کے قائم شدہ اصولوں کے پیرو ہیں۔ عبد الوہاب اٹھارہویں صدی میں ایک عرب مصلح تھا" (تحریکِ وہابیت پر ایک نظر ص۳ مطبوعہ امرتسر)

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تعلیم اور اس کے عقائد کا جب علماء محققین کو علم ہوا تو علماء نے ان کے عقائد پر کفر کے فتوے لگائے اور ان کو سزاوار قرار دیا۔ شریفِ مکہ نے ان کا حرمین شریفین میں داخلہ بند کر دیا جیسا کہ دنیائے اسلام کی شہرۂ آفاق شخصیت حرم شریف کے مفتی اور امام علامہ احمد بن زینی دحلان مکی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیف لطیف الدرر السنیہ میں تذکرہ فرمایا ہے۔

ناظرینِ کرام! یہ سعود بن عبد العزیز نے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ انبیاء عظام، صحابہ کرام اور اولیاء الرحمٰن کی توہین اور گستاخی کی۔ مزارات اور مقاماتِ مقدسہ کو تہ و بالا کر دیا۔ یہ سب کچھ اس نے انگریز کو خوش کرنے کے لیے کیا تھا۔ کیونکہ اس کے سرپرست انگریز تھے۔ وہ انگریز کا وظیفہ خوار و ٹٹو تھا اس لیے مسلمانوں کے دل دکھائے اور انگریزوں کو خوش کیا۔ اس کے انگریز کا وظیفہ خوار ہونے کا ثبوت سنٹرل خلافت کمیٹی کی مسئلہ حجاز کتابی شکل میں شائع شدہ رپورٹ میں موجود ہے جو کہ درج کیا جاتا ہے:

یہ بھی خبر ملی تھی کہ ابنِ سعود سلطان نجد کو بھی انگریزی خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔ ایک کو برطانیہ کا دفترِ خارجہ کی معرفت اور دوسرے کو حکومتِ ہند کے ذریعہ سے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطان ابنِ سعود کو یہ وظیفہ اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ ان کا منہ بند ہو:

(مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص۲۶)

برطانیہ کا پٹھو ابنِ سعود، مسٹر محمد علی کا فتویٰ

مشہور لیڈر جناب مسٹر محمد علی صاحب ایڈیٹر ہمدرد، کامریڈ نے (جو آج کل ابنِ سعود کے خاص نعت خوانوں میں داخل ہیں) اس تقریر میں جو آپ نے خلافت کانفرنس کراچی میں فرمائی تھی۔ ابنِ سعود کے متعلق فرمایا کہ:

"اگر کسی وقت شریفِ مکہ امیر فیصل برطانیہ کے برخلاف ہوجائیں تو بنظرِ حفظِ ماتقدم ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کرلیا ہے۔ اور وہ ابنِ سعود ہے۔ جسے ساٹھ ہزار پونڈ (۹ لاکھ روپیہ) سالانہ دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ بوقتِ ضرورت اس کو شریف کی جگہ بٹھادیا جائے۔" (تقاریر مسٹر محمد علی صاحب مطبوعہ غنی المطابع دہلی حصہ دوم ص۶۶)

(فتنہ نجدیت کے ڈھول کا پول ص۱۲۱)

سردار محمد حسنی بی۔اے کا بیان

سردار محمد حسنی بی اے بھی جو کہ سوانح ابنِ سعود کے مورخ ہیں۔ عبدالعزیز بن سعود جو کہ وہابیہ نجدیہ کے مجدد ہیں کے متعلق انگریزوں کے وظیفہ خوار ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"عبدالعزیز ابنِ سعود کو بھی پانچ ہزار پونڈ ماہوار کا وظیفہ انگریزوں کی طرف سے ملتا تھا۔"

سردار محمد حسن نے اس وظیفہ کے جاری رہنے کی مدت بھی لکھی ہے کہ:

"ابنِ سعود کا ماہانہ وظیفہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہوکر مارچ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔" (سوانح حیات سلطان ابنِ سعود ص۲۹ مطبوعہ جالندھر)

مولوی ظفر علی خاں

مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار زمیندار نے بھی ایک رباعی لکھی ہے۔ جس میں ابنِ سعود کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

ابنِ سعود کیا ہے؟ فقط اِک حرم فروش
برطانیہ کی زُلفِ گرہ گیر کا اسیر
اسلامیوں پر اس نے برسوائیں کرلیاں!
پھر کیوں نہ کشتنی ہو زمیندار کا مدیر

(نگارستان ص۲۵۲ از ظفر علی خاں)

جیساکہ آپ نے اُوپر پڑھا۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو ناکامی کے بعد جو کامیابی حاصل ہوئی وہ آلِ سعود کی تلوار سے ہوئی جو حجاز مقدس پر قابض ہوئے اور انھوں نے وہابی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور آلِ سعود کو انگریزوں کی اعانت حاصل تھی۔

قارئین حضرات! سعودی حکومت میں آلِ سعود اور آلِ شیخ دو خاندان مشہور ہیں۔ دونوں باہمی پروگرام طے کرتے ہیں بعد ازاں اُس پر عملدرآمد ہوتا ہے سعودی حکومت نے جو مزارات مقدسہ کو مسمار کیا تھا یہ ان کے مجدد اور بڑے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیم اور طریقہ کے مطابق تھا۔ کیونکہ نجدی نے خود اپنے ہاتھ سے مزاراتِ مقدسہ کو ڈھایا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جو کہ درج کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ پر حملہ سردار محمد حسن بی اے مؤرخ لکھتے ہیں کہ: سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا۔ حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طائف پر قابض ہو گیا۔ اور وہاں سے گرد و نواح میں افواج بھیجنے لگا شریف کے پاس کوئی قابلِ ذکر فوج نہ تھی۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدہ چلا گیا۔ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا۔ وہابی مدت سے اُدھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی۔ اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو فنا کر دی جائے گی۔ چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ زیارت گاہوں کی بیحرمتی کی گئی۔ حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے۔ وہابیوں کے معتقدات کے مطابق جس قدر شعائر یا رسومات قرآن و سنت کے خلاف تھیں یکلخت ممنوع قرار دی گئیں۔ (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص۴۹)

مکہ مکرمہ کے علاوہ وہابیوں نے مدینہ منورہ پر بھی حملہ کیا۔ اور مقامات مقدسہ اور مزارات کو منہدم کر دیا۔ روضہ نبوی کی زیارت کرنے والوں پر تشدد کیا۔ یہاں تک کہ گنبدِ خضرا کو منہدم کرنے کا بھی ارادہ کر لیا۔ ان سب کا ثبوت وہابیہ کی ہی مستند کتب کے حوالہ جات سے پیش کیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ پر حملہ وہابیہ نجدیہ کے مؤرخ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب حیاتِ طیبہ میں لکھتا ہے کہ:

"سعد بن عبدالعزیز نجدی ۱۸۰۴ء کے آخر میں مدینہ منورہ پر قابض ہوا۔ تو اُس نے مدینہ منورہ کے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اُٹھا دیا جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی۔"

(حیات طیبہ ص۳۰۸ سطر ۱۲ تا ۱۵ مطبوعہ لاہور)

وہابیوں کی گنبدِ خضریٰ پر گولہ باری

سردارِ محمد حسن مؤرخ لکھتے ہیں کہ اگست میں نجدی افواج مدینہ کی طرف بڑھیں۔ اسی مہینے کی پچیس تاریخ کو امیر علی کے حکام نے اقصائے عالم میں یہ خبر مشہور کر دی کہ نعوذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس مرقد پر نجدی گولہ باری کر رہے ہیں۔ نجدیوں کی طرف سے تردید تو شائع ہوئی لیکن بعد از وقت پہنچی۔ مسلمانوں میں پھر غیظ و غضب برپا ہوا۔ مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوتے۔ فرداً فرداً مسلمان بھی روضہ مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تحفظ کے لیے کوشش کرتے رہے۔ ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا۔ ۱۹۲۵ء کے آواخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضے کی گنبد میں پانچ گولیاں لگی ہیں۔ (سوانح حیات سلطان ابن سعود ص۱۵۱)

مجتہد الوہابیہ نواب صدیق حسن کی گواہی

غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کے مجتہد نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی لکھتے ہیں کہ:

"سعود نے مزارِ مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کر دیا۔ اور اس کے خزائن اور دفائن سے سب لوٹ کر درعیہ کو لے گیا بعضوں نے کہا کہ ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے خزانہ لے گیا۔ اور ایسا ہی ابی بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا۔ اور مدینہ پر مرحبن شیخ بنی حرب کو حاکم کیا۔ اور لوگوں کو دعوت وہابیہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور سعود نے قبہ مزارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا۔ مگر اس امر کا مرتکب نہ ہوا۔ اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے"!

قارئینِ کرام! اللہ تعالےٰ اور اس کے پیارے رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک حرم شریف میں قتل و قتال کو حرام قرار دیا مگر وہابیوں نے اللہ تعالےٰ اور رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی سرکشی کرتے ہوئے حرم شریف میں قتل و قتال کیا۔

اب خود اندازہ لگائیے کہ یہ وہابی مذہب کہاں تک اللہ تعالےٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات پر عمل پیرا ہے اور ان کے ارشادات کی تبلیغ کرتا ہے۔

تفصیل کے لئے بندہ کی تالیف فتنہ نجدیت ملاحظہ ہو!

اس ظالم نے طائف، کربلا معلّٰی اور نجف شریف کے مزارات کو بھی تہ و بالا کیا اور لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ جب وہابیوں نے حضرت ابن عباس کے مزار کو پھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کیا جس میں بچے عورتیں اور بوڑھے شامل تھے تو ۱۱ ستمبر ۱۹۲۵ء کو کعبۃ اللہ کے سامنے ۲۰ ہزار مسلمانوں نے جو جاوا، سماٹرا، ہندوستان، سوڈان، ایران، الجیریا اور روس پر مشتمل تھے احتجاج کیا اور ایک تار سنٹرل خلافت کمیٹی ہندوستان کو مکہ مکرمہ سے بھیجا جو وہابیوں نے شہر طائف کے مسلمانوں پر انسانیت سوز وحشیانہ سلوک کیا۔ (مسئلہ حجاز رپورٹ وفد خلافت ۱۹۲۶ء ص ۵۴)

چنانچہ ۳۰ مئی ۱۹۲۶ء صبح کو مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب (جو کہ وفد خلافت کے اراکین تھے) سلطان ابن سعود کو ملنے گئے جو رپورٹ میں درج ہے کو اس سانحہ پر عالم اسلام کی تشویش کا اظہار کیا۔ جب نجدی حکومت نے دیکھا کہ دیگر مسلم ممالک اور ان کی رعایا کے جذبات ہمارے سخت خلاف ہیں تو انہوں نے مدینہ منورہ کے علماء کا ایک جاہلی فتوے دکھایا جس میں لکھا تھا کہ مزارات اور قبوں کو مسمار اور منہدم کر دیا جائے، جب وفد خلافت نے اس کی تحقیقات کی تو سوائے فراڈ، دھوکہ دہی مطلقاً کوئی سچائی نہ تھی۔ رپورٹ میں یہ بھی درج ہے کہ صدر الافاضل امام المفسرین علامہ سید محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی (جنہوں نے کنز الایمان پر حاشیہ لکھا ہے) نے ابن سعود نجدی کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ ان دنوں غیر مقلد گروہ کے مشہور کارکن مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر حج میں ابن سعود کی تر دعوتوں سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ اس کا حق نمک ادا فرمانے کے لئے صدر الافاضل صاحب کو تحریری مناظرہ کی دعوت دی۔ آپ نے ابن سعود کو لکھا کہ نجدی علماء باطل پر ہیں اور ہم ان سے مناظرہ کے لئے آمادہ ہیں اور جب تک فیصلہ کن مناظرہ نہ ہو تم متبرک مقامات کو مسمار نہ کریں۔ مگر اس ظالم نے ایک نہ سنی۔

مذہب نامہذب وہابیت کے بانی اور نام نہاد موحد اور تحریک جہاد کے علمبردار محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین نے نہ کبھی کفار اور مشرکین سے جہاد کیا۔ نہ ہی کسی بت خانہ کو پاش پاش کیا بلکہ ان کے مذہب میں جہاد صرف اور صرف مرسلین، انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عظمت و رفعت اور شان و شوکت کے متعلق نہایت نازیبا حملے کرنا اور مزاراتِ مقدسہ اور مشاہد مبارکہ کو شہید اور مسمار کرنا ہے نیز عشاقِ رسول معتقدینِ اولیاء کاملین پر ظلم و ستم بلکہ ان سے قتل و جدال

رکھا ہے۔ اور اسی طریق کار سے ان کی شقاوتِ قلبی عیاں ہوتی ہے ان کی شقاوت قلبی اتنی حد تک پہنچ چکی ہے کہ حرمین شریفین پر بھی حملہ کرنے سے باز نہ آئے ان کے ظلم و ستم کی انتہا کا یہ حال ہے کہ انہوں نے شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں کے سینوں پر بھی ذبح کر دیا۔ شعائر اللہ کی عظمت ان کے دل سے اس حد تک ختم ہو چکی تھی کہ قرآنِ کریم اور کتبِ احادیثِ نبوی کو انہوں نے نالیوں، روڑی اور کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا۔

علامہ جمیل آفندی علیہا الرحمۃ نجدیوں کے ظلم و ستم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ، ذیقعدہ ۱۲۱۷ھ میں نجدیوں نے طائف شریف پر قبضہ کر لیا۔

وَقَتَلُوا الْكَبِيْرَ وَالصَّغِيْرَ وَ الْمَامُوْرَ وَالْآمِرَ لَمْ يَنْجُ اِلَّا مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَكَانُوْا يَذْبَحُوْنَ الصَّغِيْرَ عَلٰى صَدْرِ اُمِّهٖ وَغَصَبُوا الْاَمْوَالَ وَ سَبُوا النِّسَاءَ وَفَعَلُوْا اَشْيَاءَ يَطُوْلُ الْكَلَامُ بِذِكْرِهَا۔	اور بڑے چھوٹے، محکوم اور حاکم سب کو قتل کر ڈالا صرف وہی بچا جس کی عمر طویل تھی۔ شیر خوار بچے کو ماں کے سینے پر ہی ذبح کر دیتے تھے۔ مال لوٹ لیے۔ عورتوں کو قید کر لیا۔ بہت سی ایسی حرکات کیں جن سے بہت طول ہوتا ہے۔

(الدرر السنیہ ص۴۹، الفجر الصادق ص۲۲ مطبوعہ استنبول)

یہ تو تھا محمد بن عبدالوہاب نجدی کا کردار جس نے آلِ سعود سے مل کر ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام گمراہ فرقوں سے محفوظ رکھے اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور اولیاء کرام کے سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جنہیں انعام یافتہ ہونے کی خود ذاتِ باری تعالیٰ نے سند عطا فرمائی ہے۔ وَ اٰخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولِ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

یکے از سگانِ آلِ اطہار و صحابہ کبار

فقیر ابوالامام نواب الدین عفی اللہ تعالیٰ عنہ گولڑوی

۱/۱۶ شمس سٹریٹ۔ سعدی پارک، مزنگ لاہور

۲، جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۲؍ فروری ۱۹۸۶ء بروز بدھ

تقریظ

برصغیر پاک و ہند کو اگر فتنوں کی سرزمین کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا اکبر کے "دین الہٰی" سے فتنہ مرزائیت کے ظہور تک بے شمار فتنے نمودار ہوئے۔ اور برساتی پتنگوں کی طرح ٹراتے ہوئے اپنی موت مر گئے۔ یہاں تک کہ آج اکبر کے "دین" کا نام لینے والا کوئی نہیں، بعینہ اسی طرح کل تک قادیانی کذاب کا نام لیوا بھی فنا کے گھاٹ اتر جائے گا، انشاء اللہ العزیز۔ مگر جب تک آفتاب کے طلوع و غروب کا سلسلہ قائم ہے دُنیا سراج منیر سے برابر مستفیض ہوتی رہے گی۔ لیکن سے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راست خواہی ہزار چشم چناں — کور بہتر، کہ آفتاب سیاہ

دنیا میں جن فتنوں کے ظہور کی خبر مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی، ان میں سے ایک عظیم فتنہ "قادیانی کذاب" کی شکل میں پنجاب سے نکلا، جسے برطانوی سامراج نے پروان چڑھایا اور تمام طاغوتی طاقتیں اس کی پشت پناہ ثابت ہوئیں، چودھویں صدی ہجری کی ابتدا اس فتنہ کے عروج کی داستان پیش کرتی ہے۔ پسِ منظر میں جھانکیے تو تیرھویں صدی کو مسلمانانِ برصغیر کے لئے انتہائی ابتلاء و آزمائش کی صدی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ہاتھ سے اقتدار چھینا جارہا تھا تو دوسری طرف نام نہاد مسلم رہنما، ایمانداروں کے دل سے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دولت سرمدی کو نکال باہر کیا چاہتے تھے، مکار انگریز نے ہر محاذ پر اپنے ایجنٹ بٹھا رکھے تھے۔ پلان کے مطابق تقدیس الوہیت اور ناموسِ رسالت پر حملے شروع ہوئے، علم و عمل کے مدعی، العلم حجاب الاکبر کے زندان میں بند ہوچکے تھے، امکان کذب، امتناعِ نظیر، ختم نبوت ایسے نازک مسائل قرطاس و قلم کی زد پر تھے، ایک طرف سے آواز آئی، خدا جھوٹ بول سکتا ہے، دوسری آواز گونجی۔" آن کی آن میں خدا کروڑوں محمد پیدا کرسکتا ہے"، تیسرا پکارا۔" اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

بس میدان تیار تھا، نہ جانے کون کون سی شخصیتیں اپنی اپنی نبوت کے اعلان

کے لئے پر تول رہی تھیں کہ موقعہ غنیمت جانتے ہوئے قادیانی کذاب اکھاڑے میں آیا اور بازی لے گیا۔ باقی منہ دیکھتے اور خون چاٹتے رہ گئے۔

متنبئ قادیان نے پہلے پہل محدثیت، مجددیت کا ڈھونگ رچایا پھر مہدیت کا سیوانگ بھرا۔ کچھ حواری اکٹھے کئے، سرکار انگریز نے ہر قسم کی سہولت مہیا کی، مال و دولت میں کمی نہ آنے دی، رسائل و جرائد اور کتب کی اشاعت کے لئے تمام ذرائع آسان بنا دیئے، جس سے اس دجال کی باچھیں کھلتی گئیں، نئے نئے عجوبے ظہور پذیر ہونے لگے۔ ایک دن مسیح موعود کا دعوےٰ اگلا تو دوسرے روز ظلی و بروزی نبی کی اصطلاح اختراع کی، پھر آن کی آن میں منصب نبوت کا اعلان داغ دیا۔ انگیزی سرکار نے انگریزی نبی کے لئے انگریزی فرشتہ کی اسامی بھی نکال دی۔ جس کا نام جھنڈا اور وحی ٹیچی ٹیچی تھی۔

حکومت برطانیہ نے اُمرائ، رؤسا اور سرکاری افیسروں کو قادیانی کذاب کے تسلیم کرنے پر انعام کا لالچ دیا اور انکار پر زمینیں، جائیدادیں، جاگیریں اور عہدے ختم کرنے کا خوف مسلط کیا۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں عاشقانِ مصطفےٰ نے علماء کرام، مشائخ عظام کی آواز پر لبیک کہا اور ہر محاذ پر مردانہ وار مقابلہ کے لئے کمربستہ ہوئے۔ معرکے سر کرنے لگے، دشمنانِ اسلام کو منہ کی کھانی پڑی۔ خصوصاً فتنہ مرزائیت کا استحصال علماء و مشائخ اہلِ سنت ہی کا مرہون منت ہے۔ جیسا کہ بالتفصیل حضرت مولانا الحاج صوفی نواب دین صاحب چشتی گولڑوی دامت برکاتہم کی اس عدیم النظیر ترتیب "آفتاب گولڑہ اور فتنہ مرزائیت" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

"فتنہ مرزائیت" کی تردید میں ہزاروں رسائل و کتب اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں۔ اور جب تک انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا بیخ و بن سے اکھاڑ باہر نہیں کیا جاتا۔ اُس وقت تک اہلِ محبت کا راہوارِ قلم سرپٹ دوڑتا رہے گا، علماء و مشائخ عظام میں ایک سے ایک بڑھ کر اس سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کرتا نظر آتا ہے۔ مگر اس مختصر اوراق میں چند نام تبرکاً تحریر کئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

قادیانی کذاب پر پہلی ضرب، حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب بھیروی لاہوری علیہ الرحمۃ نے لگائی، دوسرا وار حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری دائم الحضوری نے کیا لبعدہٗ علماء کرام، مشائخ عظام کی مساعی جمیلہ اس کا ناطقہ بند کرنے میں صرف ہوئیں۔ جن میں سر فہرست آفتاب گولڑہ سیدنا پیر مہر علی شاہ مجدد مائتہ حاضرہ حضرت مولانا الشاہ

احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی، حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی، حضرت مولانا محمد یعقوب الحسن کا بدایونی، حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی، حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب اعظمی، حضرت مولانا سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف، امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری، مجاہد ملت حضرت مولانا خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی، حضرت مولانا غلام محمد صاحب ترنم امرتسری، حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف صاحب حضرت مولانا محمد عالم صاحب آسی امرتسری، حضرت مولانا نواب الدین صاحب ستکوہی، حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی، غازی کشمیر حضرت مولانا علامہ ابوالحسنات صاحب قادری،[1] اور آپ کے صاحبزادے سید خلیل احمد صاحب، امام اہلسنت حضرت مولانا سید ابوالبرکات صاحب اور آپ کے صاحبزادے سید محمود احمد صاحب رضوی، شیخ الاسلام حضرت خواجہ الحاج الحافظ محمد قمر الدین صاحب سیالوی، سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد عمر صاحب اچھروی، حضرت مولانا عارف اللہ شاہ صاحب قادری، حضرت مولانا قاری احمد حسن صاحب گجراتی، حضرت مولانا مفتی احمد یار صاحب گجراتی، حضرت مولانا پیر سید ولایت حسین شاہ صاحب گجراتی، فقیہ اعظم حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی بصیر پوری، حضرت مولانا الحاج غلام دین صاحب لاہور، محدث اعظم پاکستان ابوالفضل مولانا محمد سردار احمد صاحب چشتی، حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور صاحب ہزاروی، شہباز خطابت حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب، حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب نوری قصوری علیہم الرحمۃ والرضوان کے علاوہ سینکڑوں علماء و مشائخ عظام نے اس کذاب کے

---

[1] مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں تحریر فرمایا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کافر ہیں۔ جو انہیں کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ دیگر ان کی تصنیف "ختم النبوت" جو انہوں نے اسی سلسلہ میں لکھی ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔ یہ کتاب مکتبہ نبویہ نے شائع کی ہے اور ہجویری کتب خانہ بیرون موری گیٹ سے دستیاب ہے۔

[2] یوں تو ہر مسلمان کو اپنے نبی اور ان کے دین سے والہانہ محبت ہے۔ مگر سادات کرام کو اپنے نانا جان کے دین کا جس قدر پاس ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں بھی ضرورت پیش آئی سینہ تان کر کھڑے ہو گئے محاذ کشمیر ہو یا تحریک ختم نبوت۔

نظریات و عقائد کی تردید فرمائی اور عاشقانِ مصطفےٰ نے نہایت عمدگی سے رہنمائی فرمائی۔

قادیانی کذاب کے خاتمہ کے لئے ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء میں تاریخ ساز تحریکیں چلیں، جو اپنی مثال آپ تھیں۔ ان تحریکوں پر بے شمار رسائل و کتب شائع ہو چکے ہیں، تاہم قارئین کی ایمانی حلاوت میں اضافہ کے لئے چند سطور حاجی صاحب موصوف کی زبانی درج کی جاتی ہیں۔ موصوف کا بیان ہے کہ میں عارف والا میں تھا۔ جب ۱۹۵۳ء کی تحریک چلی۔ وہاں مولوی لطف اللہ دیوبندی نے اپنی نہایت دلفریب آواز میں سنی نوجوانوں کو للکارا کہ "آؤ! آؤ! شمع رسالت جل رہی ہے۔ کہاں گئے شمع رسالت کے پروانے۔ اب پروانے قربان ہونے کے لئے آئیں۔" چنانچہ سنی نوجوان پروانہ وار سر دل پر کفن باندھے حسب پروگرام ہر جمعہ کو ٹولیوں کی شکل میں جامع مسجد عارف والا میں اس کیفیت سے آتے کہ ان کی مائیں اور بہنیں بڑے ہی جذباتی مگر باوقار انداز میں انہیں ناموس رسالت پر قربان ہونے کے لئے پیش کرتیں اور تاکید کرتیں کہ دیکھو! تم تحفظ ختم نبوت کے لئے جا رہے ہو وہاں گولیوں کا سامنا ہے۔ پیٹھ نہیں دکھانی بلکہ گولی چھاتی پر کھانی ہے۔" چنانچہ نعرۂ تکبیر و رسالت کی گونج میں تحریک کے مرکز لاہور کی طرف روانہ ہوتے اور اپنی چھاتیاں تحفظ ختم نبوت کی خاطر چھلنی کراتے اور شہادت کی سعادت حاصل کرتے۔ مگر دیوبندی اور دوسرے فرقوں کے نہ نوجوان باہر نکلے اور نہ ہی علماء کام آئے۔

یہی مولوی لطف اللہ دیوبندی عارف والا میں سنیت کا روپ دھارے مدت تک اہلسنت جماعت کی مسجد میں خطابت کے جوہر دکھاتا رہا۔ جب شبہ ہوا کہ یہ تو کچھ اور ہے تو حضرت مولانا حافظ محمد شفیع صاحب اوکاڑوی علیہ الرحمتہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جمعہ کا دن تھا حضرت حافظ صاحب نے دیوبندی اکابر کی عبارات پڑھ کر عوام کی صحیح رہنمائی فرمائی اور وہ مسجد سے چلتا بنا پھر اس نے اہل سنت و جماعت کے خلاف محاذ بنالیا، ایک روز ایک جلسہ میں اس نے اعلان کیا کہ اگر میرے عقائد غلط ہوں تو میں جل مروں چنانچہ صبح جب واپسی ہوئی تو اس کی لاری میں آگ بھڑک اٹھی۔ آگ نے اس تیزی سے پکڑا کہ جل کر راکھ ہوگیا۔ بلکہ اس کی نحوست سے تمام بس والے بھی جل گئے۔ اسی لئے مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

الغرض ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکوں میں بھی علماء و مشائخ اہلسنت نے عملاً حصہ

لیا۔ سُنّی عوام کی ڈھارس بندھائی، نہ صرف قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ بلکہ سولی تک کی سزا سن کر شکرانے کے سجدے ادا کئے۔ یوں تو ہر ایک کا نام سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ مگر اختصار کے پیشِ نظر چند ایک اسمارِ گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔

مجاہدِ ملت حضرت مولانا عبدالستار خاں صاحب نیازی، مفتی امین الحسنات لاہوری، حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، قائدِ اہلِ سنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی، علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری، حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہر بھیروی، علامہ ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری بصیر پوری، مولانا الحاج ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب ہاشمی، مولانا حافظ محمد عالم صاحب شیخ الحدیث سیالکوٹ، مفتی مختار احمد صاحب نعیمی، سید حسین الدین شاہ صاحب ہاشمی، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی، مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب، مولانا سید محمود شاہ صاحب گجراتی، مولانا سید مراتب علی شاہ صاحب، مولانا صاحبزادہ افتخار حسن صاحب، مولانا ابوالبیان غلام علی صاحب اوکاڑوی مولانا غلام مہر علی صاحب چشتی گولڑوی، اور ان کے علاوہ سینکڑوں علمار کرام نے ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء کی تحریکوں میں حصّہ لیا اور الحمد للہ یہ تحریکیں اتنی موثر اور بار آور ثابت ہوئی کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قادیانی کذاب اور اس کی ذریت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر آئین کا حصّہ بنایا۔ اس پر نہ صرف پاکستانی مسلمانوں نے سجدہ شکر ادا کیا بلکہ عالمِ اسلام نے اس پر تحسین فرمائی۔

زیادہ کیا عرض کیا جائے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے حضرت مولانا صوفی نواب الدین صاحب چشتی گولڑوی کی یہ نادر ترتیب جس میں فتنہ مرزائیت کی گوشمالی کرتے ہوئے کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا۔ اور پھر آفتابِ گولڑہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب چشتی علیہ الرحمۃ کی جراَتِ عاشقانہ کا جو حسین نقشہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے یہ انہی کا حق تھا۔ اللہ تعالےٰ موصوف کی جملہ تصانیف کو شرفِ قبول سے بہرہ ور فرمائے، مسلمانوں کے لئے خضرِ راہ ؛۔ آمین بجاہ ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

محمد منشا تابش قصوری

۵ مارچ ۱۹۸۶ء — خطیب جامع مسجد ظفریہ، مرید کے

محمد یونس کھوکھر نے کتابت کی اور اردو آرٹ پریس میں چھپا۔

تصانیف ابو الامام حاجی نواب دین چشتی گولڑوی

- آفتابِ گولڑہ اور فتنۂ مرزائیت : متنبئ قادیان کا ذلّت آمیز فرار ۲۵/-
- فتنۂ یزیدیت : آلِ اطہار کے فضائل اور یزید پلید کا کردار ۱۵/-
- فتنۂ نجدیت : قرن الشیطان ابن عبد الوہاب نجدی کی مستند تاریخ ۵/-
- فتنۂ وہابیت : وہابیت کا ناسور برِ اعظم ایشیا میں کیسے پھوٹا ؟ ۱۵/-
- فتنۂ معتزلہ : فرقۂ معتزلہ اور ان کے عقائد کا جامع بیان ۱۲/-
- فتنۂ مودودیت : ابو الاعلیٰ مودودی کے اجتہاد کی نقاب کشائی ۶/-
- فتنۂ ناصبیت : حبِ عثمان غنی کے پردہ میں بغضِ علی کی حقیقت ۶/-
- فتنۂ خارجیت : یزید کی مکاری اور اس کی اصلی صورت کا آئینہ ۶/-
- تحریکِ پاکستان اور دیوبند کا کردار : انکی پاکستان دشمنی اور ہندوؤں سے دوستی کی تحقیقی داستان ۱۵/-
- اتحاد کی صورت : اہل سنت اور دیوبندیوں میں اتحاد کیسے ممکن ہے ؟ ۱۵/-
- گلدستۂ عقیدت : مسئلہ علم غیب پر علماء دیوبند اور اہلحدیث کا اتفاق ۱۵/-
- عقائدِ سنیہ مہریہ : آفتابِ گولڑہ شریف کی تحریریں جملہ اختلافی مسائل کا جامع حل ۱۴/-
- موازنۂ تراجمِ قرآن : اردو تراجم کا تقابلی جائزہ ۱۰/-
- روپ بہروپ : منافقین کا غزوات میں کردار اور اس کی ذریت کی معنی خیز کارگزاریوں کا عکس ۱۵/-
- صراطِ مستقیم : تبلیغی جماعت کے طریقۂ کار پر علماء دیوبند کا فیصلہ ۱۹/-
- نوری بشر : مسئلہ نور اور علمائے دیوبند کا نظریہ ۱۹/-
- دو رخی : علماء دیوبند کی متضاد عبارات بلا تبصرہ ۲۵/-
- میں تم سے بڑا وہابی ہوں : مولوی محمد زکریا کا مقولہ اور وہابیہ کے عقائد ۱/-
- وہابیوں کی سیاسی عیاری : تحریکِ پاکستان کی مخالفت اور موجودہ انداز ۲/-
- فرقہ بندی کا سبب : علماء دیوبند کی عبارات کا عکس ۴/-
- محمد نور : محمد منشا تابش قصوری : نورانیتِ مصطفےٰ پر ایک بے نظیر تحقیق ۶/-

ملنے کا پتہ : مکتبۂ غوثیہ ۱۶/۱ شمس سٹریٹ سعدی پارک مزنگ لاہور